نظرثانی و اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

رضوان اللہ علیہم اجمعین

صحابہ کرام پاکستان میں

ترتیب و تحقیق

مولانا ڈاکٹر ضیاء اللہ جدون

تقریظ

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مکتبہ عزیزیہ

سلام کتب مارکیٹ دکان نمبر 17 علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

Cell: 0300-2343814

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحابہ کرامؓ
پاکستان میں

تحقیق وترتیب

ضیاء اللہ خان جدون

www.besturdubooks.net

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

- کتاب : صحابہ کرام ؓ پاکستان میں
- مصنف: ضیاءاللہ خان جدون
- رابطہ نمبر: 03005453322-03005994140
- طبع اول : 2017ء
- تعداد : 1100
- قیمت : 350 روپے
- ناشر : نوار خان جدون ریسرچ سنٹر بیسک گدون صوابی پختونخوا

Ziajadoon313@gmail.com

ملنے کے پتے :

1۔ اسلامیہ ٹاؤن نزد فارسٹ بازار پشاور03005994140 2۔ قاسم بک سنٹر صوابی03149874375

3۔ یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور 4۔ حکیم آمان اللہ خان جدون لاہور 03214500151

5۔جامعہ سنان بن سلمہ ؓ خضدار بلوچستان03352937683، 6۔مولانا حمداللہ شیر شاہ کراچی

03200814993۔7۔جناب مراد آیاز ماڈل ٹاؤن اسلام آباد 03083581616

نوٹ: یہ کتاب صرف ثواب کی خاطر شیئر کی جارہی ہے، اسے کسی قسم کے ذاتی مالی فائدے کے لیے استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔
نیز اگر کوئی فرد یا ادارہ ثواب کے لیے چھاپنا چاہتا ہے تو رابطہ کرے۔
مصنف

فہرست کتاب

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
1۔بہ دعائے خصوصی	6	14۔شہر دیبل کے بارے میں تحقیق	34
2۔انتساب	7	15۔عرب وسندھ کے تعلقات	44
3۔تعظیمی سلام	8	16۔حاکم سندھ کا خدمت اقدس ﷺ	
4۔تعارف مصنف	9	میں تحفہ بھیجنا	48
5۔ضروری گزارش	11	17۔رسول اللہ ﷺ کا سندھ صحابہ بھیجنا	54
باب اول		باب دوم	
6۔پاکستان در عہد نبوی وصحابہؓ	15	1۔صحابہ کرامؓ کی پاکستان آمد	60
7۔پاکستان (سندھ)	16	2۔حضرت عمرؓ کا بحری مہم کی مخالفت	61
8۔سندھ کی وجہ تسمیہ	17	3۔اطاعت امیر سے روگردانی یا حکمت	63
9۔پاکستان (سندھ) کا حدود اربعہ	20	4۔پہلے صحابیؓ حضرت مغیرہؓ کا ورود	65
10۔پاکستان (سندھ) کی ملکی تقسیم	22	5۔حضرت مغیرہؓ کی یہاں شہادت	67
11۔پاکستان (سندھ) کی سیاسی صورتحال	23	6۔صحابہؓ کے یہاں آنے کا مقصد	71
12۔پاکستان (سندھ) کی مذہبی صورتحال	27	7۔یہاں 23ھ کے اہم واقعات	73
13۔پاکستان (سندھ) کے مشہور شہر	31	8۔ابن عامرؓ کا کرمان پر حملہ	77
14۔دیبل کے بارے میں تحقیق	34	9۔عہد عثمانیؓ	82

www.besturdubooks.net

10۔ابن عامرؓ بحیثیت والی خراسان	84	28۔چھچھ (اٹک)	121
11۔حضرت مجاشعؓ کا کرمان پر دھاوا	85	29۔فتح بنوں (پختونخوا)	122
12۔حضرت ابن سمرہؓ کی تقرری	86	30۔فتح قندابیل (بلوچستان)	123
13۔خلافت علویؓ	87	31۔حضرت سنان بن سلمہؓ کی ولایت	124
14۔حضرت حارث بن مرہؓ کی سندھ آمد	89	32۔حضرت منذر بن جارودؓ کی شہادت	134
15۔فتح قیقان (قلات)	90	33۔حضرت سنان بن سلمہ بن محبقؓ	138
16۔حضرت زیادؓ والی خراسان	94	باب سوم	
17۔خلافت امیر معاویہؓ	98	1۔پاکستان میں وارد صحابہؓ کے سوانح	143
18۔حضرت ابن قیسؓ کا صیقلہ پر حملہ	100	2۔حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفیؓ	144
19۔حضرت عمروؓ کا لسبیلہ پر حملہ	101	3۔حضرت ربیع بن زیادؓ حارثی	155
20۔حضرت راشد بن عمروؓ کی یلغار	101	4۔حضرت سعد بن ہشام انصاریؓ	160
21۔حضرت عبداللہ بن سوارؓ کے قبضے	103	5۔حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ	164
22۔والی بصرہ حارث بن عبداللہؓ	110	6۔حضرت سہل بن عدی خزرجیؓ	167
23۔مہلب بن ابی صفرہؓ کے حملے	110	7۔حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ	170
24۔حضرت زیادؓ کا والی مقرر ہونا	111	8۔حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاریؓ	179
25۔پشاور کی تاریخی حیثیت	112	9۔حضرت شہاب بن مخارق تمیمیؓ	180
26۔فتح لاہور (صوابی)	121	10۔حضرت صحار بن عباس عبدیؓ	182
27۔فتح صوابی اور اٹک کی وجہ تسمیہ	121	11۔حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ	185

www.besturdubooks.net

12۔ حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ	191	28۔ حضرت سنانؓ کی پاکستان آمد	247
13۔ حضرت نسیر بن دیسم عجلیؓ	192	29۔ بصرہ کو واپسی	249
14۔ حضرت حکم بن جبلہ عبدیؓ	194	30۔ راشدؓ کا آپکی سیادت کا اعتراف	251
15۔ حضرت عبید اللہ بن معمر تیمیؓ	199	31۔ حضرت سنانؓ کا واپس یہاں آنا	252
16۔ حضرت عمیر بن سعد انصاریؓ	201	32۔ حضرت سنانؓ کی کرامات	253
17۔ حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ	207	33۔ عجیب طریقہ جہاد کے موّجد	254
18۔ حضرت خریت بن راشد ناجیؓ	211	34۔ آپؓ کی معزولی	263
19۔ حضرت عبداللہ بن سویدؓ	212	35۔ آپؓ کی تیسری بار آمد	258
20۔ حضرت مہلب بن ابی صفرہ عتکیؓ	214	36۔ آپؓ کی آخری بار آمد اور شہادت	259
21۔ آپؓ کی مرویات	227	37۔ تاریخ شہادت کے بارے میں تحقیق	262
22۔ حضرت عبداللہ بن سوار عبدیؓ	233	38۔ جائے شہادت کے بارے میں تحقیق	266
23۔ حضرت یاسر بن سوار عبدیؓ	239	39۔ پشاور کے اصحاب بابا کی تحقیق	274
24۔ حضرت سنان بن سلمہ ہذلیؓ	240	40۔ حاصل تحقیق	284
25۔ حضرت سنانؓ کا شجرہ نسب	242	41۔ حضرت منذر بن جارود عبدیؓ	290
26۔ حضرت سنانؓ کی پیدائش	244	42۔ پاکستان میں وارد تابعین کرامؒ	299

www.besturdubooks.net

بہ دعائے خصوصی

شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا
مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
نائب مہتمم دارالعلوم کراچی

ؔ ذہانت میں صداقت میں لیاقت میں امانت میں
نہ ہمسر اس کا پیدا کر سکے گی گردش دوراں

(نوٹ: گرچہ وقت کی کمی کے باعث آپ نے تقریظ لکھنے سے معذرت کی تاہم خوب ساری دعائیں دیں اور یہی میرا مقصد تھا کیونکہ میں تعریف نہیں بلکہ دعاؤں کا محتاج ہوں)

www.besturdubooks.net

انتساب

جیسا کہ لوگوں کے مختلف شوق ہوتے ہیں ، میرا بھی عجیب شوق ہے۔ مجھے پوری زندگی تین انمول چیزوں کی تلاش رہی ہے جنہیں مول لینے کے لیے اپنے خونی و قریبی رشتہ داروں سے لے کر یار دوستوں سمیت بڑے بڑے عہدیداروں ، بزرگوں، عالموں، وکیلوں، سکالروں اور پروفیسروں کے پاس جاکر پہنچا لیکن سوائے مایوسی کے کچھ نہ ملا۔ ظاہر ہے کہ یہ اس قدر بے بہا اشیاء ہیں جو دنیا میں نادرو نایاب ہیں تبھی تو ان کے حاملین انگلیوں پر گنے جانے والے دنیا کے مالدار ترین لوگ ہیں۔ وہ تین چیزیں احساس، اخلاص اور اخلاق ہیں۔ تیس سالہ سر توڑ کوشش کے بعد یہ تینوں مجھے جن کے ہاں ملیں، ان ہی کے نام یہ کتاب منسوب کرتا ہوں۔

مولانا روح اللہ یوسفزئی

(پی۔ ایچ۔ ڈی سکالر جامعہ پشاور)

یہ کتاب صرف ثواب کی خاطر شیئر کی جارہی ہے۔
اسے کسی قسم کے ذاتی مالی فائدے کے لیے استعمال کرنے کی
قطعا اجازت نہیں۔ مصنف

www.besturdubooks.net

تعظیمی سلام

ان قابل ذکر ہستیوں کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سلام پیش کرتا ہوں، جنہوں نے اپنے تن من دھن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عزت وناموس کی ہر محاذ پر حفاظت کی۔ مصائب، جیلیں، ہتھکڑیاں، قید وبند حتیٰ کہ گولیاں انہیں دفاعِ صحابہؓ سے روکنے میں ناکام رہیں اور ان میں اکثر سعادت مند حضرات نے تو اس عظیم مشن کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ تک پیش کر کے حق ادا کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب ناقابل فراموش حضرات کی اس عظیم قربانی کو اپنے در میں قبول فرمائے۔ آمین

جن کے تقویٰ اور طہارت کی قسم کھائے جہاں
جن کے ایماں کی گواہی دیں زمیں و آسماں
خدا یاد آئے جن کو دیکھ کے وہ نور کے پتلے
اِک دیۓ سے دوسرا پھر تیسرا ہے ضوفشاں

www.besturdubooks.net

تعارف مصنف

از : انجینئر صدیق اللہ (نیویارک)

کتاب ہٰذا کے محقق و مدون حضرت مولانا ضیاء اللہ خان جدون صاحب حقانی مبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے اتنا بڑا تاریخی کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ یقیناً تاریخ کو ایسی ہی ایک تحقیقی کتاب کی ضرورت تھی جس سے پاکستان کی اسلامی تشخص پوری طرح عیاں ہوں۔ یہ محض ایک کتاب نہیں بلکہ ایک بہت بڑا علمی خزانہ ہے جس کی تدوین کے لیے جدون صاحب کو بڑی تگ و دو اور محنت شاقہ کرنی پڑی ہے۔ تحقیق کوئی منہ کا نوالہ نہیں بلکہ بقول کسی دانشور چیونٹوں کے منہ سے شکر کے دانے لے کر جمع کرنے کے مترادف ہے جو بلاشک وشبہ ایک دقت آمیز کام ہے۔ لہٰذا میں سلام پیش کرتا ہوں جدون صاحب کو جنھوں نے ایک ایسا کارنامہ سر انجام دیا ہے کہ تاریخ اسے کبھی بھلا نہ سکے گی۔ مجھے فخر ہے کہ جدون صاحب جیسے قابل اور لائق مصنف کے ساتھ حقیر کی دعا سلام ہے۔ آپ پشاور یونیورسٹی میں میرے بھائی کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے کلاس فیلو رہے ہیں۔ گرچہ آپ کا پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ "سامی مذاہب میں یروشلم کا استحقاق ملکیت" ہے، جس پر آپ نے کام کیا ہے۔ تاہم چونکہ آپ ایک فطری لکھاری ہیں اس لیے علاوہ ازیں دیگر کئی تحقیقی کتب تصنیف کر چکے ہیں، حالانکہ ابھی عمر کے محض تیس بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ آج سے تیس سال پہلے ضلع صوابی میں علاقہ گدون کے ایک گاؤں بیسک میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان اپنے گاؤں سے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج کوٹھا سے ایف ایس سی پاس کر کے مدرسہ کا رُخ کیا اور آٹھ سال بعد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ سے 2009ء میں فراغت حاصل کی۔ آپ نے دارالعلوم میں امتیازی پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے عصری تعلیم بھی جاری رکھی اور بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحانات پشاور یونیورسٹی سے اچھے نمبرات سے پاس کیے۔ پھر جامعہ پشاور سے ایم فل کرنے کے بعد وہیں پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ لیا اور ہنوز آخری سٹیج میں ہیں۔ آپ نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے بی۔ ایڈ اور ایم۔ ایڈ بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کیے ہیں۔

www.besturdubooks.net

آپ کے قابل ذکر اساتذہ میں آپ کے والد جناب نوار خان جدون مرحوم، محترم شیرین بہادر جدون، محترم حامد علی خان مینوی، مولانا عبد السلام جدون، پروفیسر ظاہر شاہ، پروفیسر جمیل یوسفزئی، مولانا شفیع المنانؒ، مولانا عبد الہادی جدون مد ظلہ (مہتمم دار العلوم قاسم العلوم گندف صوابی)، مولانا شیر زمان (امیر جمعیت علماء اسلام ضلع اٹک)، مولانا حضرت حسین (تلمیذ مولانا ایوب بنوریؒ)، مولانا روزی محمد (کالا ڈھاکہ)، مولانا عبد الواحد جدونؒ و مولانا عبد الرازق صاحب جدون (تلامذہِ مولانا رسول خان ہزارویؒ و مولانا ادریس کاندھلویؒ)، قاضی فضل اللہ لاہوری (حالاً مقیم امریکہ)، حضرت مولانا سمیع الحق (مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)، ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنیؒ (آپؒ سے بخاری و ترمذی پڑھی تھی)، مولانا نصیب خان شہیدؒ، مولانا مفتی سیف اللہ، مولانا عبد الحلیم دیروی، مولانا مغفور اللہ، مولانا انوار الحق، مولانا محمد حسن لاہوری، پروفیسر ڈاکٹر ضیاء اللہ ازہری (تلمیذ مولانا یوسف بنوریؒ)، پروفیسر ڈاکٹر قبلہ آیاز، پروفیسر ڈاکٹر معراج الاسلام، پروفیسر ڈاکٹر مشتاق احمد، پروفیسر ڈاکٹر مبارک شاہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم۔ علاوہ ازیں آپ نے مفتی محمد فرید زروبویؒ، مولانا سلیم اللہ خانؒ، مولانا رفیع عثمانی اور قاضی حمید اللہ جانؒ سے بھی اجازت حدیث لی ہے۔ قدرت نے آپ کو کئی قابل رشک صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ آپ نہ صرف اسلامی علوم کے سکالر ہیں بلکہ اردو اور پشتو کے ایک بہترین ادیب بھی ہیں۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی، انگریزی، پنجابی، ہندکو اور پھوٹوہاری زبانوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اسلامی علوم کے علاوہ فلسفہ، سیاست، ادب اور تاریخ پر عقابی نظر رکھتے ہیں۔ آپ کی خوبی بلکہ خاصہ یہ ہے کہ آپ عقیدت کی بجائے حقیقت کے قائل ہیں۔ آپ بہترین خطاط بھی ہیں کیونکہ آپ دنیا کے عظیم ترین خطاط مرحوم نفیس الحسینیؒ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے از خود آپ کو بیعت سے بھی نوازا تھا۔

آپ کی قریباً آٹھ کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ اور درجن بھر کتب منتظر طباعت ہیں، جبکہ کئی کتابیں ابھی زیر تالیف ہیں۔ طبع شدہ کتابوں میں تذکرہ علماء صوابی ساڑھے ساتھ سو صفحات پر مشتمل ایک ضخیم تاریخی کتاب ہے جس میں قریباً چار سو سال کے چار سو علماء کے حالات زندگی مرقوم ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کی یہ سعی بھی قبول فرمائے اور مزید دینی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

www.besturdubooks.net

ضروری گزارش

خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بے شمار معجزات میں سے ایک اہم اور قابل ذکر معجزہ آپ ﷺ کے پاک اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت ہے۔ دنیا کی پوری تاریخ اس جماعت کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اس فقید المثال جماعت کا ایک ایک فرد دنیا جہاں کے گم راہ کے لیے نجم ہدایت ہے۔ یہ جنتی حضرات جہاں بھی گئے، نمونہ بن کر گئے۔ یہ جدھر کا بھی رُخ کرتے کامیابی وکامرانی ان کے قدم چومتی، اور کیوں نہ ایسا ہوتا کہ جن کے ساتھ رب العالمین کی نصرت اور رحمۃ للعٰلمین کی صحبت شامل حال تھی۔

فتح مکہ کے بعد رسالت مآب ﷺ نے اپنے جان نثاروں کو دنیا کے مختلف ملکوں اور علاقوں میں اس عظیم مشن کو پھیلانے کے لیے دعوتِ اسلام کے خطوط دے کر روانہ فرمایا۔ دریں اثناء دوسرے علاقوں کی طرح ہندوستان اور بالخصوص موجودہ پاکستان جسے اس وقت سندھ کہا جاتا تھا، جس کی تفصیل آگے آئے گی انشاءاللہ، کے لوگ بھی یوں متعارف ہوئے کہ عرب و ہند اور خاص کر عرب و سندھ کے باہمی تجارتی تعلقات پہلے ہی سے قائم تھے۔ اور چونکہ عرب میں بھی سندھی لوگ آباد تھے، ان کا بھی یہاں آنا جانا رہتا تھا اور سب سے اہم بات یہ کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب تھا، لہٰذا یہاں پر اسلام کی خوشبو عہد رسالت ہی میں مہکنے لگی، تاہم صحابہ کرام کی مستقل آمد عہد فاروقی میں شروع ہوئی اور یوں پاکستان کی پاک سرزمین، پاک اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قدم بوسی سے محظوظ و مسعود ہوئی۔ ان میں کون، کب، کیسے اور کہاں یہاں آیا اور انہوں نے یہاں کونسے علاقے فتح کیے اور ان میں کون کون کہاں اور کب شہید ہوا؟ یہی ہمارا اصل موضوع ہے۔

www.besturdubooks.net

بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دلی عقیدت کا ہونا ایک فطری امر ہے، اور اللہ جانے کہ میری سرشت میں ان پاک ہستیوں کی محبت اور عقیدت بحمد للہ مقدار سے بڑھ کر کیوں ہے کہ جب سے شعور سنبھالا ہے، تب سے ان کے لیے کچھ کرنے کے لیے دل بے تاب رہتا تھا۔ اللہ جزائے خیر دے ان علماء و شہداء کو جنھوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ان پاک ہستیوں کی عزت کی لاج رکھی۔ میری بھی دلی آرزو ہے کہ اللہ رب العزت ان مقدس ناموں پر میری جان قبول فرمالے۔ سوچا، کہ کیوں نا قلم کے ذریعے ان کے کارہائے نمایاں دنیا کے سامنے لاؤں جو عشاق اصحاب رسول ﷺ کے لیے روح و جان کے سکون کا سبب بنے اور دشمنان اصحاب رسول ﷺ کے لیے دل و دماغ کی بے سکونی کا ذریعہ بن جائے اور یوں خریداران یوسف میں اپنا نام بھی شامل ہو جائے۔

اس موضوع پر، گرچہ میرا بہت پہلے لکھنے کا خیال تھا، لیکن کچھ عوارض بیچ میں حائل تھے، کچھ مصروفیت اجازت نہیں دے رہی تھی اور کچھ اپنے اندر وہ صلاحیت نہیں دِکھ رہی تھی جو اس قسم کے اہم موضوعات پر لکھنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ تاہم جب میں نے پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا اور حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پر ایک تحقیقی رسالہ لکھا، تو اسے بڑی پذیرائی ملی اور باذوق قارئین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔ بعد ازاں احباب نے مذکور اس اہم ترین موضوع یعنی " صحابہ کرامؓ پاکستان میں " بھی پر کچھ لکھنے کا اصرار کیا۔ جن میں میرے دوست مولانا روح اللہ صاحب یوسفزئی سر فہرست ہیں، جو نہ صرف میرے پی ایچ ڈی کے ہم جماعت ہیں بلکہ نہایت ہی مخلص اور علم دوست انسان بھی ہیں۔ ان کا اصرار تھا کہ اگر اس اہم موضوع پر لکھا گیا تو ایک تو اس سے پاکستان کی قدر و منزلت بڑھ جائیگی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کی قدم بوسی سے اس پاک سرزمین کی عظمت دوبالا ہوئی اور دوسری بات یہ کہ یہاں وارد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی سنہری تاریخ نئی نسل کے سامنے آجائے گی۔ جس سے امید ہے کہ نئی نسل کو بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔

عنوان کی نزاکت اور اپنی بے بضاعتی کو دیکھ کر قدم اٹھانے سے دل کتراتا تھا لیکن پھر اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے اس کے لیے خوب مطالعہ شروع کیا۔ جائزہ ادب لیا تو معلوم ہوا کہ اس موضوع کے متعلق علی

www.besturdubooks.net

مدائنی کی فتح نامہ، بلاذری کی فتوح البلدان، ابن خردازبہ، اصطخری اور بکری کی المسالک والممالک، مقدسی کی احسن التقاسیم، علامہ طبری کی تاریخ طبری، یعقوبی کی تاریخ یعقوبی، ابن اثیر کی الکامل فی التاریخ اور اسد الغابہ، ابو نعیم کی معرفۃ الصحابہ، علامہ ابن حجر عسقلانی کی تہذیب اور الاصابہ، ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ، علامہ ذہبی کی تاریخ اسلام، مولانا غلام علی بلگرامی کی سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، علامہ محمد طاہر پٹنی کی مجمع بحار الانوار، بزرگ بن شہریار کی عجائب الہند، عبد الحلیم شرر، سید سلیمان ندوی، ابو ظفر ندوی اور اعجاز الحق قدوسی کی تاریخ سندھ (چاروں حضرات نے "تاریخ سندھ " کے نام سے چار الگ الگ کتابیں لکھی ہیں)، مولانا علامہ سید سلیمان ندوی کی عرب و ہند تعلقات، ڈاکٹر محمد اسحاق کی پاک و ہند میں علم حدیث کا حصہ، ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی کی بلوچستان میں صحابہ کرامؓ اور بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور ان کی حکومتیں، قاضی اطہر مبارک پوری کی خلافت راشدہ اور ہندوستان، عرب و ہند عہد نبوی میں اور العقد الثمین میں قابل مطالعہ مواد موجود ہیں۔

خصوصاً قاضی اطہر مبارک پوریؒ، ڈاکٹر محمد اسحاق اور ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی نے اس باب میں بڑا کام کیا ہے، تاہم ان کی تحقیقی کتابیں گرچہ اس موضوع کے متعلقات میں سے ضرور ہیں مگر یہ کتاب ان کی کتابوں سے اس لحاظ سے ذرا ہٹ کر ہے کہ ایک تو یہ کہ مذکور کتابیں استقصائی مراحل سے نہیں گزریں اور دوسری اہم بات یہ کہ انہوں نے ہندوستان یا پھر پورے برصغیر پر لکھا ہے جو آج کل 7 ملکوں میں منقسم ہے اور میرے پیشِ نظر صرف پاکستان ہے۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے یا تو واقعات کو تسلسل کیساتھ نہیں لکھا اور یا پھر واقعات کو بیان کرنے کے بجائے تراجم پر اکتفا کیا ہے اور تراجم بھی مکمل درج نہیں کیے ہیں جبکہ میں نے نہ صرف واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنے کی اپنی پوری کوشش کی ہے بلکہ اس کے بعد مذکور صحابہ کرام کے تراجم بھی لکھے ہیں۔ یعنی اس کتاب کے تین ابواب ہیں۔ پہلے باب میں حضرت محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کے دور کے پاکستان جسے سندھ کہا جاتا تھا، کا مکمل جغرافیائی، تجارتی، سیاسی اور مذہبی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں پہلے صحابی رسول ﷺ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے ورود پاکستان

www.besturdubooks.net

سے لے کر آخری صحابی حضرت منذر بن جارود عبدی رضی اللہ عنہ تک کے واقعات درج ہیں۔ تیسرے باب میں مذکور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تراجم یعنی سوانح درج ہیں۔

سب سے پہلے بنیادی ماخذ تک رسائی کی ہے اور اس کے بعد ثانوی ماخذ سے کام لیا ہے مزید بر آں راقم نے چند انکشافات بھی کیے ہیں۔ مثلاً، عہد رسول اللہ ﷺ میں پاکستان کو کیا کہتے تھے، یہاں کون آباد تھے ،مذہبی و سیاسی صورتحال کیا تھی وغیرہ۔ اور یہ کہ پاکستان کے ایک حاکم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک تحفہ بھیجا تھا، حاکم کا نام امیر عین الدین تھا۔ نیز حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے جس میں ان کی تاریخ شہادت اور جائے شہادت کے بارے میں پوری تفصیل درج ہے کہ آیا آپؓ پشاور میں دفن ہیں کہ خضدار میں یا کہیں اور ؟

اکثر عربی عبارات کا اردو ترجمہ خوف طوالت سے نہیں کیا گیا ہے۔ یہ اعتراف کرتے ہوئے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا، کہ میں کوئی پروفیشنل لکھاری ہوں اور نہ ہی اردو کا ادیب اریب، اس لئے میری تحریر میں شاید وہ شستگی اور روانگی نہ ملے، جو قاری کو تسلسل کیساتھ کتاب پڑھنے پر مجبور کرتی ہو لیکن یہ امید ضرور کرتا ہوں کہ یہ جو میں نے محنت کر کے ایک تاریخی اور تحقیقی کتاب مرتب کی ہے، توقع ہے کہ ان شاء اللہ یہ علمی کتاب آپ کی معلومات میں ضرور اضافہ کرے گی۔ انسان ہونے کے ناطے فروگزاشتوں کا سرزد ہونا، ایک فطری امر ہے جس سے انکار نادانی کے سوا کچھ نہیں، اس واسطے کسی بھی غلطی کی نشاندہی ہو یا پھر مزید کوئی قابل تحریر مواد جو شامل کرنے سے رہ گئے ہوں، کی آگاہی کے لیے راقم آپ کا چشم براہ اور شکر گزار ہو گا۔ تاکہ آئیندہ ایڈیشن میں ازالہ و اضافہ کیا جا سکے ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقدس ہستیوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے کہ اسی میں ہماری دارین کی کامیابی مضمر ہے۔

ؔ وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ضیاء اللہ جدون، پشاور

20اپریل 2017

www.besturdubooks.net

باب اول

پاکستان
عہد نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں

www.besturdubooks.net

پاکستان (سندھ)

جیسا کہ عرض ہوا کہ دور نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کے وقت موجودہ پاکستان کو "سندھ" کہا جاتا تھا۔ بلکہ پاکستان سمیت آج کے ایران، افغانستان اور ہندوستان کے بعض علاقوں کو "سندھ" کہا جاتا تھا[1] جو رفتہ رفتہ گھٹ کر ایک صوبے کا نام رہ گیا۔ چونکہ جغرافیائی اعتبار سے اس وقت کے "سندھ" کا اس موضوع سے گہرا تعلق ہے اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے سندھ کی وجہ تسمیہ اور مختصر تاریخ درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ سندھ کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو، کیونکہ اس کتاب میں سندھ تکرار کیساتھ آئے گا۔ لہٰذا قاری کے ذہن میں اُس وقت کا سندھ ہونا چاہیے نہ کہ آج کا اور ساتھ میں یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ اہل عرب کبھی کبھار اسی سندھ کے لیے ہند اور ثغر ہند جیسے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں، اس لیے اگر ایسے الفاظ آجائے تو ملحوظ خاطر رہے کہ اس سے مراد بھی" پاکستان" ہی ہوگا کیونکہ سندھ، ہند، بلاد سند وہند اور ثغر ہند تمام الفاظ سے مراد ان کا موجودہ پاکستان ہی ہے ۔عرب مؤرخین و مترجمین ان مذکور الفاظ کرتے ہوئے موجودہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان، سندھ، پنجاب اور پختونخوا مراد لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس وقت ایسی حد بندی مقرر نہیں تھی اس لیے وہ لوگ انہی الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ (موجودہ پاکستان) ہی وہ مقدس قطعہ ارضی ہے جس پر اللہ کی خصوصی نظر پڑی اور اسے اسلام کے ابتدائی ایام ہی میں احسان کرتے ہوئے اسلامی فتوحات سے سرفراز فرمایا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں؛

" بے شک اللہ تعالیٰ نے سرزمین سندھ (موجودہ پاکستان) پر خصوصی احسان فرمایا کہ اس خطہ عالَم میں فتح اسلامی کے لیے اسے موطن اول ٹھہرایا۔ "[2]

---

[1] جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

[2] عربی سے اردو ترجمہ از مقدمہ ابوالحسن علی ندوی بر کتاب الدکتور عبداللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، عالم المعرفۃ جدۃ السعودیۃ، 1403ھ / 1983ء، ص5

www.besturdubooks.net

تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ پاکستان کا شمار ان ممالک میں کیا جاتا ہے کہ جہاں اسلام اولیں دور میں پہنچا۔ برصغیر میں افغانستان کے بعد اسی ملک میں سب سے پہلے صحابہؓ کے قدم پڑے اور یہی ہمارے اعزاز کے لیے بڑی بات ہے۔

سندھ کی وجہ تسمیہ

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آریہ قوم جب وسط ایشیاء سے موجودہ افغانستان سے ہوتے ہوئے اس وقت کے مشہور اور بڑے شہر ویہند (ہنڈ، صوابی) پہنچے تو یہاں انہوں نے ایک دریا دیکھا، جسے انہوں نے سندھو کہا کیونکہ سندھو ان کی زبان میں دریا کو کہا جاتا تھا[3]۔ آج کل اس دریا کو دریائے سندھ، مہران اور اباسین کے ناموں سے پہچانا جاتا ہے۔ پھر وہ یہاں سے ہوتے ہوئے فتوحات کے ذریعے آگے بڑھے اور وہ جہاں تک گئے، اس سارے ملک کا نام سندھ ہی رکھا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے گنگا پر جا کر رُکے، پھر واپس آکر انہوں نے موجودہ صوبہ پختونخوا سمیت افغانستان کے علاقہ ہلمند تک کا سارا علاقہ بھی فتح کیا اور یوں وہاں تک کے اس پورے ملک کا نام انہوں نے سندھ ہی رکھا۔ پھر ایرانیوں نے "سندھ" کو اپنے لہجے میں "ہند" کر ڈالا۔ اور یونانیوں نے "ھ" کو اس کے قریب المخرج حرف "ہمزہ" سے تبدیل کر کے "اند" کر دیا، رومن میں جا کر اند سے اندیا ہو گیا اور جب انگریز یہاں آئے تو چونکہ انگریزی زبان میں چونکہ "د" نہیں ہے اس لیے یہ انڈیا بن گیا[4]۔

اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ سندھ اور ہند حضرت نوحؑ کے پوتوں کے نام ہیں[5]۔ جیسا کہ ہندوستان کے مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت نوحؑ کے بیٹے حام کے چھ بیٹے تھے جن میں

---

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، 11/329، طبع ثانی 2006ء

[4] سید سلیمان ندوی (م 1953ء)، تاریخ سندھ، ص 4، دارالاشاعت کراچی، 1995ء

[5] اگرچہ اکثر مسلم مؤرخین اور جغرافیہ دان مثلاً بلاذری، ابن خردازبہ، ابن عساکر، ابن کثیر، بکری اندلسی وغیرہ اس کے برعکس بتاتے ہیں کہ سندھ اور ہند حضرت نوحؑ کے پوتے تھے، لیکن جدید تحقیق کے مطابق محققین نے انگریزی کتاب "انڈیا امپائر" میں درج، مسٹر ہنٹر کے اس قول کو راجح لکھا ہے، جسے مؤرخ سندھ عبدالحلیم شرر اور مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ

www.besturdubooks.net

ہنداور سند بھی تھے جنہوں نے ہندوستان اور سندھ کے ممالک آباد کیے [6]۔ لگتا ہے کہ دراصل یہ حضرت نوحؑ کے پوتوں کے نام تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ اور مختلف لغتوں سے گزر کر یہ بامعنیٰ الفاظ بن گئے۔ جیسا کہ عجم کے بارے میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ بھی حضرت نوح کی اولاد میں سے تھا۔ اور اس کی اولاد جہاں پھلی پھولی، آج ان تمام ممالک کو " عجم " کہا جاتا ہے [7]۔ جس کے معنیٰ اب " گونگے " یعنی " عربی نہ جاننے والوں سے کیا جاتا ہے۔ گویا ابتداء میں یہ اسماء ہی تھے جو کہ رفتہ رفتہ مختلف زبانوں میں بامعنی الفاظ کی شکل اختیار کر گئے۔ واللہ اعلم

سنسکرت زبان میں "سند" کے معنیٰ " نہر" یا" دریا" کے ہیں [8] اور ظاہر ہے کہ یہی زبان یہاں کا قدیم ترین زبان ہے جیسا کہ ایرانیوں نے سندھ کو ہند بنانے کے ایک عرصہ کے بعد جب دیکھا کہ مغربی بلاد ہند کے لوگ اپنے وطن کو سندھ کہتے ہیں تو غلطی سے یہ سمجھ گئے کہ "ہند" اس ملک کا نام ہے جسے آریہ لوگ " آریہ ورت " کہتے ہیں کیونکہ آریہ قوم نے اسے اپنے قبضے میں لانے کے بعد اسے یہ نام دیا تھا۔ ان کی پیروی میں یہی غلطی عربوں سے بھی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب مغالطہ میں رہے، کبھی ہند کو سندھ اور کبھی سندھ کو ہند کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دو الگ ملک تھے جیسا کہ قدیم جغرافیہ نویسیوں نے لکھا ہے، ان کے بقول سندھ اور ہند دو الگ الگ مقامات تھے لیکن بسا اوقات وہ دونوں پر ہند کا اطلاق کرتے تھے [9]۔ بعد میں صرف مغربی اضلاعِ ہند (یعنی موجودہ پاکستان) سندھ رہ گئے اور باقی سارے ملک (ہندوستان) کو ہند کہا جانے لگا۔ اور اس پر لطف یہ ہوا کہ آریہ ورت کے رہنے والوں نے بھی اس بگڑے ہوئے نام "ہند" کو تسلیم کر لیا اور اسی کی طرف نسبت کرکے اپنے آپ کو" ہندو" کہنے لگے۔ اب اس کے بعد ایرانیوں کو ایک دوسرے

والوں نے بھی صواب لکھا ہے۔ (تاریخ سندھ از عبد الحلیم شرر ص 2، تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی ص 4، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، 11/329،)

6 محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اردو مترجم، عبد الحیٔ خواجہ)، المیزان لاہور، 2008ء، ص 32

7 ایضاً، ص 32

8 Lamb rick, Sind A General Introduction, London 1880, P.13

9 قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، ص 101، س ط ن

www.besturdubooks.net

تصرف کا موقع ملا اور وہ یہ کہ انہوں نے آریہ ورت کو اپنے اس نئے نام کی نسبت تبدیل کر کے اس ملک کو "ہندوستان" بنا دیا[10]۔ بعض مؤرخین اس کا ایک نام "انڈو" بھی تجویز کرتے ہیں کہ شاید یہ سندو سے اندو اور پھر انڈو بن گیا ہو یا انڈو سے اندو اور پھر ہندو بن گیا ہو۔ واللہ اعلم

چینی سیاح ہوشن تسانگ جو 7 ہجری میں یہاں آیا تھا اور 26 ہجری تک یہاں رہا، اس نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ یہ ملک قدیم زمانے میں "ہین تو" کے نام سے مشہور تھا، لیکن اس کے نام کا صحیح تلفظ " انڈو" ہے[11]۔ سندھو سے اندو اور انڈو بننا قابل فہم ہے۔ چینی سیاح ہوشن تسانگ کے بقول گویا عہد رسالت ﷺ میں اس ملک کو " انڈو" کہا جاتا تھا[12]۔ انڈو سے انڈو اور اس سے انڈس بننا بھی قرین قیاس ہے تاہم انڈس یا اندس لفظ کا استعمال عرب میں غیر مانوس ہے بنسبت انگریزی کے۔[13]

اس دریا کو اب بھی انگریزی میں " Indus River " کہا جاتا ہے۔

مؤرخ سندھ جناب عبد الحلیم شرر فرماتے ہیں؛

" مسلمان فاتحین کے آنے کے وقت اگرچہ مشرقی اضلاع ہند، ملک سندھ کے قبضے سے نکل چکے تھے تاہم راجہ سندھ سارے مغربی ہندوستان پر قابض تھا اور اس پورے علاقے کو "سندھ" ہی کہا جاتا تھا۔"[14]

---

10 عبد الحلیم شرر، تاریخ سندھ، ص 4، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء

11 ایضاً، ص 5

12 چینی سیاح ہوشن تسانگ کون تھا؟ کب کیسے اور کہاں گیا تھا؟ اس کی کتاب کہاں ہے وغیرہ وغیرہ ایسے بے شمار سوالات ہیں جن کا جواب دینا ابھی ان مؤرخین کے ذمہ باقی ہیں جو ان کے حوالے دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کی کوئی کتاب نہیں ملتی۔ اللہ جانے کہ ان مؤرخین نے کہاں سے یہ حوالے لیے۔ خصوصاً انگریز مؤرخین نے اسے بہت جگہ دی ہے تاہم مجھے ایسی کوئی کتاب ابھی تک نہیں ملی۔ اور جب میں نے اس بارے میں محقق ڈاکٹر فصیح الدین سے بات کی تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا بلکہ انہوں نے تو اسے محض ایک افسانوی کردار سے تعبیر کرتے ہوئے سختی سے تردید کر کے تبصرہ کیا کہ معلوم نہیں اس کی کیا حقیقت ہے۔ ایسے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ واللہ یعلم وانتم لاتعلمون

13 **Abbott, Sind A re-interpretation of the unhappy valley, London 1880 A.D, P. 23.**

14 ایضاً، ص 6

www.besturdubooks.net

سندھ کا حدود اربعہ در عہد رسالت ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے عہد زریں اور صحابہ کرام ؓ کے دور مبیں میں ملک سندھ کے حدود اربعہ کے بارے میں مؤرخین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ اور لُب لباب یہ ہے کہ موجودہ پاکستان یعنی سندھ، بلوچستان، پنجاب، پختونخوا، قبائلی علاقہ جات سمیت، افغانستان کے علاقہ ہلمند، ایران کے صوبہ کرمان اور ہندوستان کے ریاست راجپوتانہ اور جیسیلمیر تک کا سارا علاقہ " ملک سندھ " کہلاتا تھا۔[15]

تاریخ معصومی (1010ھ) میں سندھ کی حدود یہ درج ہیں؛

" حدود سندھ مشرق میں قنوج و کشمیر تک، مغرب میں مکران اور ساحل بحر عرب تک یعنی دیبل بندر تک جو آج کل لاہری (لاہوری یا لاڑی) بندر کے نام سے مشہور ہے جنوب کی سمت سورت بندر اور بندر دیو کی حدود تک اور شمال میں قندھار، سیستان، کوہ سلیمان، کردان اور کیکاکان کی حدود تک پھیلی ہوئی تھی۔"[16]

بشیر احمد خان نے اپنی کتاب " سندھ کا جغرافیہ " میں لکھا ہے کہ سندھ کے شمال کی طرف راجہ کشمیر کے ملک سے سرحد ملی تھی، جنوب مغرب کی جانب کرمان کا صوبہ اس کا حد فاصل تھا، مغرب کے رُخ کوہستان کردان، جنوب میں بحر عرب اور مشرق میں ریگستان اور ہندوستان واقع تھا۔[17]

شرر مرحوم فرماتے ہیں:

" سندھ کی اس زمانے کی وسعت کا اندازہ کرنا ہے تو دیکھئے کہ رائے چچ کے عہد میں اس ملک کی حدیں کہاں تک پھیلی ہوئی تھیں؛

شمال میں دریائے جہلم کے نکاس سے شروع ہوتا تھا اور کشمیر کے نشیبی اضلاع بھی اس میں شامل تھے، وہاں سے کوہستان کابل اس کی سرحد کو مضبوط کرتا ہوا افغانستان کے جنوبی و مشرقی کونے تک لے آیا تھا۔ موجودہ بلوچستان کی سرزمین شروع ہوتے ہی سندھ، مغرب میں دریائے ہلمند اس کی حد بندی کرتا تھا اور جنوب

---

[15] سید سلیمان ندوی، تاریخ سندھ، ص 2

[16] میر محمد معصوم بکھری تاریخ معصومی، اردو مترجم اختر رضوی، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2006ء، ص 12

[17] بشیر احمد خان، سندھ کا جغرافیہ، ص 9

www.besturdubooks.net

ومغرب میں ایران وسندھ کی سرحد اس مقام پر ملی تھی، جہاں ساحل کے سامنے مکران کا جزیرہ نور منشور واقع ہے [18]۔ جنوب کی طرف بحیرہ عرب لہریں لے رہا تھا۔ پھر اس کے جنوب مشرق میں خلیج "کچھ" تھا۔ بلکہ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی سندھ کی قلمرو میں شامل تھا[19]۔ یہاں سے مشرقی سرحد شروع ہوتی تھی جو کسی گمراہ بادیہ کی طرح راجپوتانہ اور جیسلمیر کے ریگزار میں ایک غیر متمایز اور گمنامی کی حالت میں شمال کوہستان کے نیچے تک چلی گئی تھی۔ بلکہ قدیم جغرافیہ نویسیوں میں بعض کہتے ہیں کہ کشمیر بھی سندھ ہی میں داخل تھا۔ خلاصہ یہ کہ ان دنوں شمالی ہند کا سارا مغربی حصہ "سندھ" خیال کیا جاتا تھا۔ مذکورہ حدیں عرب فاتحوں کے عہد تک قائم تھیں [20]۔ اس ملک کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ مشرق میں 280 میل، مغرب میں 250 میل، شمال میں 340 اور جنوب میں 260 میل پر محیط تھا۔ [21]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں بھی موجودہ پاکستان کو" سندھ " لکھا گیا ہے [22]۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے دور زریں اور پاک اصحاب رضوان اللہ عنہم اجمعین کے مقدس دور میں آج کے پاکستان کو" سندھ" کہا جاتا تھا۔ سو باتوں کی ایک بات کہ اگر آسان لفظوں میں ہم کہیں تو یہی کہ اُس وقت "پاکستان" کو سندھ کہا جاتا تھا اور یہی حاصل بحث ہے۔

---

[18] ابن خردازبہ کا بیان ہے کہ نور منشور سے دیبل تک آٹھ دن کا راستہ ہے اور دیبل سے دریائے سندھ کے دہانے تک دو دن کی راہ ہے۔ جس سے اندازہ لیا جاسکتا ہے کہ دریائے سندھ کے دہانے سے مغرب کی طرف دس دن کی مسافت تک سندھ کی قلمرو تھی۔ یعنی اس وقت کی ایک قابل ذکر بڑی سلطنت تھی۔

(عبداللہ بن عبید اللہ المعروف بہ ابن خردازبہ (م280ھ) ، المسالک والممالک، 1/256)

[19] کچھ یا کچھی جسے اُس وقت بدھ ، بدھ یا بدھیہ کہا جاتا تھا، ملک سندھ کا ایک بڑا علاقہ تھا، جہاں اکثر صحابہ کرام شہادت پا کر تا ابد سو گئے ہیں، اس کی مکمل تفصیل آگے آرہی ہے۔

[20] عبد الحلیم شرر، تاریخ سندھ، ص6، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء

[21] **Cunningham , Ancient Geography of India , London 1897, P.748**

[22] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، 23/173، طبع ثانی 2006ء

www.besturdubooks.net

سندھ کی ملکی تقسیم

اس وقت ملک سندھ کے پانچ صوبے تھے۔

1۔ برہمن آباد: اس صوبے میں یہ اضلاع شامل تھے؛ نیرون، دیبل، لوہانہ، لکھا، سمہ۔[23]

2۔ سیوستان: اس کے اہم اضلاع یہ تھے؛ بودیہ، جھنکان، کوہستان روجیان یعنی کوہ پایہ، مکران۔

3۔ اسکلندہ: یہ صوبہ ان اضلاع پر مشتمل تھا؛ پابیا، تلواریہ، کندھارا، چچ پور[24] **اور بدھیہ**[25]**۔**

4۔ ملتان: اس کے ماتحت یہ اضلاع تھے؛ سکہ، بدھماپور، کرور (کروڑپکا)، اشہار، کمبھ۔

---

[23] سمہ خاندان نے سندھ میں ایک یادگار حکومت کی، انہوں نے موجودہ صوبہ پختونخوا پر بھی لازوال حکومت کی۔ مردان، صوابی، نوشہرہ اور چارسدہ کو اس وقت انہوں نے اپنے خاندانی نام سے موسوم کیا تھا، آج بھی ان علاقوں کو سمہ کہتے ہیں، چونکہ ان اضلاع میں پہاڑ نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو بہت کم ہیں۔ پہاڑی سلسلے نہ ہونے کی وجہ سے اکثر زرخیز میدانی علاقوں پر مشتمل ہیں۔ اس لیے مرور زمانہ کے ساتھ یہ نام " سمہ " ان اضلاع کا مستقل نام پڑ گیا۔ سولہویں صدی عیسوی کے اوائل میں یوسفزیوں کی آمد پر اس علاقے کو " علاقہ یوسفزئی " کہا جاتا تھا۔ لیکن اس نے اپنا پرانا نام کھویا نہیں بلکہ آج بھی ان اضلاع سے اوپر پہاڑی علاقوں کے لوگ مذکور چار اضلاع کے اس پورے خطے کو " سمہ " ہی کہتے ہیں۔ گویا اب یہ لفظ بغیر پہاڑ والے حصہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ پشتو زبان میں اس "سمہ" کا متضاد لفظ "غر" یعنی پہاڑ ہے۔

تاہم مذکور بالا سمہ سے مراد موجودہ سندھ کا میدانی حصہ ہے کیونکہ نیرون اور دیبل سے پتہ چلتا ہے کہ اس صوبے میں پختونوں کا یہ علاقہ شامل نہیں تھا، بلکہ یہ سمہ نام بعد میں یہاں کے اس میدانی حصہ پر پڑ گیا تھا۔ اُس وقت پختونوں کے اِس علاقے کو کندھارا کہا جاتا تھا اور یہ اسکلندہ کا اہم حصہ تھا۔ جو بعد میں گندھارا سے مشہور ہوا، اس کا پایہ تخت آج کا ٹیکسلا تھا، اور اس کی اہمیت مذہبی لحاظ سے تھی کیونکہ شہباز گڑھی میں بدھ مت کے بانی گوتم بدھ رہ چکے تھے۔ اس لیے بعض حضرات نے اس کو بدھیہ بھی لکھا ہے۔ تاہم اس بدھیہ سے مراد بلوچستان کا کچھی علاقہ ہے جسے اس وقت بدھ یا بدھیہ کہا جاتا تھا۔

(تفصیل کے لیے راقم کی کتابیں تاریخ شہباز گڑھی اور تاریخ صوابی مطالعہ کیجئے)

[24] چچ پور جسے آج کل علاقہ چچ کہتے ہیں، یہ بھی راجہ چچ کا گویا دوسرا مسکن تھا، تبھی تو اسے اسی کے نام سے موسوم کیا گیا۔

[25] اس بدھیہ سے مراد بلوچستان کا کچھی گنداوا اور خضدار کا علاقہ ہے جسے اس وقت بدھ یا بدھیہ کہا جاتا تھا۔ اس پر تفصیلی بحث تیسرے باب میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے ضمن میں آئیگی کیونکہ یہاں ان کی شہادت ہوئی تھی۔ اور یہیں پر ان کی تدفین بھی ہوئی تھی۔ رضی اللہ عنہ

www.besturdubooks.net

5۔الور (اروڑ)[26] : یہ سندھ کا پایہ تخت تھا؛اس کے اضلاع، قیقان، کردان اور نیرباس پر راجہ کی نگرانی رہتی تھی[27] ۔ ملحوظ خاطر رہے کہ بعض جغرافیہ نویسیوں اور مؤرخین نے چار صوبے گنوائے ہیں۔

سندھ (پاکستان) کی سیاسی صورتحال

اگر ہم ذرا دیر کے لیے تاریخ سندھ پر ایک طائرانہ نظر دوڑائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ گرچہ سندھ میں 5000ق م میں بھی لوگوں کی آبادی موجود تھی[28]، تاہم سندھ کی حقیقی تاریخ کا آغاز شہنشاہ داریوش اول سے ہوتا ہے جس کا زمانہ 525ق م سے 486ق م تک تھا[29]، جب اس نے سندھ کو فتح کرکے ایرانی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ قریباًدو صدیوں کے بعد326،325ق م میں سکندر اعظم دھاوا بولتا ہوا سندھ سے گزرا۔ گرچہ اسے یہاں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تاہم وہ شمال کی جانب سے سندھ میں داخل ہو کر اروڑ (موجودہ روھڑی کے قریب) کے علاقے سے گزرا، اور آگے بڑھ کر موجودہ لاڑکانہ کے زرخیز خطے کو فتح کیا۔ پھر سیوھن (سہون) کی قدیم بستی سے ہوتا ہوا وسطی ڈیلٹائی شہر پٹالا سے گزرا اور جنوب میں ساحلی بندرگاہ باربیکان میں منزل انداز ہوا۔ بالآخر سندھ سے گدروشیا (مکران) کے خشکی کے راستے بابل روانہ ہوا۔ سکندر کی وفات کے بعد سندھ سیلوکن نکیتر، چندر گپت، موریا، باختری، یونانیوں، پھارتیوں، ستھیوں اور کوشانوں کے زیر تسلط رہا ۔ 273ق م تا 236ق م تک موریہ کی یادگار حکومت تھی[30]۔236 تا 200ق م تک

---

[26] الور (اروڑ) ساتویں صدی ہجری میں دریا کے رُخ پھیر لینے سے ویران ہو گیا۔ اب اس سے ذرا فاصلہ پر دوسرا شہر روہڑی آباد کیا گیا ہے۔(تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی، ص12)۔

[27] سندھ کا جغرافیہ از بشیر احمد خان، ص10

[28] **Ancient Trade in Pakistan, Article by Sir Wheeler, Pakistan Miscellany, Karachi 1958, P.12.**

[29] **Ancient Trade in Pakistan, Article by Sir Brown in Pakistan Miscellany, Karachi 1958, P.22**

[30] **Dr A. H. Dani, A Short History of Pakistan , Karachi 1967, Volume-1 p.12.**

www.besturdubooks.net

ساسانی دور تھا[31]۔ پھر کوشانوں کا دور تقریباً تین صدیوں پر مشتمل تھا۔ یعنی 100 ق م تا 200ء تک انہوں نے سندھ پر حکومت کی، کوشاں فرمانروا کنشک (78ء تا 100ء) کے زیر اثر سندھ نے بدھ مت قبول کر لیا۔ تیسری سے ساتویں صدی عیسوی تک سندھ پھر سے ساسانیوں کے زیر اثر رہا (اگرچہ ھیاطلہ اور سفید ہنوں نے پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں ایک مختصر عرصے کے لیے اقتدار قائم کیا تھا، تاہم وہ برقرار نہ رکھ سکے)۔ چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ ایران پر ساسانی بادشاہ نوشیروان عادل کی بادشاہت تھی جو کہ " شاہِ ایران وہندوسندھ " کے لقب سے مشہور تھا[32]، سندھ میں مقامی سمہ قبائل کے " رائے خاندان " کی مستقل حکومت قائم ہوئی۔ رایان سمہ ایرانی شہنشاہوں سے منسلک تھے۔ ساتویں صدی میں ایک غیر ملکی برہمن پنڈت چچ بن سیلائج نے سندھ میں رایان سمہ کی چھٹی کرا کر خود تخت نشین ہوا۔ یہ سن عیسوی کے حساب سے 622 اور ہجرت نبوی ﷺ کا پہلا سال تھا[33]۔

مؤرخینِ سندھ جن میں مسٹر ہنٹر، مولوی ذکاء اللہ، مسٹر ایلیٹ، عبدالحلیم شرر، بشیر احمد خان، سید سلیمان ندوی، ابو ظفر ندوی اور اعجاز الحق قدوسی ممتاز ہیں، ان سب نے صاحب چچ نامہ، بلاذری، ابن خردازبہ، یعقوبی، مقدسی، ابن کثیر اور بکری اندلسی وغیرہ مؤرخین کے حوالے سے لکھا ہے کہ دور رسالت ﷺ اور عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سندھ پر چچ بن سیلائج، چندر اور راجہ داہر کی حکومت تھی، عجیب اتفاق تھا کہ جس برس رسالت مآب ﷺ نے مدینہ ہجرت کی، اسی سال یعنی ہجرت کے پہلے سال بمطابق 622ء یہاں سندھ (موجودہ پاکستان) میں ہندو راجہ چچ تخت نشین ہوا، اور خدا کا کرنا کہ اس نے اُسی برس وفات پائی جس سال مسلمانوں کے آخری خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وصال فرمایا۔ یعنی پورے 40 برس تک وہ سندھ (پاکستان) پر حکومت کرتا رہا، اس کے بعد یہاں سندھ کی عنان حکومت راجہ چچ کے وارث اس کے بھائی راجہ چندر نے سنبھالی، 8 سال بعد یعنی 48ھ / 668ء میں راجہ چندر نے وفات پائی تو

---

[31] **Smith Oxford, The Oxford History of India, oxford University Press, 1964, P.190.**

[32] ایضاً، ص 38

[33] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد 11 / ص 346-347، طبع ثانی 2006ء

www.besturdubooks.net

اس کا بھتیجا اور راجہ چچ کا بیٹا راجہ داہر سلطنت سندھ کا اکلوتا حکمران بن بیٹھا۔ جو 93ھ /712ء تک سندھ پر بلاشرکت غیرے حکومت کرتا رہا، پھر محمد بن قاسم نے اسے شکست دے کر یہاں پر باقاعدہ اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی [34]۔

بہرحال رائے چچ نے سندھ پر 40 سال تک یادگار حکومت کی، خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب دیبل (یعنی موجودہ کراچی کے آس پاس) کے راستے پہلا عرب حملہ ہوا، تو اس وقت یہاں اسی راجہ چچ کی حکومت تھی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی جتنے حملے سندھ پر ہوئے، تو یہاں سندھ کا بادشاہ یہی راجہ چچ ہی تھا، پھر جس سال خلفاء راشدین کے سنہری دور کا خاتمہ ہوا، عین اسی برس چچ کے دور کا بھی اس کی موت کی وجہ سے خاتمہ ہوا۔ 40 ہجری میں عرب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے امیر منتخب ہوئے لیکن حضرت امام موصوف صرف چھ مہینے کے لیے امارت کے عہدہ پر فائض رہے، بعد ازاں رسول اللہ ﷺ کے صحابی، مکہ کے سردار ابوسفیان کا لڑکا اور کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عرب کے تاجدار بن گئے۔ ادھر سندھ میں راجہ چچ کے بعد اس کا بھائی چندر حاکم سندھ بنا۔ گرچہ سندھ یعنی پاکستان پر عرب حملوں کا آغاز چچ کے دور میں ہوا، تاہم راجہ چندر کے وقت میں جب عرب کی عنان حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھی، سندھ پر باقاعدہ حملوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور کئی ایک نامور صحابہ یہاں پاکستان وارد ہوئے، جن میں حضرت مہلب بن ابی صفرہ عتکی رضی اللہ عنہ اور سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ جیسے فاتحین شامل ہیں، جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ۔ راجہ چندر نے 8 سال بعد وفات پائی تو اس کا بھائی چچ کا بیٹا راجہ داہر سندھ کا حکمران بنا اور تقریباً نصف صدی تک سندھ پر حکومت کرتا رہا۔ ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریباً 20 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر بے مثال حکومت کی، 60ھ میں ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا یزید بن

---

[34] عبدالحلیم شرر، تاریخ سندھ، ص 59، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء۔
مرحوم شرر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان برہمنوں کی کل حکومت 82 سال تھی لیکن درحقیقت یہ عرصہ 93 برس کا بنتا ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ صرف تین حکمران تھے، چچ، چندر اور داہر۔

www.besturdubooks.net

معاویہ (م64ھ) اموی تخت نشین ہوا، اس کے دور میں آخری صحابی حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ سندھ آیا، ان کے بعد تابعین کا دور شروع ہوتا ہے اور اسی سنہری دور میں مشہور تابعی حضرت محمد بن قاسم ثقفی نے بالآخر سندھ فتح کرکے اس پر اسلام کا نام مستقل کندہ کر دیا۔

ہوا کچھ یوں کہ اس وقت چونکہ سندھ پر ہندو راجہ داہر کی حکومت تھی۔ راجہ داہر مزے سے حکومت کر رہا تھا کہ 59ھ میں اسی کے ایک ماتحت راجہ انمل نے اس سے بغاوت کی اور اسی ہزار (80000) کا لشکر جرار لے کر دارالسلطنت الور (اروڑ) پر دھاوا بولنے لگا۔ اتفاقاً تھوڑے عرصے پہلے ایک عرب سردار محمد علافی، جس نے عبدالرحمان بن اشعث کو قتل کرکے اسلامی حکومت سے بغاوت کی تھی، اور سندھ میں آکر پناہ گزیں ہو گیا تھا، اس نے راجہ داہر کے ہاتھوں پھسلتی ہوئی حکومت سنبھالی اور اسے ایک بہت بڑی مصیبت سے بچالیا۔ وہ ایسے کہ جب راجہ انمل فوج لے کر دارالحکومت کے قریب خیمہ زن ہوا تو راجہ داہر بہت ہی پریشان تھا اور اس پریشانی کے حل کے لیے اس نے اپنے وزیر خاص سے مشورہ طلب کیا۔ وزیر واقعی بڑا دانا تھا، اس نے راجہ داہر کو فوراً یہ مشورہ دیا کہ اہل عرب چونکہ نہ صرف میدان جنگ کے ماہر ہیں بلکہ یہ سیاست کے مدوجزر سے بھی بخوبی واقف لوگ ہیں لہٰذا تم عرب لیڈر محمد علافی سے ملاقات کرلو، وہ ضرور اس مصیبت کا کوئی حل تلاش کرکے دے گا۔ محمد علافی اپنے اہل و عیال اور اپنے قبیلے کے پانچ سو سواروں کے ساتھ وہاں رہ رہا تھا۔ راجہ داہر اسی وقت محمد علافی کے پاس چلا گیا اور اپنی پریشانی اس پر ظاہر کر دی۔ محمد علافی نے ماجرا سن کر کہا کہ تم سب سے پہلے ایک میل کے فاصلے پر ایک خندق کھود کر وہاں ٹھہر واور مجھے کچھ فوج دے دو تاکہ میں ان کا حال معلوم کرکے کوئی تدبیر کر سکوں، راجہ داہر نے اس پر فوراً عمل کیا۔ ادھر محمد علافی نے معلوم کیا کہ یہ لوگ رات کے وقت کوئی تدبیر نہیں برتتے اور غافل رہتے ہیں، لہٰذا اس نے موقع پا کر اپنے ساتھ 500 سپاہیوں کا لشکر لے کر رات کے وقت شب خون مارا، اور اس شدت سے حملہ آور ہوا کہ رن مل کی فوج بے تاب ہو کر بھاگ نکلی، ہزاروں مارے گئے اور ہزاروں گرفتار ہوئے اور پچاس ہاتھی بھی

www.besturdubooks.net

اہل عرب کے ہاتھوں لگے [35]۔اس حملے نے اگر ایک طرف راجہ داہر کے سر سے ایک بڑا خطرہ دور کر دیا، تو دوسری طرف سندھ کے مقامی لوگوں، بالخصوص داجہ داہر پر اہلِ عرب کی جنگی صلاحیت اور سیاسی فوقیت بھی ظاہر کر دی۔ بہر کیف اس وقت راجہ داہر اس غیر متوقع مدد سے بے حد خوش ہوا اور ان کی بڑی عزت افزائی کی۔ اس کے بعد وہ کسی قسم کے داخلی انتشار سے کبھی دوچار نہیں ہوا، حتی کہ 710ء میں خلافت عرب سے اس کی اَن بن ہو گئی اور مسلم سپہ سالار محمد بن قاسم نے ایک لشکر جرار سے اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد یکم رمضان 93ھ بمطابق 712ء کو سندھ کا مہا راجہ داہر مارا گیا اور یوں ملک سندھ (موجودہ پاکستان) عرب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

سندھ کی مذہبی صورتحال

سندھ کی تاریخ پر لکھی گئی سب سے اولیں اسلامی اور مستند تاریخ، جو کہ عام طور سے چچ نامہ سے مشہور ہے اور جس کے دوسرے نام تاریخ الہند والسند اور منہاج المسالک ہیں [36]، کے مطابق مذہبی لحاظ سے اگر اس وقت کے سندھ کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ ملک سندھ پر ہندو مت، جین مت اور بدھ مت کا راج تھا۔ ان تینوں مذاہب میں ہندو مت سب سے قدیم مذہب ہے جو کہ 2000 اور 1500 ق م کے مابین رائج ہوا۔ پھر جین مت چھٹی صدی قبل مسیح کے اواخر میں یہاں ایک نئے مذہب کی حیثیت سے متعارف ہوا۔ اور کوشاں فرمانروا کنشک (78ء تا 100ء) کے زیر اثر سندھ نے بدھ مت قبول کر لیا تھا [37]۔ اور پھر بدھ مت نے ترقی کر کے شاہی مذہب کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ محمد بن قاسم کے حملے کے وقت بھی دیبل شہر میں بدھ مت کا ایک یادگار سٹوپا بنا تھا، اسی مندر کی مناسبت سے اسے دیول اور پھر بعد میں دیبل کہا جاتا تھا، یہاں پر بدھ مت کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔

---

[35] فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، علی الدائنی، مترجم اختر رضوی، ص 99-100، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2008ء

[36] یہ کتاب تقریباً 150ھ کے لگ بھگ لکھی گئی ہے، اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

[37] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد 11 / ص 346، 23/173، طبع ثانی 2006ء

www.besturdubooks.net

جین مت کی بہ نسبت ہندو اور بدھ مت نے یہاں سندھ میں بہت فروغ پایا اور انہی دونوں مذاہب کی آپس میں اکثر ان بن کی وجہ سے ایک نئے اور عالمگیر مذہب اسلام کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس وقت سندھ میں ہندو مذہب ملک سندھ کا شاہی مذہب تھا، ظاہر ہے بادشاہِ وقت کا مذہب ملکی اور شاہی مذہب گردانا جاتا تھا کہ وہ اسی کو فروغ دیتا تھا تبھی تو راجہ ساہسی رائے کے حکم سے اس کے دربار کے خاص الخواص اور معتمد بہ رام حاجب[38] نے ایک منجھے ہوئے ہندو پنڈت کو اپنے ہاں دربار میں خاص منصب پر براجمان ہونے کے لیے تگ و دو کی اور بالآخر کامیاب ہو کر اس نے ایک پنڈت کا بیٹا پیدا کر کے اسے دربار بلا لیا، اس کا نام پنڈت چچ تھا جو کہ پنڈت سیلائج کا بیٹا تھا۔ راجہ چچ جو کہ خود ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، یہی برہمن چچ جب دیول سے یہاں وارد ہوا تو اس نے ایک مانے ہوئے ہندو پنڈت کی حیثیت سے سندھ کے راجہ کے دربار میں اپنی جگہ بنائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چچ کا قسمت نے بھی بڑا ساتھ دیا، تاہم چچ اپنے وقت کا ایک مسلّم عالم اور اپنے مذہب کا علامہ وقت تھا، اس کی شہرت اسی علمی عظمت سے ہوئی تھی اور اسی علمی مقبولیت نے اسے شاہی دربار تک پہنچایا تھا۔ چچ نے راجہ ساہسی رائے کے دربار میں اپنا تعارف یوں کیا تھا؛

" میرا نام چچ ہے اور میں راہب سیلائج کا بیٹا ہوں، میرا بھائی چندر اور میرا باپ شہر ارور کے مضافات کے ایک مندر (دیول[39]) میں عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ساہسی رائے اور رام حاجب کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ مجھے چاروں وید رگ، اتھر، یجر اور سام یاد ہیں۔"[40]

---

[38] یہ راجہ کا خاص، اقرب اور انتہائی معتمد بہ آدمی تھا کیونکہ یہ بڑا ہی عاقل، ہوشیار اور دانا انسان تھا۔ اس کی فضیلت و دانائی کا اثر راجہ کی ساری قلمرو پر تھا، وہ دربار پر اس قدر حاوی تھا کہ بلاد سلطنت میں اس کی اجازت کے بغیر نہ کوئی راجہ کی ملازمت میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی بغیر اس کی منظوری کے برطرف کیا جاتا تھا۔ دربار کے سارے لائق فائق وزیر مشیر اور پنڈت اس کے سامنے مؤدب بیٹھے رہتے تھے۔
(چچ نامہ، ص145)

[39] دیول گرچہ دیبل کا بگڑا ہوا تلفظ بھی ہے تاہم دیول نامی جگہ صوابی کے علاقہ گدون میں بھی واقع ہے۔ دیول کے معنی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اُس وقت دیول میں ایک مشہور ہندو مندر موجود تھا۔ تبھی تو ہندو مت کے پر تشدد پیروکار رام حاجب صاحب جو کہ شاہ سندھ راجہ ساہسی رائے کے دربار کا اہم ترین پنڈت تھا۔ اس نے دیول کے اس مشہور مندر سے سب سے بڑے ہندو پنڈت چچ کو اپنے دربار بلایا

www.besturdubooks.net

چچ کی خوبصورتی کے علاوہ اسی علمی اور سیاسی عظمت کی وجہ سے راجہ ساہسی رائے کی رانی سونھن دیوی، برہمن چچ پر فریفتہ ہوگئی تھی اور اسی کی اعانت سے یہ راجہ ساہسی رائے کے بعد چچ سندھ کا راجہ بنا۔ چچ نامہ میں اس طرح لکھا ہے کہ ایک دن راجہ اور رانی دونوں محل میں تھے کہ چچ کو ایک ضروری کام سے راجہ سے ملنے کا خواہاں ہوا، تو راجہ نے رانی کو ایک طرف ہونے کا کہا لیکن اس نے اصرار کیا کہ راجہ پر میری ہزار جانیں قربان، آپ جیسے شوہر رکھتے ہوئے بھی بھلا وہ کیسے کسی اجنبی کو توجہ دے سکتی ہے لیکن جب پہلی بار

تھا، جہاں قسمت نے چچ سے یاوری کر کے اسے تخت پر بٹھا دیا۔ جس نے پھر اپنے بھائی چندر کو بھی دیول سے بلایا اور اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ پشاور کے عجائب گھر میں ایک پتھر موجود ہے جو کہ 651ء میں دریافت ہوا تھا، یعنی ابھی آپ ﷺ کے دنیا سے گئے ہوئے انیس برس ہوئے تھے، یعنی راجہ چچ کا زمانہ تھا، جس کو اپنے گاؤں اور علاقے میں پانی کی قلت کا بخوبی اندازہ تھا تبھی اسی نے یہاں کے مقامی راجہ سہاسپا کو حکم دیا کہ یہاں ایک کنواں کھودا جائے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور یوں کنواں کھودا گیا، آج بھی وہ تاریخی کنواں دیول میں موجود ہے۔ پشاور عجائب گھر میں کتبہ نمبر 2 پر شادرا زبان میں یہ تحریر کندہ ہے کہ "651ء میں ایک شخص کولا سنکا (کنواں کھودنے کے ماہر) نے سہاسپا راجہ کے حکم پر ایک کنواں کھودا تھا کہ کیپسو نامی ملک کے رہنے والوں کو پینے کا پانی مہیا ہو۔ ریکارڈ میں لکھا ہے کہ یہ پتھر گدون کے دیول نامی گاؤں سے ایک انگریز ایل میفی نے برآمد کر کے عجائب گھر کو دیا تھا۔ (تاریخ وادی گدون از ضیاء جدون) کئی حضرات نے غلطی سے اس دیول کو دیبل لکھا اور سمجھا ہے حالانکہ یہ دو الگ مقامات تھے ہاں البتہ کئی ایک نے دیبل کو بھی دیول لکھا ہے جیسا کہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب تاریخ سندھ میں بھی دیول ہی لکھا ہے (تاریخ سندھ ص 13)۔

پختونوں کے مشہور محقق قاضی عبدالحلیم اثر افغانی (م 1987ء) نے ایک تحقیقی کتاب بنام " دیول سے دیبل تک " لکھی تھی لیکن افسوس کہ وہ اب مکمل ناپید ہے، اس میں انہوں نے دیول اور دیبل کے مابین روابط اور ان دونوں مقامات کی اہمیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے کہ دیبل سے دیول کتنا فاصلہ تھا نیز ان دنوں مقامات کا آپس میں کیا تعلق تھا اور واضح طور پر لکھا ہے کہ دیول نامی جگہ پر اب قوم جدون آباد ہے اور یہ جگہ صوابی سے شمال کی جانب واقع ہے۔ اس دیول اور دیبل کا آپس میں ایک مذہبی و سیاسی تعلق تھا۔ یہ بات انہوں نے " حیات صدر المدرسین " کے مقدمہ میں لکھی ہیں۔ مذکور کتاب مولانا ابراہیم فانیؒ نے اپنے والد مولانا عبدالحلیم زروبویؒ پر لکھی ہے، جو کہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (نوشہرہ، پختونخوا) کے شعبہ تحقیق و تصنیف " ادارہ مؤتمر المصنفین " نے طبع کی ہے، اس کے مقدمہ میں قاضی صاحب موصوف نے زروبی کی تاریخ پر ایک محققانہ تبصرہ لکھا ہے، اسی میں مذکورہ بات لکھی ہے کہ میں نے اس پر ایک کتاب لکھی ہے۔ راقم نے بہت کوشش کی کہ یہ کتاب کہیں سے مل جائے لیکن تا حال ناکام ہوں۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ مذکور دیول سے مراد دیبل ہی ہو کیونکہ اس میں مضافات ارور کے الفاظ سے ایسا لگتا ہے۔ لیکن چونکہ صوابی والے لاہور کا اُس وقت کا نام بھی ارور آیا ہے تو اس لیے دیول (گدون) بھی امکان رکھتا ہے اور اس سے وہی مراد لیا گیا۔ واللہ اعلم

[40] چچ نامہ، ص 61

www.besturdubooks.net

رانی نے چچ کو دیکھا تو چونکہ چچ ایک خوبصورت، متناسب الاعضاء، وجیہ شباہت اور سرخ رخساروں والا نوجوان تھا۔ رانی نے جب اس کی دلکش صورت اور قد و قامت دیکھی تو اس پر دل و جان سے عاشق و مفتون ہو گئی۔ اور اس کی شکل و صورت اور سج دھج پر فریفتہ ہو گئی، اس کے حسن کلام اور دلکش اداؤں پر دل ہار بیٹھی۔[41] لہٰذا جب چچ راجہ ساہسی رائے مر گیا تو اس کی جگہ سندھ کے تخت پر چچ متمکن ہوا۔ اور رانی نے اس کے ساتھ پھر شادی کر لی۔ تب راجہ چچ نے گویا بودھ مت کو سندھ سے مٹانے کی ٹھان لی کہ جو بھی اس مذہب کے ماننے والے تھے انہیں یا تو خود مارا یا آپس میں مروایا اور یا پھر بزور بازو انہیں اپنا باجگزار بنایا[42]۔ لیکن اس کی موت کے بعد جب اس کا بھائی چندر تخت نشین ہوا تو وہ چونکہ خود بدھ مت کا نہ صرف ماننے والا تھا، بلکہ اس کا ایک پُرجوش پیرو اور پُرزور داعی بھی تھا، اس لیے اس نے اپنے بھائی کی طرح ہندو مت کے بجائے بدھ مت کی پرچار شروع کر دی۔ اور ان لوگوں کو جو کہ چچ کے ڈر سے بدھ مت چھوڑ چکے تھے، انہیں پھر سے بزور بدھ مت میں واپس لایا۔ اس رویے پر ہندو برہمنوں نے سر اٹھایا لیکن وہ ایسے ہی ناکام ہوئے جس طرح ان سے پہلے چچ کے وقت بودھ کے ماننے والے ناکام ہوئے تھے۔ تاہم ان کی خوش قسمتی کہ راجہ چندر صرف آٹھ برس کے بعد وفات پا گیا اور پھر چچ کا بیٹا راجہ داہر بادشاہِ سندھ بنا، یہ بھی اپنے والد کی طرح ہندو برہمن تھا، اس لیے اس نے پھر سے بودھیوں کا برا حال کر دیا، اور اسی دوران مسلمان سندھ کی طرف رُخ کر چکے تھے۔

جس وقت یہاں سندھ میں بدھ مت اور ہندو مت کے مابین چپقلش زوروں پر تھی، دریں اثناء اسلامی فوجیں سندھ پر حملہ آور ہو چکی تھیں اور خاص اسی کمزوری کی وجہ سے سندھ راجہ داہر کے ہاتھوں سے نکلا، ہاں یہ بھی مانتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ الٰہی مدد شامل حال تھی لیکن سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اس شکست کے پیچھے سندھیوں کی آپس میں وہ ناچاقیاں تھیں، جن کی وجہ سے ان کی اجتماعی قوت ختم ہوئی، قرآن نے بھی اسی نکتہ پر زور دیا ہے کہ اگر مسلمان بھی آپس میں اسی طرح

---

[41] ایضاً، ص 61

[42] ایضاً، ص 142

www.besturdubooks.net

اختلاف کریں گے تو ان کی ہوا اکھاڑ دی جائیگی، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دشمن ان پر غالب آجائے گا۔اور آج کی صورتحال کسی سے چھپی نہیں ہے۔ بہر کیف علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں؛

" چند ہزار عربوں کی فوج جو دور دراز راستوں سے آئی ہو، ایک ہی حملہ میں اس ملک پر کیونکر قابض ہو گئی۔ سندھیوں کی شکست بھی میرے نزدیک اسی ایک سبب کا نتیجہ ہے، جس کے ذریعے سے دنیا میں ہر قوم دوسری قوم کی محکوم بنی ہے۔ عربوں کے بیانات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت پہلی صدی ہجری کے آخر اور آٹھویں صدی عیسوی کے اول میں سندھ میں بدھ مذہب کا رواج تھا۔"[43]

سندھ کے مشہور شہر

اگر غور سے دیکھا جائے تو عرب و عجم کے مستند، مشہور اور مقدمین جغرافیہ دان، مؤرخین اور سیاح حضرات میں علی مدائنی(م225ھ)، علامہ بلاذری(م 279ھ)،ابن خردازبہ(م280ھ)،امام دینوری(م28ھ)،یعقوبی(م292ھ)، بزرگ بن شہریار (م300ھ)، مسعودی(م303ھ) ، ابن حوقل (م331ھ)اصطخری(م340ھ) ، مجہول(م372ھ) اور مقدسی بشاری(م380ھ) وغیرہ حضرات نے اُس وقت کے سندھ کو مشہور شہریوں گنائے ہیں؛[44]

برہمن آباد ، اگھم ، سکہ(ملتان کے قریب ایک شہر) ،تاکیہ ،برہم پور ، اشہار[45]، ہندمند (ہلمند، افغانستان)،سناروذ، زالق[46]، قیقان (قلات)[47]،بنہ (بنوں) ،الاھوار (الور، لاہور، صوابی)[48]،مکران،

---

[43] عرب وہند تعلقات، ص12

[44] واضح رہے کہ اس میں ترتیب کا التزام نہیں بلکہ محض سندھ کے اس وقت کے مشہور شہروں کے نام لکھے گئے ہیں۔

[45] چچ نامہ المعروف فتح نامہ سندھ، ص61

[46] احمد بن اسحاق المعروف بہ یعقوبی(م292ھ) ،البلدان، 1/103، دار لکتب بیروت 1422ھ

[47] ابو حنیفہ احمد الدینوری(282ھ)، اخبارالطوال، 1/255، دار احیاء الکتب قاہرہ، 1960ء

[48] یہاں دو باتیں قابل غور ہیں؛ایک، ارور لاہور کا پرانا نام تھا، جو کہ مرور زمانہ کے ساتھ ارور سے الور، الاور، الاہور اور پھر لاہور ہوا۔ دوم، اس سے مراد صوابی والا لاہور ہے نہ کہ پنجاب والا۔ پنجاب یونیورسٹی سے چھپی نہایت تحقیقی کتاب " اردو دائرہ معارف اسلامیہ " میں بھی اسی لاہور کو قدیم کہا گیا ہے، لیکن شاہد انہیں اس لاہور کی زیادہ معلومات نہ تھیں اس لیے انہوں نے لکھا ہے کہ بلاذری نے جس

www.besturdubooks.net

مید، کندھار (قندھار یا گندھارا[49]) ، قصدار (خضدار) ، قنذابیل (جھل مگسی) ، فنزبور (پنجگور)، ارمابیل(لسبیلہ) ، بدھیہ، دیبل (قرب کراچی[50])، قنبلی ، کبنایا ، سیوان (سہون)، سندان (سنجان ، بمبئی[51])، مندی، سدوسان، راسک، نیرون (حیدرآباد)، الرور (اروڑ، روھڑی)، ساوندری، مولتان (ملتان)

لاہور کا ذکر کیا ہے، یہ شاید اٹک اور ویہند (ہنڈ، صوابی) کے درمیان واقع ایک "چھوٹا سا گاؤں" تھا۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد 16 / ص 1، طبع ثانی 2006ء)۔ ایک تو یہ اٹک اور ہنڈ کے درمیان میں نہیں بلکہ قریب ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ اب گاؤں ہے، اُس وقت سے لیکر محمود غزنوی کے آنے تک یہ ایک بڑا شہر تھا۔ سنسکرت کے بانی پانینی (400ق م) کا تعلق بھی اسی لاہور سے تھا جسے سلاتورا بھی کہا جاتا تھا(راقم نے تاریخ صوابی میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے)، افسوس کہ اردو دائرہ معارف میں یہ بھی صریح غلطی موجود ہے کہ انہوں نے سلاطورا کو بھی پنجاب والے لاہور سے منسوب کیا ہے جو کہ صرف انہی کی اختراع ہے۔(11 / 371) دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی مستند کتاب چچ نامہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ چچ جب یہاں سے جا کر سندھ کے تخت پر مستند آراء ہوا تو اس نے وہاں اپنے گاؤں، شہر اور علاقے کے نام سے وہاں بھی دیول، الور (لاہور) اور بودھ نامی شہر آباد کرائے جو بعد میں بودھ پور، اروڑ یالاری (جسے بعض حضرات نے لاہوری بھی لکھا ہے) اور دیبل سے مشہور ہوئے۔اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جب افغانستان سے حملہ آور خیبر کے راستے موجودہ پختونخوا آئے اور یہاں کے مشہور اور بڑے شہر لاہور کو اپنے زیر کیا تو اسی لاہور کے سیاسی عمائدین کو اپنے زیر کر کے وہ حملہ آور آگے بڑھے اور پنجاب میں اسی نام سے ایک اور شہر لاہور کے نام سے آباد کیا، صرف اسی پر بس نہیں بلکہ یہاں کے قصبہ گجرات کے نام سے پنجاب کے علاوہ ہندوستان میں بھی ایک شہر آباد کرایا، صوابی کے گوہاٹی کے نام سے بھی ہند میں ایک شہر آباد کرانا بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔لاہور کے ایک مؤرخ مولانا میر سید بخاری، جو کہ عربی، فارسی، پشتو، اردو، پنجابی، سنسکرت، ہندی اور دیگر کئی زبانوں کے ماہر تھے، انہوں نے دو بہت ہی قابل مطالعہ تحقیقی کتابیں لکھی ہیں، "تاریخ لاہور" جس میں انہوں نے مدلل باتیں کر کے ثابت کیا ہے کہ کونسا لاہور قدیم ہے۔اور دوسری کتاب " تاریخی لغزشیں" ہے، جس میں انہوں نے مؤرخین کی تاریخی لغزشوں پر گرفت کی ہے۔ لاہور کی قدامت کا اندازہ اس بات سے لگالیجئے کہ سنسکرت زبان کے بانی مبانی" پانینی" اسی صوابی والے لاہور کے رہنے والے تھے جو کہ تین سو قبل از مسیح میں ہو گزرا ہے جس کا اعتراف اردو دائرہ معارف میں بھی موجود ہے۔ تفصیل کے لیے راقم کی کتابیں "شخصیات صوابی" اور " تاریخ صوابی" مطالعہ کیجئے۔

[49] عام مؤرخین نے اس سے مراد افغانستان کا علاقہ قندھار لیا ہے لیکن محقق قاضی اطہر مبارک پوری نے اس سے گندھارا مراد لیا ہے (عرب وہند عہد رسالت ﷺ میں، ص 16، فرید بکڈپو دہلی 2004ء) ۔اس کا پایہ تخت ٹیکسلا تھا اور جس کا رقبہ پنجاب کے دو اضلاع راولپنڈی اور اٹک سمیت پرانے سرحد پر محیط تھا، آج کل اسے صوبہ خیبر پختونخوا کہتے ہیں، المختصر انگریزی دور یعنی 1893ء میں اس کا جو رقبہ تھا، اُس وقت یہ صوبہ پشاور تھا، جو 1901ء میں صوبہ سرحد اور 2011ء میں صوبہ خیبر پختونخوا بنا۔ بہر حال ڈیورڈ لائن تک جو علاقہ تھا، اسے گندھارا کہا جاتا تھا۔ قاضی صاحب کی بات اس لیے ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ مشہور سیاح مسعودی (م 303ھ) نے جہاں سندھ

www.besturdubooks.net

بیلمان (بھیلمان، گجرات) ، سرست ، کیرج، مرمد ، فالی(پالی، جوناگڑھ) ، بروص (بڑوچ)، دھینج (گجرات)[52]، کیز(تربت)[53]، بدھ(کچی)، بولان، بھلبرہ ،قسوان، دیول(گدون) ، کیجکانان، شورو، ابل[54]، ویہند[55] (ہنڈ، صوابی[56])، لوہارانی، طوران بدھ، منصورہ(بھکر)[57]، سوبارہ، ٹھٹھہ اور کشمیر زیریں(ہزارہ)[58]۔

کے دوسرے مقامات کاذکر کیاہے وہاں یہ بھی لکھاہے کہ قندھار (گندھارا) میں درھبوط قوم رہتی ہے۔(مروج الذہب ومعاون الجوہر ص34)۔علامہ سید سلیمان ندوی نے مذکور قوم کوراجپوت ظاہر کیاہے اور اس پر تعجب بھی کیاہے،(عرب وہند تعلقات ص22، مشعل بکس لاہور،2004ء) حالانکہ اس میں تعجب کی کیابات ہے ؟کیونکہ راجپوت لوگ ادھر گندھارامیں رہتے تھے نہ کہ قندھار میں، عربی میں چونکہ لفظ" گ" موجود نہیں ہے اس لیے عرب مؤرخین وجغرافیہ دانوں نے گندھار کو بھی قندھار لکھا، جس سے بعد کے مؤرخین ڈبل مائنڈ ہوئے۔(تفصیل کے لیے راقم کی کتاب دیکھیے، تاریخ شہباز گڑھی،ناشر کنزالایمان شہباز گڑھی 2013ء)

50 دیبل پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

51 قاضی اطہر مبارک پوری(م1996ء) ،عرب وہند عہد رسالت ﷺ میں، ص16، فرید بکڈپو دہلی2004ء

52 عبداللہ بن عبید اللہ المعروف بہ ابن خردازبہ (م280ھ) ،المسالک والممالک،1 /56،دار صادر لیدن بیروت،1889ء

53 ابواسحاق ابراہیم بن محمد فارسی اصطخری(م340ھ)،المسالک والممالک، دار صادر بیروت 2004ء، ص170

54 مجہول(م372ھ)،البلدان والجغرافیات الی المغرب،1 /139،دارالثقافیہ قاہرہ1423ھ

55 مقدسی بشاری(380ھ) ،احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم،1 /349،دار صادر بیروت1402ھ

56 ضیاءاللہ خان جدون، تاریخ صوابی، ص123،افغان ریسرچ سنٹر لاہور،2015ء

57 محمد بکری اندلسی(م487ھ) ،المسالک والممالک،1 /270،دارالمغرب الاسلامی1992ء

منصورہ شہر دوسری صدی ہجری کے اوائل میں محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو نے بنوایا،علامہ بکری اندلسی کاخیال ہے کہ اسے ھبار بن اسود کی اولاد میں منصور بن جمہور (عامل بنوامیہ) نے بنایا۔ (المسالک والممالک ،1 /270) عین ممکن ہے کہ عمرو بن محمد بن قاسم کے حکم سے منصور نے اپنے نام سے یہ شہر بنایاہو، اور بدھیہ یابدھ کے متعلق مؤرخین کی رائے ہے کہ یہ ایک بڑاعلاقہ تھاجو سوات سے لیکر جھل مگسی اور سبی تک پھیلاہوا تھا۔(ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص91، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد1989ء)۔ابوظفر ندوی کے اس قول کے مطابق بدھ یا بدھیہ کو کمی بیشی کے ساتھ آج کل ہم جغرافیائی لحاظ سے پاکستان کے قبائلی علاقہ جات سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے یہ صرف ابوظفر ندوی کاقیاس ہے کیونکہ بدھ سے مراد ملتان اور مکران کے درمیان کاعلاقہ تھا، تفصیل آگے آرہی ہے۔

58 بزرگ بن شہریار(م300ھ) ، عجائب الہند، ص23،لیدن1886ء

www.besturdubooks.net

یوں تو ان میں ہر ایک شہر قابلِ بحث ہے لیکن یہاں ہم صرف اُس وقت سندھ (پاکستان) کے اہم ترین شہر اور یہاں کی واحد بندر گاہ "دیبل" کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ اسی راستے 15ھ میں سب سے پہلے مسلمان یعنی اصحاب رسول ﷺ یہاں ملک سندھ یعنی موجودہ پاکستان میں داخل ہوئے، گرچہ بعد میں ایک طویل مدت کے لیے مسلمان حملہ آوروں نے بلوچستان کا راستہ اپنایا تاہم سب سے پہلے حملے کی وجہ سے دیبل تاریخ اسلام میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے کیونکہ اس پہلے حملے کے 78 سال بعد 93ھ میں اسی شہر پر حملہ کر کے محمد بن قاسم نے پاکستان میں قدم رکھ کر اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ تب سے موجودہ پاکستان میں اسلام کا بول بالا ہوا اور اب جبکہ یہ اہم شہر موجود نہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس شہر کے بارے میں کچھ بنیادی معلومات فراہم کی جائیں۔

شہر دیبل کے بارے میں تحقیق

سندھ (پاکستان) کے اُس وقت کے اہم ترین تجارتی مرکز دیبل کے محل وقوع کے بارے میں محققین نے مختلف مقامات کا ذکر کیا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ دیبل موجودہ ٹھٹھہ[59] کی جگہ آباد تھا[60]، جیسا کہ سید سلیمان ندوی نے تصریح فرمائی ہے[61]۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ پاکستان کے واحد جزیرہ منوڑہ کے قریب واقع تھا، اور بعض کی رائے میں یہ کراچی سے 50 میل کے فاصلے پر واقع تھا جسے آج

سید سلیمان ندوی (م1952ء) نے کشمیر زیریں سے مراد پنجاب لیا ہے (عرب و ہند تعلقات ص21) لیکن راقم کے خیال میں اس سے مراد ہزارہ ہے۔ کیونکہ ایک تو پنجاب کے اکثر علاقوں گندھارا (جس میں ٹیکسلا، راولپنڈی، اٹک وغیرہ علاقے آتے تھے)، بھکر، لاہور، ملتان وغیرہ کا علیحدہ ذکر ہوا۔ دوم، ہزارہ جو کہ کشمیر سے ملحق ہے اور کشمیر زیریں کہلانے کا مستحق ہے، اس کے برعکس پنجاب پر کشمیر کا اطلاق عجیب لگتا ہے۔ ہاں اگر ہزارہ کو پنجاب میں شامل کر کے سید سلیمان ندوی مراد لے رہے ہو تو وہ اور بات ہے۔ کہ اس وقت شاید ہزارہ کو بھی پنجاب کہا جاتا تھا۔ واللہ اعلم

59 فرشتہ کے بقول ٹھٹھہ جو اصل میں تھتھہ یا تتہ تھا، نوحؑ کی اولاد میں سے تھا۔ (تاریخ فرشتہ، ص32)

60 اگر اس سے مراد موجودہ ٹھٹھہ شہر ہو تو پھر یہ توجیح عجیب لگتی ہے کیونکہ یہ تو سمندر سے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، ایسے میں اس پر ساحلی شہر یا بندر گاہ کا اطلاق بہت ہی عجیب لگتا ہے؟

61 عرب و ہند تعلقات، ص54

www.besturdubooks.net

کل ڈابے جی کہتے ہیں جو کہ دیبل کی بگڑی ہوئی شکل ہے[62]۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ شہر ایک کھاڑی (الخور) کے دہانے پر واقع تھا جو دریائے سندھ کے مغربی جانب تھی[63]۔ اور بعض محققین بھمبھور (بھنبھور) کو دیبل گردانتے ہیں[64]۔ لیکن تاحال کوئی تسلی بخش تحقیق سامنے نہیں آئی کیونکہ اسی بھمبھور، جس کے متعلق اکثر حضرات کی رائے ہیں کہ یہی قدیم دیبل تھا، اس پر بھی کئی محققین کے تحفظات ہیں۔ غرض ہر محقق نے اپنی پوری کوشش کر کے ایک تحقیق سامنے لانے کی سعی کی ہے، تاہم ابھی یہ طے کرنا مشکل ہے کہ دیبل کس مقام کو کہا جاتا تھا؟

اردو دائرہ معارف میں دیبل کے متعلق جو تحقیقی مقالہ لکھا گیا ہے، اس میں مذکور مقام کے متعلق بھی تذکرہ موجود ہے، اس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو؛

" برباد شدہ دیبل کی جگہ اور نشاندہی متعین کرنے کی مختلف کوششیں اب تک ہو چکی ہیں لیکن ان میں کامیابی نہیں ہوئی۔ عرب مصنفین اور سیاحوں نے اس شہر کی گزشتہ شان و شوکت کی بابت مفید معلومات لکھی ہیں مگر جگہ کے تعین کے بارے میں یہ بیانات اور روایات بالکل مفید نہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ پاکستان نے اس جگہ پہلی بار 1958ء میں بڑے پیمانے پر کھدائی کی جہاں ایک اور شہد بھمبھور واقع تھا اور جسے بعض علماء نے فرض کر لیا تھا کہ اصل میں شہر دیبل یہی تھا لیکن بھمبھور کے ٹیلوں کی جگہ کھودنے سے 1960ء تک جو کچھ ظاہر ہوا ہے اس سے اس امر کی قطعی شہادت نہیں ملتی کہ بھمبھور کے کھنڈر وہی دیبل کے کھنڈر ہیں کیونکہ اصطخری شہر دیبل اور بھمبھور کے بت خانے کا ذکر الگ الگ کرتا ہے"۔[65]

انگریز مؤرخ بلنڈرڈ کی تحقیق کے مطابق بھی بھنبھور ہی دیبل کا نیا نام ہے۔[66]

سائکس کی تحقیق کے مطابق بھمبھور (بھنبھور) کو آج کل پیچ گور کہتے ہیں[67]۔

---

[62] محمد اسحاق بھٹی، بر صغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، ص150، مکتبہ سلفیہ لاہور، 1990ء

[63] اردو دائرہ معارف، 522/9

[64] تاریخ سندھ، ص8

[65] اردو دائرہ معارف، 522/9

[66] W. T. Blanderd, The Geology of Western Sind, Vol:XVll, 1880, P.6

www.besturdubooks.net

مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیبل کے محل وقوع کے بارے میں فرماتے ہیں؛

" بعض حضرات کا کہنا ہے کہ کراچی کی بندرگاہ کیماڑی سے کچھ فاصلے پر جزیرہ "منوڑہ" کے پہاڑ کے اوپر جو بہت پرانا قلعہ ہے، وہی دیبل تھا۔ محمد بن قاسم نے منجنیق کے گولے سے جو مینار گرایا تھا، وہ اسی قلعہ کے مینار تھا، بعض حضرات نے ٹھٹھہ شہر کو دیبل قرار دیا ہے۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق دیبل وہ مقام ہے جو کراچی کے شمال مشرق میں تقریباً 50 میل کے فاصلے پر آج " ڈابے جی" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی نام کا ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ اسٹیشن سے چند فرلانگ دور ساحل سمندر پر ایک پرانے قلعے کے نشان ملے ہیں، پورا قلعہ مٹی کی تہہ میں دبا ہوا برآمد ہوا ہے۔ کھدائی کے دوران وہاں کچھ قبریں بھی پائی گئی ہیں جن میں مردوں کے ڈھانچے صحیح سالم موجود ہیں، جن کو محکمہ آثار قدیمہ نے محفوظ کرلیا ہے۔ ان ڈھانچوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ مسلمان شہداء ہیں جنہوں نے دیبل کی فتح کے موقع پر جام شہادت نوش کیا تھا۔ بعض لاشوں میں تیر پیوست ہیں، تیر کا حصہ بھی اسی طرح محفوظ ہے، اس قلعے کے نیچے سندھ کی قدیم صنعت رنگ سازی کے ایک بڑے کارخانے کے نشان بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ممکن ہے مرور زمانہ سے اس کا نام " دیبل جی" سے بدل کر " ڈابے جی" ہو گیا ہو۔"[68]

" برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش " کے مؤلف محمد اسحاق بھٹی نے مفتی صاحبؒ کی اس تحقیق کو درست لکھا ہے[69]۔

---

[67] سائنس، پرشیا ص 244۔ پنج گور کی وجہ تسمیہ بھی لکھا ہے کہ اسلام کے اولیں وقت میں یہاں پانچ شہداء دفن ہوئے ان کی قبروں کی وجہ سے اس کو پنج گور کہتے ہیں۔ بحوالہ تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی، ص 217

ایسے میں بھمبھور پر دیبل کا اطلاق بھی صحیح معلوم نہیں لگتا کیونکہ ایک، پنج گور جو کہ صحابہ کرام کے زیر تسلط رہا، اس پر محمد بن قاسم کا حملہ اور فتح کیا معنی رکھتا ہے؟ اور یہ کہ اس کا ذکر پھر صحابہ کے تذکروں میں کیوں نہیں ملتا۔ دوم، یہ تو ابھی بھی موجود ہے جبکہ دیبل شہر مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ ہاں پنج گور کا وہ علاقہ مراد ہو جو کہ اُس وقت سندھ کے قریب تھا، ایسے میں یہ بعید از امکان نہیں ہے۔

[68] مفتی محمد شفیعؒ، اسلام کا نظام اراضی، ص 43، دارالاشاعت کراچی

[69] محمد اسحاق بھٹی، برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، ص 150، مکتبہ سلفیہ لاہور، 1990ء

www.besturdubooks.net

بعض مؤرخین کی رائے میں موجودہ ٹھٹھہ قدیم دیبل کی نئی صورت ہے جیسا کہ تاریخ معصومی کے مصنف میر محمد معصوم بکری (1015ھ) نے ٹھٹھہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہیں پر دیبل واقع تھا[70]۔ محمد قاسم فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ شہر دیبل اس جگہ آباد تھا جہاں آج کل ٹھٹھہ ہے[71]۔

مغل دربار کے شاہی لکھاری جناب ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں بھی دیبل کو ٹھٹھہ ہی لکھا ہے[72]۔ "تاریخ طاہری" کے مؤلف سید طاہر محمد نسیانی ٹھٹھوی نے بھی شہر ٹھٹھہ کو "دیبل" لکھا ہے[73]۔ کیا یہی ٹھٹھہ شہر جو موجودہ ہے یا کہ اس نے اپنی جگہ تبدیل کرلی ہے، اس بارے تحقیق تشنہ لب ہے۔

مولانا فیض محمد خضداری[74]، محقق ڈاکٹر فصیح الدین اور دیگر کئی اہل علم حضرات کا یہی خیال ہے کہ شہر ٹھٹھہ ہی دیبل ہے لیکن سرزمین سندھ کے عظیم اور نامور محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ؛

"دیبل بندر شہر ٹھٹھہ سے بالکل مختلف تھا۔"[75]

اگر شہر ٹھٹھہ دیبل نہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ کونسی جگہ، شہر یا مقام "دیبل" ہے؟

اس سوال کا جواب بھی ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سے ہی پوچھ لیتے ہیں۔ جواب میں ان کا اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ پیش کرتے ہیں جو کہ 1951ء میں انہوں نے کراچی کی مجلس علمیہ کے ایک اجلاس میں پڑھا تھا۔ سندھ

---

[70] میر محمد معصوم بھکری (م1015ھ)، تاریخ معصومی (اردو مترجم اختر رضوی)، سندھی ادبی بورڈ جام شورو، 2006ء، ص12

[71] تاریخ فرشتہ، ج2ص498

[72] ابوالفضل، آئین اکبری، صفحہ556

[73] سید طاہر محمد نسیانی ٹھٹھوی، تاریخ طاہری، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد1964ء، ص 21

[74] آپ صوبہ بلوچستان کے امیر جمیعت علماء اسلام اور خضدار میں کوشک نامی مقام پر واقع جامعہ علوم شرعیہ کے بانی و مہتمم ہیں۔ سیاست کے ساتھ علم تاریخ اور تاریخی مقامات کے رسیا ہیں۔ آپ نے راقم کو 15 اگست 2017ء کو اپنے مدرسہ میں بتایا کہ اگر اب بھی آپ ٹھٹھہ چلے جائے تو اس وقت کے آثار پائیں گے۔

[75] برحاشیہ تاریخ معصومی، ص362

www.besturdubooks.net

کی مشہور علمی شخصیت ڈاکٹر داؤد پوتہ بھی اس وقت موجود تھے۔ بعد میں یہی مقالہ حیدرآباد دکن سے "اسلامک کلچر" میں جولائی 1952ء کو شائع ہوا۔ دیبل کے محل وقوع کے بارے میں فرماتے ہیں؛

15ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دیبل پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ہوا اور 712ء/93ھ میں محمد بن قاسم نے دیبل کو فتح کیا۔ عہد اسلامی میں اسی قدیم دیبل پر متعدد اور مسلسل حوالے ملتے ہیں۔ جن کی بنیاد پر کافی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی سے لیکر تقریباً تیرھویں صدی عیسوی کے نصف تک دیبل بندر بہتر یا زبوں حالت میں آباد رہا۔

گمان غالب ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں مسلمانان عرب کی حکومت کے زوال کے ساتھ ان کی طاقت کے مرکز دیبل بندر کی اہمیت اور حیثیت بھی کم ہونے لگی۔ دوسری طرف مقامی حالات کی تبدیلی اور دریائے سندھ کے مدخل کی شاخوں کے تغیر و تبدل کے سبب دریا کی ایک شاخ پر ایک نئی بندر گاہ کے لیے ساز گار ماحول پیدا ہو گیا جس کا نام "لوھارانی" ہو گیا۔ گیارھویں صدی کی ابتداء میں محقق بیرونی نے دیبل کے ساتھ اس نئی بندر گاہ کا ذکر کیا ہے۔ غالباً اس نئی بندر گاہ کی سہولت نے دیبل کی اہمیت کو رفتہ رفتہ ختم کر دیا اور آئندہ دو صدیوں میں دیبل بالکل ویران ہو گیا۔[76]

سن 1334ء میں جب ابن بطوطہ دریائے سندھ کی راہ سے نشیب میں سمندر کی طرف گیا تو اس نے " لاہری بندر " ہی کو اوج پر دیکھا البتہ اس نئی بندر گاہ سے چھ ساتھ میل دور اس نے ایک ویران شہر کے کھنڈرات بھی دیکھے تھے جو کہ شاید قدیمی دیبل ہی کے تھے۔ چونکہ قریباً چھ سو برس تک دیبل سندھ کا ایک مشہور بندر گاہ اور اس مدت میں سندھ کی سیاسی اور اقتصادی تاریخ کے بعد بھی اہل سندھ نے اس نئی بندر گاہ کو دیبل کے نام سے پکارا کیونکہ گزشتہ چھ سو برس سے بندر اور دیبل لازم وملزوم ہو چکے تھے۔ بعد کے زمانے کی تاریخ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ سولہویں صدی عیسوی میں پرتگیزیوں نے اسی "لاہری بندر" کو لاہوری

---

[76] ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، برحاشیہ تاریخ معصومی ص363

www.besturdubooks.net

بندر، دیوئل اور دیوبلسنڈ کے ناموں سے یاد کیا اور اس کے بعد انگریزوں نے بھی اسے سٹی دیوئل اور لاری بندر کے نام سے پکارا۔[77]

اسی دور میں ٹھٹھہ نے بھی ایک دریائی بندر گاہ کی اہمیت حاصل کر لی تھی اور اسے بھی "دیبل" کے نام سے پکارا جاتا تھا چنانچہ ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں ٹھٹھہ کو دیبل لکھا ہے اور اسی زمانے میں میر معصوم بھی یہی لکھتا ہے کہ اس زمانے میں لاھری بندر اور ٹھٹھہ دونوں کو " دیبل بندر" کہا جاتا تھا۔ چونکہ زمانہ قدیم سے "لاھری بندر" کا نام دیبل پڑ چکا تھا اس وجہ سے بعد کے مؤرخ میر علی شیر خانع نے "لاھری بندر" کو پرانا دیبل سمجھا۔[78]

مذکور توضیح سے واضح ہو گیا کہ اصل "دیبل" جیسے کہ محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا وہ انقلاب زمانے کے ہاتھوں برباد ہو گیا تھا لیکن یادگار کے طور پر اس کا نام چلتا رہا۔ یہاں تک کہ لوھارانی یا لاھری یا لاھوری بندر اور ٹھٹھہ دونوں دیبل کہے جانے لگے۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اصل یا قدیم دیبل سمجھنا غلط ہو گیا۔ محقق بیرونی ہے جس نے سب سے پہلے "لوھارانی بندر" کا ذکر کیا ہے۔ اس نے صاف طور پر لکھا ہے کہ دیبل ایک ساحل بندر گاہ تھا اور لاھری اس سے علیحدہ مشرق کی طرف دریائے سندھ کی ایک شاخ کا بندر تھا، اور رہی بات ٹھٹھہ کی تو اس کی بنیاد ہی بعد میں سومروں کے دور کے اواخر اور سموں کے دور کے اوائل میں تقریباً 1333ء تا 1337ء میں پڑی۔ اس لیے ٹھٹھہ کو قدیم دیبل تعبیر کرنا بھی غلط ہے۔ ایلیٹ کراچی کو دیبل قرار دیتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے کیونکہ 1725ء سے پہلے کراچی کا وجود ہی نہیں تھا اور بندر گاہ کی حیثیت سے کراچی پہلے پہل 1729ء میں استعمال ہوا[79]۔ میجر راورٹی عرب مؤرخین اور جغرافیہ دانوں کے حوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف کیپٹن نیوریورٹ کے بیان (1666ء) کی بنیاد پر "پیر پیٹھا" کو دیبل قرار دیتا ہے۔ ہر چند کہ ایلیٹ اور ھیگ نے دیبل کو متعین کرنے کے لیے اپنے دلائل کا مدار عرب

---

77 Haig ,The Indus Delta Company , London 1894, PP.64-79

78 تحفۃ الکرام، ص253

79 ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، اسلامک کلچر دکن حیدر آباد جولائی 1952، ص27

www.besturdubooks.net

مؤرخین کے دیئے ہوئے فاصلوں پر رکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایلیٹ کراچی کو دیبل قرار دیتا ہے اور مسٹر ھیگ نے کراچی سے تقریباً50 میل جنوب مشرق کی طرف "گگڑبکیرا" یا"بیگ چھگیو" کو ٹھٹھہ سے تقریباً20 میل جنوب مغرب کی طرف واقع کھنڈرات کو دیبل قرار دیا ہے۔[80]

بہر حال اصطخری، مسعودی اور ابن حوقل کے چشم دید بیانات سے بالآخر یہ ضرور معلوم ہوتا ہوجاتا ہے کہ؛

1۔ دیبل مہران یا اس کی کسی شاخ کے کنارے پر نہ تھا۔

2۔ دیبل مہران کے مدخل سے کافی فاصلہ پر مغرب کی طرف تھا۔

3۔ دیبل بحری ساحل کا سمندر تھا۔

چونکہ عربی دور میں بگھیاڑ نالہ مہران کی ایک شاخ کی حیثیت سے موجود تھا۔ اس لیے دیبل کی تلاش بگھیاڑ کے قدیم پیٹے سے مغرب کی جانب ساحل سمندر پر کرنی چاہیئے۔ آج کراچی سے لیکر نیچے جنوب مشرق کی طرف بگھیاڑ کے قدیمی پیٹے تک پرانی جو بستیاں بھی بندرگاہ کی حیثیت سے پائی جاسکتی ہے، وہ یہ ہیں؛

کراچی، کلفٹن، گزری، واگھودریا، ابراہیم حیدری، بھنبھور، رتوکوٹ، ماڑی، ستون والی مسجد، دھاراجہ، رانہ کوٹ اور جاکھی بندر۔

ان میں واگھودر، حیدری، رتوکوٹ، دھاراراجہ، ستون والی مسجد اور بھنبھور میں اب بھی اثرات پائے جاتے ہیں۔ کیپٹن پوسٹنس 1834ء تا1840ء کے عرصہ میں لکھتا ہے کہ "دھاراجا" پہلے ٹھٹھہ کا خاص بندر تھا اور مشہور شہر تھالیکن دریا کے ردوبدل کی وجہ سے اب اس بندرگاہ کی اہمیت کم ہوگئی ہے۔ اس لیے اب دھاراجا یالاھری کی بجائے کراچی کو بندرگاہ کی حیثیت میں استعمال کیا جاتا ہے۔[81]

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ واگھودر، ستون والی مسجد اور یا پھر بھنبھور میں سے کسی ایک کو "دیبل" کہا جاسکتا ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے ان مقامات کی مزید کھدائی اور تحقیقات کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ کسی نتیجہ پر پہنچا جاسکے۔ تاہم ان میں بھنبھور کو پھر زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ زمانہ

---

[80] ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، برحاشیہ تاریخ معصومی ص368

[81] Captain Postinse, Personal Observation on Sind, London 1842, P.17

www.besturdubooks.net

قدیم میں سب سے اہم بندر گاہ جو عدن کے قریب تر تھی وہ دریائے سندھ کی مغربی شاخ پر واقع باربیریکان شہر کو آگے چل کر دیبل اور بھنبھور کے نام سے جانا گیا۔ باربیریکان بندر گاہ کا محل وقوع بہت ہی منفرد تھا، وہ سمندر سے 25 کلومیٹر سے زیادہ دوری پر نہیں تھی، بندر گاہ دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ ایک پہاڑی کے دامن میں واقع تھی۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ایک چھوٹی پہاڑی تھی جو اب زمین میں دب چکی ہے، ان دونوں پہاڑیوں سے ایک گارج (گھاٹی) تشکیل پاتی تھی، جس میں دریا گزرا کرتا تھا، جب کبھی کوئی دریا کسی گارج یا گھاٹی میں سے گزرتا ہے، وہ وہاں آنیوالی کئی صدیوں تک گھرا رہتا ہے، باربیریکان سے 40 کلومیٹر اوپر کی جانب مکلی پہاڑیوں اور مستقبل کے ایک قصبے کے درمیان سے گزرنے والی دریائے سندھ کی مغربی شاخ کو 1700 سال کے طویل عرصے تک (400 ق م سے 1250ء تک) گھیرے رکھا۔ سکندر اعظم نے اسی شاخ کا سروے کیا تھا اور اس شاخ پر الیگزنڈر نے ہیون نامی ایک بندر گاہ تعمیر کروائی تھی[82]۔ بھنبھور کی کھدائی کرنیوالے ڈاکٹر ایف اے خان اسے باربیریکان سمجھتے ہیں۔ ساحل سمندر بشمول باربیریکان (بھنبھور یا دیبل) متحرک زلزلائی علاقے میں واقع ہے اور وقفوں وقفوں سے آنے والے زلزلوں نے، جنہوں نے رَن کچھ کی زمین کو بلند کیا، باربیریکان کی زمین کو نیچے دبایا بھی ہے۔ 893-894 عیسوی میں ریکارڈ کئے گئے ایک زلزلے نے باربیریکان (دیبل) کے ایک بڑے حصے کو غرق کر دیا تھا۔ یوں باربیریکان کے قریب زمین نیچے دب جانے نے اس کی قدامت کا تعین مشکل بنا دیا۔ یہ زلزلائی علاقہ نگرپارکر سے کراچی اور ماڑہ تک ساحل کے ساتھ ساتھ 30-50 میل کی چوڑائی میں پھیلا ہوا ہے۔ باربیریکان، سندھ کی دور دراز آبادیوں اور علاقوں کیساتھ جڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت باربیریکان نے دیبل نام اختیار کر لیا تھا، اور چونکہ یہ تب سے عرب مؤرخین اور مصنفین کے سامنے آگیا، اس لیے یہ اُس وقت سے دیبل سے مشہور ہوا۔ اور پھر 1250ء سے 1300ء کے آس پاس کہیں دریائے سندھ کی مغربی شاخ نے اپنی گزر گاہ تبدیل کی اور اہم

---

[82] M.H. Penhure (1925-2007 A.D) , Primordiality of Karachi , P.3

www.besturdubooks.net

شاخ نے ٹھٹھہ [83] کے قریب ساموئی کی مشرق میں بہنا شروع کیا اور یوں دیبل (باربیریکان) کا تعلق دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں سے منقطع ہو گیا، اس کا کاروبار سکڑ گیا اور نئی بندر گاہ لاری بندر (لاڑی بندر) نئی شاخ پر قائم ہو گئی۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنھوں نے بھنبھور کا نام لیا ہے، وہ بھی ٹھیک ہے اور جس نے ٹھٹھہ کو دیبل کہا ہے، وہ بھی درست مان لیا جا سکتا ہے اور جس نے کراچی یا منوڑہ کو دیبل گردان لیا ہے، اسے بھی غلط نہیں کہا جا سکتا۔

بھنبور کے کھنڈرات نے گزشتہ دو صدیوں کے محققین کو کافی متاثر کر کے توجہ اپنی طرف مبذول کرا دی۔ ڈیوڈراس، ایلیٹ، کننگھام، ڈاکٹر فضل احمد خان [84]، محکمہ آثار قدیمہ کے ماہر ڈاکٹر ایف اے خان اور ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ [85] کی تحقیق کے مطابق بھنبور ہی کو دیبل کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے آثار کافی پرانے ہیں۔

دیبل اپنے وقت کا ایک یادگار تجارتی مرکز تھا، حالانکہ یہاں کوئی زراعت نہیں تھی بلکہ یہ خالص ایک تجارتی اور کاروباری شہر تھا،، یہاں بدھ مت کا ایک بڑا مندر تھا [86] جسے دیول کہا جاتا تھا، جو بعد میں دیبل سے معروف ہوا۔ اس پر ایک برج بنا تھا جس کی بلندی 40 گز تھی اس پر ایک بڑا سرخ جھنڈا تھا، جو سارے شہر کے اوپر لہراتا تھا [87]۔ محمد بن قاسم نے منجنیق کے ذریعے ایک بھاری پتھر سے اس برج کو نشانہ بنایا تھا، جس سے جھنڈا اور برج دونوں زمین پر دھڑام سے آگرے تھے۔ دسویں صدی عیسوی کے سیاح ابن حوقل نے دیبل کو سندھ کی بندر گاہ لکھا ہے کہ یہ تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے اور یہاں مختلف قسم کی تجارتیں ہوتی

---

83 یاد رہے اُس وقت اس سارے علاقے کو ٹھٹھہ کہا جاتا تھا، لہٰذا جس کسی نے دیبل کو ٹھٹھہ قرار دیا ہے، اس کی مراد علاقہ ٹھٹھہ ہے نہ کہ شہر ٹھٹھہ۔ تفصیل کے لیے گوگل (انٹرنٹ) دیکھئے۔ , www.sindh/debul.com

www.dawnnews/tv/pakistan/sindh/debul.com

84 **Dr Fazal Ahmad Khan , Bhanbore Exuviation, Daily Newspaper Dawn Karachi, 23rd March 1959 .**

85 ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، اسلامک کلچر دکن حیدر آباد جولائی 1952، ص27

86 فتوح البلدان، ص442

87 اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 9/523

www.besturdubooks.net

ہیں[88]۔الغرض عہد نبوی ﷺ اور دور صحابہ میں دیبل ایک عالمی تجاری منڈی اور بندر گاہ کی حیثیت سے دنیا بھر میں مشہور و معروف شہر تھا۔ بعد میں یہ ایک علمی مرکز بھی رہا، یہاں پر مید قوم آباد تھی۔ جس کی تفصیل قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنی عربی کتاب " رجال السند والہند" میں لکھی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس قدر تاریخی، علمی، کاروباری اور تجارتی مرکزی شہر کیسے صفحہ ہستی سے یوں مٹ گیا کہ آج باوجود ہزار سعی کے اس کا نام ونشان تک معلوم نہیں کیا جاسکتا، محض اٹکل پچو یا قیاسیات و احتمالات پر شاید، ممکن ہے اور ہو سکتا ہے، کے الفاظ سے مختلف مقامات کا تعین کیا جارہا ہے۔ وہ کیا وجہ تھی اور کیا اسباب تھے، کہ ایک تاریخی شہر، تاریخ سے یوں اوجھل ہو گیا بلکہ غائب ہو گیا کہ تاریخ کو بھی پتہ نہ چلا؟

اردو دائرہ معارف میں لکھا ہے کہ:

" دیبل جیسے شہر کا بالآخر بالکل غائب ہو جانا، جو اس قدر وسعت اور آبادی رکھتا تھا اور اتنے عرصے تک دنیا میں موجود رہا، یہ وہ مسائل ہیں جن کا کوئی خاطر خواہ حل اس وقت تک دستیاب نہیں ہو سکا اور تمام کوششیں ناکام ہی رہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کس کو کیا خبر! تاہم میرے خیال میں چونکہ یہ ایک زلزلائی علاقہ تھا، جیسا کہ یہاں کئی بار پہلے بھی کئی زلزلے آچکے تھے، اور پھر مسلمانوں کی آمد کے بعد بھی 280ھ / 893ء میں ایک ہولناک زلزلہ نے اس شہر کے بڑے حصے کو تباہ کر دیا تھا، جس میں تیس ہزار لوگ لقمہ اجل بن گئے تھے[89]۔ لیکن یہ شہر دوبارہ آباد ہو گیا تھا۔ کیونکہ جب 1221ء / 618ھ میں جب جلال الدین خوارزم شاہ نے تاتاریوں سے بھاگ کر اس شہر پر قبضہ کر لیا تھا تو اس نے یہاں ایک مندر کی جگہ مسجد بنائی تھی، پھر 1239ء میں رضی الدین حسن بن محمد الصغانی بھی یہاں آیا تھا[90]۔ اور اس کے بعد تاریخ نے دیبل کے بارے میں مکمل چپ سادھ لی۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ اس کے بعد یا تو ایسا ہولناک زلزلہ آیا ہو جس سے پورا

---

[88] سفر نامہ ابن حوقل، ص230

[89] تاریخ طبری، 5/143

[90] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 9/523

www.besturdubooks.net

شہر مکمل تباہ ہو گیا ہو اور یا پھر سونامی نے اس شہر کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہو اور یا پھر اللہ نے کسی عذاب کے ذریعے رات کے کسی پہر یا دو پہر کے وقت انہیں ہلاک کیا ہو۔ واللہ اعلم

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ (4) فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ (5) فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (6) فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ (7)[91]

عرب و سندھ (پاکستان) کے تجارتی تعلقات

عرب و سندھ کے آپس کے تعلقات خاص کر تجارتی تعلقات پہلے ہی سے باہم قائم تھے، کیونکہ ایک تو سندھ و عرب دونوں ملکوں میں زمانہ قدیم سے تجارتی منڈیاں موجود تھیں، جہاں دنیا کے مختلف حصوں سے تاجر لوگ آتے جاتے تھے اور دوسری بات یہ کہ عرب میں کئی ایک سندھ کی قومیں آباد تھیں، جو سندھ سے جا کر وہاں آباد ہوئی تھیں۔ جن میں زط (جٹ / جاٹ)[92]، مید، سیابجہ، احامرہ، اساورہ، بیاسرہ اور تاکر (ٹھاکر) قابل ذکر ہیں۔ مؤرخین نے ان کی پوری تفصیل لکھی ہیں۔ بالخصوص علامہ سید سلیمان ندوی کی "عرب وہند کے تعلقات" اور قاضی اطہر مبارک پوری کی "عرب وہند عہد نبوی میں" میں قابل مطالعہ مواد موجود ہیں۔ ان دو حضرات نے کافی جستجو اور تحقیق کے بعد عرب وہند کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے کہ قبل از اسلام اور دور رسالت ﷺ میں اور پھر ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے عہد میں پاک وہند کے عرب کے ساتھ تعلقات کیسے تھے۔ مذکور دو ملکوں کے مابین تجارتی تعلقات پر ان دونوں مستند اور ثقہ مؤرخین نے تفصیل سے لکھا ہے، یہاں طوالت کو چھوڑ کر مختصراً اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[91] الاعراف، 4-7

[92] امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ کا تعلق بھی اسی زطی قوم سے تھا۔ (عہد نبوی میں عرب وہند تعلقات، ص 64)

www.besturdubooks.net

عرب میں اہل سندھ اور سندھی لوگ [93] خاتم الانبیاء ﷺ کی پیدائش سے پہلے متعارف تھے۔ کیونکہ عرب میں اس وقت سندھی لوگ بکثرت آباد تھے۔ خاص طور پر علاقہ یمن میں ان کی کثرت اور شان و شوکت مسلّم تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ایام طفولیت میں شاہ حبشہ ابرہہ کے بیٹے مسروق نے یمن پر حملہ کر کے حاکم یمن سیف بن ذی یزن کو بے دخل کر دیا اور اس نے کسریٰ نوشیر وان کے ہاں جا کر اس کی فریاد کی؛ ثُمَّ قَالَ لَهُ: أَيُّهَا الْمَلِكُ، غَلَبَتْنا عَلَى بلادِنا الأغربةُ. فَقَالَ لَهُ كِسْرَى: أَيُّ الْأَغْرِبَةِ: الْحَبَشَةُ أَمْ السِّنْدُ؟[94]

کہ غیر ملکیوں نے آکر یمن پر قبضہ کر لیا ہے تو کسریٰ نے دریافت کیا کہ کن غیر ملکیوں نے یمن پر قبضہ کیا ہے، حبشیوں نے کہ سندھیوں نے؟

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُس وقت سندھی لوگ کتنی بڑی تعداد میں عرب میں موجود تھے۔ کہ عالمی سطح کے ایک بادشا ہ کو بھی ان کی کثرت اور شان و شوکت اور زور بازو کا علم تھا۔ لہٰذا عرب میں سندھیوں کی آمد و رفت بہت پہلے سے ہے، بلکہ سندھی لوگ وہاں جا کر بھی بکثرت آبا ہوئے۔ تفصیل کے لیے قاضی اطہر مبارک پوری کی کتاب " عرب و ہند عہد نبوی میں " کا مطالعہ کیجئے۔

عرب و سندھ (پاکستان) کی تجارت اُس وقت یہاں کی مشہور بندر گاہ دیبل اور عرب کی پانچ بندر گاہوں جدہ، صحار، ابلہ، جار اور عدن کے درمیان ہوتی تھی۔ ان میں ابلہ نامی بندر گاہ کو خاص اہمیت حاصل تھی جو کہ بصرہ کے قریب واقع تھی، تاہم بعد میں 256ھ میں زنگیوں کی لڑائی میں یہ بندر گاہ تباہ ہو گئی تھی [95]۔ دیبل سے آنے والے جہاز یہاں لنگر انداز ہوتے تھے۔ ابلہ قدیم زمانے میں ارض الہند اور

---

[93] چونکہ سندھ کے کئی خاندان عرب میں آباد تھے اس لیے سندھی لوگ اور اہل سندھ لکھا گیا اور اہل سندھ تو ظاہر ہے، ان لوگوں کے لیے جو اس قوت سندھ میں بود و باش کرتے تھے۔

[94] عبد الملک بن ہشام الحمیری (213ھ)، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، 1/56، شرکۃ الطباعۃ الفنیہ المتحدہ، س ط ن،

[95] محمد نعمان اعظمی، تاریخ بصرہ، حاشیہ ص 11

www.besturdubooks.net

فرج السند کے لقب سے مشہور تھا۔ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جب 14ھ میں ابلہ فتح کیا تو اس کی مرکزیت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو مکتوب لکھا تھا اس میں تحریر تھا؛

" اے امیر المؤمنین ! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ پر فتح دی ہے، یہ مقام بحرین، فارس، ہند (سند) اور چین سے آنے والے جہازوں کی بندر گاہ ہے۔"[96]

14 ہجری میں جب ابلہ جیسا اہم تجارتی مرکز مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو فاتح ابلہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے اس کے قریب بصرہ کے نام سے ایک نئے شہر آباد کرنے کا تہیہ کیا اور بہت سارے صحابہ کرام یہاں آکر آباد ہونے لگے۔ اور یوں مدت قلیل میں یہ نیا شہر آباد ہوا۔ ابتداء میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں آکر سکونت اختیار کی لیکن بعد میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی[97]۔ چنانچہ فاتح قیقان (سندھ) حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت سلمہ بن محبق الهذلی رضی اللہ عنہ بھی اس شہر کے اولیں بانیوں میں شامل تھے جنہوں نے بصرہ ہجرت کی اور وہاں پر مستقل سکونت اختیار کی[98]۔

جاہلی دور میں بھی سندھ سے عرب تجارت کی جاتی تھی اور عمان کے سوق صحار اور سوق دبا بہت مشہور تھے۔ جہاں سندھ کے تاجر بڑی تعداد میں آتے تھے[99]، عدن میں بھی سندھ کا مال جاتا تھا[100]۔ جار نامی بندر گاہ جو کہ مدینہ سے اگرچہ ایک روز و شب کے فاصلے پر واقع تھی لیکن دیگر بندر گاہوں کی بنسبت قریب ترین تھی، وہاں سندھ سے مال تجارت بحرین کے راستے جاتا تھا، پھر وہاں سے مدینہ جاتا تھا[101]۔ الحاصل عرب کے مختلف حصوں میں سندھ سے مال جاتا تھا اور سندھ کو عرب سے تجارتی مال آتا تھا۔ اور یہ تجارت صرف بحری راستے سے نہیں بلکہ بری راستے سے بھی ہوتی تھی۔ عرب سے شام، شام سے کوفہ، پھر بغداد،

---

96 ابو حنیفہ الدینوری، الاخبار الطوال، ص117

97 احمد بن یحیٰ البلاذری (279ھ)، فتوح البلدان، ص416، دار صادر بیروت 1988ء

98 محمد بن اسحاق بن مندہ (395ھ)، معرفۃ الصحابہ، 1/314، جامعہ الامارت العربیہ المتحدہ، 2005ء

99 ابو علی مرزوقی، کتاب الازمنہ والامکنہ 2/1 63، حیدر آباد، 1353ھ

100 المسالک والممالک، ص61

101 عرب وہند تعلقات عہد نبوی میں، ص33

www.besturdubooks.net

پھر اہواز، پھر فارس پھر کرمان پھر مکران اور وہاں سے ہو کر سندھ کے مختلف حصوں تک قافلے آتے تھے[102]۔نہ صرف سندھ بلکہ سندھ کے راستے ہند، زابلستان (افغانستان) ، خراسان اور چین تک یہ تجارتی قافلے آتے جاتے تھے[103]۔

جو سامان یہاں سندھ سے عرب جاتا تھا، ان میں فلفل(مرچ) ، قسط(کٹھ) ، بانس، بید کی لکڑی، سندھی کپڑے، سندھی مرغی، گھوڑے، پالہ اونٹ جس کی نسل سے عرب کا مشہور بختی اونٹ ہوتا تھا، بھڑوچی وخطی نیزے ، کھبائت، سندھی جوتے اور ناریل[104]، یاقوت، الماس ، گینڈا، ہاتھی ، مور ، عود ، عنبر ، لونگ، دازی(تاڑی)، سنبل، خولجان، دار چینی، ناریل، ہڑ، توت، بکم، بید، صندل، ساگوان، سیاہ مرچ[105]، سندھی لوہا، تلوار، سمہری نیزے، سندھی لونگی، چادر، کرتہ وغیرہ، الائچی، نیلوفر، صندل، پان[106]،سپاری، لیموں، آم، چاول۔[107]

عرب سے دیگر کئی چیزوں کے علاوہ وہاں کے مشہور گھوڑے اور کھجور یہاں سندھ آتے تھے[108]۔عربی کھجور یہاں کے لوگ بڑے شوق سے کھاتے تھے، اور پھر جب مسلمان یہاں پر قابض ہوئے تو انہوں نے یہاں کھجور کے درخت لگائے اور آج سندھ میں نہ صرف کھجوروں کی بہتات ہے بلکہ یہی سندھی کھجور ذائقے میں اپنی مثال آپ ہیں۔[109]

---

[102] ایضاً، ص153

[103] مروج الذہب از مسعودی، ص120

[104] المسالک والممالک، ص65-71

[105] ابن فقیہ ہمدانی(330ھ) ، کتاب البلدان، ص251،لیدن 1343ھ

[106] سیرت ابن ہشام،2/194،لسان العرب 3-7/190 - 151

[107] بشاری مقدسی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، ص474-482

[108] ابو الفداء، تقویم البلدان، ص349

[109] کھجور کے علاوہ کیکر نامی درخت بھی عرب ہی کا لگتا ہے جو کہ سندھ اور بلوچستان میں بہتات کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ گرچہ اس بارے کسی کتاب میں صراحت موجود نہیں مگر میرا ذاتی خیال یہی ہے کیونکہ عرب اور یہاں کے کیکر میں کچھ فرق نہیں ۔ واللہ اعلم

www.besturdubooks.net

پاکستان کے حکمران کا خدمت اقدس ﷺ میں تحفہ بھیجنا

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ عرب و ہند کے آپس کے تعلقات بہر حال پہلے سے قائم تھے اور عرب میں سندھی لوگ بھی بودوباش کرتے تھے اس لیے یہاں سندھ کے لوگ بھی اللہ کے آخری نبی ﷺ اور اسلام سے باخبر ہوگئے تھے، اور یہ خبر صرف عوام تک نہیں بلکہ راجاؤں مہاراجوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ اسی لیے تو یہاں کے ایک مقامی راجا نے رسالت ماب ﷺ کی خدمت اقدس میں زنجبیل (سونٹھ) کا تحفہ بھیجا تھا، مستدرک حاکم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے؛

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَهْدَى مَلِكُ الْهِنْدِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَرَّةً فِيهَا زَنْجَبِيلٌ فَأَطْعَمَ أَصْحَابَهُ قِطْعَةً قِطْعَةً وَأَطْعَمَنِي مِنْهَا قِطْعَةً [110]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہند کے ایک حکمران نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں زنجبیل (سونٹھ، ادرک) [111] کا ایک گھڑا تحفے کے طور پر بھیجا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کا ایک ایک ٹکڑا کھلایا، مجھے بھی اس کا ایک ٹکڑا کھلایا۔

یاد رہے کہ عرب لوگ کبھی پورے ہندوستان کو ہند بولتے تھے اور کبھی سندھ کو ہند کہتے تھے اور کبھی کبھار ہند پر سندھ کا اطلاق کرتے تھے جیسا کہ بلاذری، ابن خردازبہ، ابن جریر طبری، ابن عساکر، ابن کثیر وغیرہ حضرات کی مستند کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

ہند یا سندھ کے کس علاقے کے کس راجہ نے یہ تحفہ بھیجا تھا؟

اس بارے میں قطعی کچھ کہنا رجماً بالغیب ہوگا، تاہم میری تحقیق کے مطابق وہ راجہ یہاں سندھ یعنی موجودہ پاکستان کا رہنے والا تھا۔ نہ صرف اس نے اسلام قبول کر لیا تھا[112]، بلکہ اس کے ساتھ دیگر کئی لوگ بھی

---

[110] حدیث نمبر 7190

[111] قرآن مجید میں تین الفاظ ہندی ہیں؛ زنجبیل (سونٹھ)، مسک (مشک) اور کافور۔ (عرب و ہند تعلقات ص 43)

[112] مالابار (ہند) کے ایک راجہ جس کا نام زمورن یا سامری تھا، اس کے بارے میں بھی آتا ہے کہ اس نے اپنے علاقے میں شق القمر کا معجزہ دیکھا تھا، پھر اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، ص 56، اردو بورڈ

www.besturdubooks.net

مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، جن میں چند ایک نامور شخصیات بھی تھیں جو شاہِ سندھ راجہ چچ کے مقربین میں سے تھیں۔ جس کا ثبوت 150 ھ کے لگ بھگ لکھی گئی کتاب فتح نامہ سندھ المعروف چچ نامہ سے ملتا ہے، کہ اس حاکم کے دیگر مسلمان ساتھی معرکہ سکہ (نامِ شہر قریب ملتان) میں شہید ہو گئے تھے۔ مذکور کتاب میں اس حاکم کا نام امیر عین الدین یا امیر عین الدولہ درج ہے۔ حکمرانِ سندھ چچ بن سیلائج نے اسے ملتان کے نواحی شہر سکہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا، اس جنگ میں چچ کے کئی نامور ساتھی شہید ہوئے[113]، اور یہ غالباً 9 یا 10 ہجری کا واقعہ ہے۔ نامور محقق ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اس حاکم کا نام جہاں امیر عین الدین ریحان مدنی لکھا ہے، وہاں حواشی میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے ساتھ کچھ مسلمان بھی تھے جو راجہ چچ کے لیے لڑ کر شہید ہوئے[114]۔ تبھی تو صاحبِ فتح نامہ نے ان کے لیے لفظ "قتل" نہیں بلکہ قصداً "شہید" کا شبد استعمال کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان مؤرخ کافر کے لیے لفظ شہید استعمال نہیں کرتا۔ اب اگر اس نام پر غور کیا جائے تو کچھ باتیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً یہی امیر عین الدین یا عین الدولہ وہی صحابی تھے جو عرب سے ہو کر یہاں آئے تھے جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ پانچ صحابہ دورِ رسالت ﷺ میں یہاں سندھ آئے تھے جن میں دو یہاں رہ گئے تھے اور ایک ان میں یہی امیر ہو جس کا نام شاید ریحان تھا[115]۔

کراچی، 1995ء) یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مالابار (انڈیا) میں کئی اصحاب رسول ﷺ مدفون ہیں۔ مالابار کے ایک مجاہد مولانا اقبال مالاباری نے راقم کو بتایا تھا۔ اس وقت راقم کے دوست مولانا ڈاکٹر روح اللہ یوسفزئی بھی موجود تھے۔

113 فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، علی المدائنی، مترجم اختر رضوی، ص 73، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2008ء

114 ایضاً، ص 266

115 ابن خردازبہ (م 280ھ) نے سندھ کے شاہانِ وقت کے جو نام لکھے ہیں، ان میں ایک ریحان شاہ بھی ہے۔

(المسالک والممالک، 1/ 18، دار صادر لیدن بیروت، 1889ء)

عین ممکن ہے یہ یہی ریحان ہو! کیونکہ ابن خردازبہ کے بیان کے مطابق یہ نام اس کا فارس کے بادشاہ اردشیر نے رکھا تھا۔ لہٰذا ممکن ہے کہ اس کا اپنا نام عین الدین ہو یا عین الدین کے علاوہ کچھ اور ہو۔ تاہم چونکہ یہ ملک سندھ اس وقت فارس (ایران) کے ماتحت تھا اس لیے یہاں کے حاکم بھی شاہِ فارس کے تابع تھے۔ اور ان کے القابات بھی شاہِ فارس کے دیے ہوئے تھے۔ یہ اردشیر (شاہ فارس) جسے شیرویہ بھی کہتے ہیں، اس نے اپنے باپ کسریٰ کو 8 ہجری میں قتل کر کے شاہ فارس ہونے کا اعلان کیا تھا۔ اپنے زیر اثر علاقوں میں پروانے روانہ

www.besturdubooks.net

لیکن یہاں دین اسلام کے اولیں نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اس کا نام عین الدین رکھا گیا ہو اور وہ مدینہ کا باشندہ ہو کیونکہ اس کے نام کے ساتھ مدنی نسبت اس بات کو تقویت دیتی ہے، یا پھر یہ اصلاً سندھی تھا لیکن شاید رسول اللہ ﷺ کا سن کر مدینہ چلا گیا ہو اور اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا ہو، علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تجارت کے سلسلے میں عرب گیا ہو اور وہاں دولت اسلام سے سرفراز ہو گیا ہو اور پھر اس کا اپنا اصل نام تبدیل کر کے عین الدین رکھا گیا ہو اور مدینہ سے والہانہ عقیدت کی بدولت اپنے نام کے ساتھ مدنی لگاتا ہو گا[116]۔ اس سے جہاں اِس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت میں یہاں کے لوگ اسلام سے متعارف ہوئے تھے، وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اُس وقت سندھ (پاکستان) کے بادشاہ چچ بن سیلائج بھی اسلام سے واقف ہو چکا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کا ایک حاکم امیر عین الدین اور اس کے دیگر چند نامور ساتھی مسلمان ہو گئے تھے تاہم راجہ چچ چونکہ ایک عقلمند اور ہوشیار بادشاہ تھا۔ اس لیے اس نے مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کی طرح سیاسی اغراض کے پیش نظر کسی کے دین و مذہب سے صَرف نظر کرتے ہوئے محض اپنی حکومت پر توجہ دی۔ یاد رہے کہ ایران زمانہ قدیم سے ایک مضبوط طاقت کی حیثیت سے پوری دنیا میں مشہور تھا۔ عرب کے بعض علاقوں عراق، اردن اور شام وغیرہ پر بھی ایران کا قبضہ تھا، لہٰذا سندھ (پاکستان) بھی ایرانی حکومت کے زیر اثر تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بہت سارے سندھی باشندے ایرانی فوج میں شامل تھے اور دوسری وجہ یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایران کے شاہِ فارس کسریٰ بن ہرمز کے نام اسلام کا دعوت نامہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ بن قیس سہمی کے ہاتھوں بھیجا[117]، تو لابدی ایرانی حکومت کے

کر کے ان کو خبردار کیا تھا۔ سندھ میں بھی مختلف علاقوں کے علاقائی حاکموں کو القابات سے نوازا تھا، مثلاً مکران شاہ، قفص شاہ، ہندوان شاہ، قیقان شاہ اور ریحان شاہ وغیرہ۔۔۔ دیگر ناموں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں لگتا۔

116 عبد الحلیم شرر نے اپنی کتاب تاریخ سندھ میں ص 62 پر یہ نام علاؤ الدولہ لکھا ہے اور اس نام پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ اس وقت یہ عربی نام کیسے ہندوؤں کے علاقے میں پڑ گیا؟ جناب شرر صاحب کا تعجب بے جا ہے کیونکہ اس کے پیچھے ایک مکمل تاریخ پڑی ہے جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔

117 اس بدبخت کسریٰ نے حضرت عبد اللہ بن حذافہ کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھتے ہی تکبر میں آ کر پھاڑ دیا تھا اور اپنے زیر اثر حاکم یمن باذان کو لکھ بھیجا تھا کہ (نقل کفر کفر نہ باشد) اس خط والے صاحب (نعوذ باللہ) یعنی رسول اللہ ﷺ کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ ادھر

www.besturdubooks.net

زیر اثر جتنے بھی علاقے تھے، ان سب میں اسلام کا شہرہ پہنچنا ایک لا محالہ امر تھا، پس سندھ میں اسلام کی آواز پہنچنا اور پھر یہاں کے لوگوں کا اس فطری دین سے متاثر ہونا فطری بات تھی ۔ نیز صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے یہ الفاظ کہ میرا دین اور میری حکومت بہت جلد کسریٰ کی تمام سلطنت میں پھیل جائے گی اور وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اونٹ اور گھوڑے جاتے ہیں[118]، بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ فارس کے زیر اثر جتنی حکومتیں ہیں، وہاں خوامخواہ اسلام پہنچے گا اور ظاہر ہے کہ سندھ بھی فارس کا ایک قابل ذکر علاقہ تھا۔ ایسے میں سندھ کے امیر عین الدین سمیت کئی ایک لوگوں کا مسلمان ہونا بعید از قیاس نہیں۔ امیر عین الدین کے علاوہ دیگر مسلمانوں کے بارے میں تاریخ میں کچھ نہیں ملتا حالانکہ میرے خیال میں اس وقت نہ صرف مسلمان بلکہ صحابہ بھی سندھ میں ضرور موجود ہوئے ہونگے۔ لیکن افسوس اور صد افسوس کہ وہ تاریخ سے اوٹ میں رہے، کیونکہ وہ عام رعایا لوگ تھے اور یہ چونکہ ایک حاکم تھا اس لیے اس کا نام تاریخ نے محفوظ کر لیا۔

عین ممکن ہے یہ بھی ریحان ہو! کیونکہ ابن خرداذبہ کے بیان کے مطابق یہ نام اس کا فارس کے بادشاہ اردشیر نے رکھا تھا، لہٰذا ممکن ہے کہ اس کا اپنا نام عین الدین ہو یا عین الدین کے علاوہ کچھ اور ہو، تاہم چونکہ یہ ملک سندھ اس وقت فارس (ایران) کے ماتحت تھا، اس لیے یہاں کے حاکم بھی شاہِ فارس کے تابع تھے، اور ان کے القابات بھی شاہِ فارس کے دیے ہوئے تھے، یہ اردشیر (شاہ فارس) جسے شیرویہ بھی کہتے ہیں، اس نے اپنے باپ کسریٰ کو 8 ہجری میں قتل کر کے شاہ فارس ہونے کا اعلان کیا تھا، اپنے زیر اثر علاقوں

رسول اللہ ﷺ کو جب خبر پہنچی تو آپ نے اس کے حق میں بد دعا کر کے پیش گوئی فرمائی کہ اللہ اس کی حکومت کو پارہ پارہ کرے گا۔ باذان نے اپنے داروغہ بابویہ اور خرخسرہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ حقیقی صورتحال سے آگاہی دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرا دین اور میری حکومت بہت جلد کسریٰ کی تمام سلطنت میں پھیل جائے گی اور وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اونٹ اور گھوڑے جاتے ہیں۔ اُدھر فارس میں کسریٰ کے بیٹے شیرویہ نے 13 جمادی الاولیٰ 8 ہجری کو اپنے باپ کو شب کی تاریکی میں قتل کر دیا۔ ادھر یمن کا حاکم باذان اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔

(محمد بن جریر طبری (310ھ) ، تاریخ طبری، 2/271، نفیس اکیڈمی کراچی 2004ء)

[118] ایضاً، تاریخ طبری، 2/271

www.besturdubooks.net

میں پروانے روانہ کرکے ان کو خبر دار کیا تھا، سندھ میں بھی مختلف علاقوں کے علاقائی حاکموں کو القابات سے نوازا تھا، مثلاً مکران شاہ، قفص شاہ، ہندوان شاہ، قیقان شاہ اور ریحان شاہ وغیرہ۔۔۔ دیگر ناموں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں لگتا سوائے ریحان شاہ کے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ریحان شاہ نے خود اپنے لیے یہ لقب پسند کیا ہو۔ جو بھی ہو اس نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان تھا۔

مشہور محقق قاضی اطہر مبارک پوری (1916ء - 1996ء) لکھتے ہیں؛[119]

"رسول اللہ ﷺ نے 7 اور 8 ہجری کے درمیان حدود عرب میں دعوت اسلام بھیجی اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کو اسلام کا مبلغ و داعی اور قاصد بنا کر عرب اور بیرون عرب کے رئیسوں، حاکموں اور باحیثیت لوگوں کو خطوط بھیجے تو اس وقت عراق سے لے کر مشرقی سواحل اور یمن تک میں اسلام کی دعوت عام ہوئی اور ان اطراف کے عربوں کی طرح عجم، فارس اور مجوس وغیرہ بھی اس کی دعوت سے تفصیلی طور پر واقف ہوئے۔ ان ہی کے ساتھ یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی عام طور پر اسلام سے باخبر ہو کر یا تو مسلمان ہو گئے اور اسلامی زندگی کا جزو بن گئے۔"

ویسے بھی اسلام جیسا عالمگیر مذہب جو آیا ہی چھانے کے لیے تھا، کیسے چھپا رہ سکتا تھا، ایسے میں سندھ تک اس کی دعوت اور اس کی شہرت کا پہنچنا کوئی بعید از قیاس بات ہر گز نہیں تھی۔ بلکہ ضرور اور لابدی تھا کہ اسلام یہاں پہنچے کیونکہ ہمسایہ ملک ہونے اور تجارتی تعلقات رکھنے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کا حق بنتا تھا کہ انہیں آگاہ کیا جائے۔ قاضی موصوف آگے مزید لکھتے ہیں؛

---

119 قاضی صاحب موصوف اس باب میں ایک سند کی حیثیت رکھتے تھے، انہوں نے کئی ایک قیمتی اور معلوماتی کتابیں لکھی ہیں جن میں رجال السند والہند، العقد الثمین، عرب وہند عہد رسالت ﷺ میں اور ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں اہم ہیں۔ قاضی اطہر مبارک پوری 7 مئی 1916ء کو مبارک پور (مراد آباد، ہندوستان) میں پیدا ہوئے اور 14 جولائی 1996ء کو اپنے وطن مالوف میں انتقال فرمایا۔ آپ کا اپنا نام عبد الحفیظ تھا مگر شاعری تخلص اطہر سے شہرت پائی۔ مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد سے فراغت حاصل کی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کی۔ آپ نے تقریباً 35 کتابیں تصنیف کیں، جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں۔ تاہم آپ کا خاص موضوع تاریخ تھا اور پھر تاریخ میں ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد آپ کا موضوع خاص تھا۔ اس کتاب کی تدوین میں قاضی صاحب سے راقم نے جا بجا کافی استفادہ کیا ہے۔ فرحمہ اللہ تعالیٰ

www.besturdubooks.net

"عہد رسالت ﷺ میں جس طرح اسلام کا چرچا دیگر ممالک میں ہوا، ہندوستان میں بھی ہوا اور یہاں کے مذہبی لوگوں اور راجوں مہاراجوں نے اسلام اور پیغبرِ اسلام ﷺ سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی اور دعوت اسلام سمجھنا چاہا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے یہاں کے لوگوں اور چیزوں کے بارے میں باتیں کیں۔"[120]

بزرگ بن شہریار[121] نے عجائب الہند میں لکھا ہے کہ اسی زمانے میں ایک وفد سرانديپ (موجودہ سری لنکا) سے مدینہ روانہ کیا گیا تھا، تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے خود ملکر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرلیں، لیکن بد قسمتی سے وہ وفد بعض عوارض کی وجہ سے دیر سے مدینہ پہنچا کہ جب رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال کر گئے تھے۔ وہ وفد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملا، ان سے دین اسلام کی بنیادی معلومات حاصل کیں اور واپس لوٹا ہی تھا کہ مکران میں وفد کا امیر فوت ہوا[122]۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں نہ صرف سندھ (پاکستان) بلکہ پورے ہندوستان اور افغانستان (برصغیر) میں اسلام کی خوشبو پھیل چکی تھی۔

مالابار (ہندوستان) کے ایک راجہ جس کا نام زمورن یا سامری تھا، کے بارے میں بھی آتا ہے کہ اس نے اپنے علاقے میں نبی ﷺ کے شق القمر کا معجزہ دیکھا تھا، پھر اس نے معلوم کرنا چاہا کہ یہ کیا عجیب معمہ اس نے دیکھا ہے، تو اسے بتایا گیا کہ دراصل عرب میں ایک نبی ظاہر ہوا ہے یہ انہی کا معجزہ ہے۔ چونکہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا تھا لہذا یہ سننے کی دیر تھی کہ اس راجا نے فوراً اسلام قبول

---

120 قاضی اطہر مبارک پوری، عرب وہند عہد رسالت ﷺ میں، ص16، فرید بکڈپو دہلی، 2004ء

121 بزرگ بن شہریار (300ھ) ایک جہاز راں تھا جو اپنے جہاز عرب، سندھ، ہند اور چین وغیرہ ممالک لے جایا کرتا تھا۔ اس نے عربی زبان میں "عجائب الہند" نامی کتاب لکھی ہے جس میں اس نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے مشاہدات قلمبند کئے ہیں۔ اس کتاب میں واقعی عجیب وغریب باتیں درج ہیں۔ مثلاً یہ مندرجہ بالا واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں سندھ میں پانچ صحابہ بھیجیں۔ اور یہ کہ اس وقت کے ایک ہندو راجہ نے قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور بھی کئی انوکھے واقعات اس کتاب میں پڑھنے کو ملتے ہیں۔ یہ کتاب 1886ء میں لیدن (بیروت) سے چھپی تھی۔

122 بزرگ بن شہریار، عجائب الہند، ص157

www.besturdubooks.net

کرلیا[123] اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس وقت اس نے خاتم الانبیاء ﷺ سے ملنے کی ٹھان لی اور یوں تخت سلطنت اپنے ولی عہد کے سپرد کر کے کشتی میں سوار ہو کر ملک عرب کی طرف روانہ ہوا، تاکہ زیارت رسول ﷺ سے مشرف ہوسکے لیکن قبل اس کے کہ وہ عرب پہنچتا، بد قسمتی سے اس نے راستے ہی میں وفات پائی اور یمن کے ساحل پر دفن ہوا۔[124]

رسول اللہ ﷺ کا پاکستان میں پانچ صحابہ بھیجنا

قاضی اطہر مبارک پوری (م1996ء) نے اپنی عربی کتاب العقد الثمین میں مجموع الرسائل نامی ایک کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانچ صحابہ کرام سندھ یعنی موجودہ پاکستان بھیجے تھے، وہ قلعہ نیرن[125] آئے تھے جن کی وجہ سے یہاں کے چند لوگ مسلمان ہوگئے تھے[126]۔

مذکور صحابہ کرام میں سے دو واپس تشریف لے گئے اور تین یہاں سندھ میں رہ گئے تھے جنہوں نے اہلِ سندھ پر اسلام کے احکامات ظاہر کئے اور وہ تینوں حضرات یہاں فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ان حضرات کی قبریں یہاں سندھ میں موجود ہیں[127]۔

---

[123] اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت سندھ و ہندھ میں اسلام نہ صرف پہنچ چکا تھا بلکہ ادھر کئی ایک نے اسلام قبول بھی کرلیا تھا کیونکہ اس مذکور راجہ کا "کسی" سے پوچھنا اور پھر "اس" کی طرف سے معجزے والی بات کا سننا اور اس پر مستزاد اس راجہ کا کسی "شخص" کے ہاتھوں مسلمان ہو کر کلمہ پڑھنا، یہ ساری باتیں اس بات کو تقویت دیتی ہیں کہ اس وقت یہاں مسلمان موجود تھے۔ واللہ اعلم

[124] تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، ص56، اردو بورڈ کراچی، 1995ء

[125] نیرن یا نیرون، سندھ کا ایک ساحلی شہر تھا جو دیبل سے 75 میل کے فاصلے پر تھا۔ (تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی ص 49)، جبکہ محمد اسحاق بھٹی کی تحقیق کے مطابق حیدر آباد ہی کو نیرون کہا جاتا تھا۔ (برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، مکتبہ سلفیہ لاہور، 1990ء، ص 151)۔ غالباً سید سلیمان ندوی صاحب نے اندازے کے مطابق یہ فگر لکھا ہو، حالانکہ حیدر آباد، کراچی سے 100 میل اور 161 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ تو اگر دیبل کو ہم منوڑہ کے قریب مان لیں تو پھر یہ 100 میل سے بھی اوپر جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ آج کا حیدر آبا، نیرون سے 20،25 میل کے فاصلے پر آباد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حیدر آباد کی جگہ کوئی اور جگہ ہو، کیونکہ سید صاحب نے حیدر آباد کا نام نہیں لیا، بلکہ یہ تو محمد اسحاق صاحب کی تحقیق ہے۔ کیونکہ سید صاحب نے ساحلی شہر کا ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے حیدر آباد ساحلی شہر نہیں۔

[126] جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ حاکم سکہ امیر عین الدین کے ساتھ چچ کے نامور ساتھیوں نے جنگ سکہ (ملتان کے قریب ایک شہر) میں بھرپور حصہ لیا۔ امیر کے علاوہ دیگر مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے، تو شاید وہ یہی مسلمان ہو! واللہ اعلم

www.besturdubooks.net

قاضی صاحب موصوف[127] اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ "اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت ہمیں صحابہ کے یہاں آنے کی نہیں ملتی"۔

اس لیے میرے خیال میں سکھر میں موجود قبور صحابہ، ان کی ہو سکتی ہیں۔ راقم کو حامد علی خان صاحب نے بتایا کہ سکھر کے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک صحابی اسے فرمارہے ہیں کہ کم از کم میری قبر پر بھینس تو نہ باندھا کرو۔ وہ صاحب تبلیغی مرکز رائے ونڈ چلا گیا اور وہاں کے علماء سے اس خواب کا تذکرہ کیا، تب وہاں کے علماء سکھر چلے گئے اور موقع دیکھا تو واقعی ایسا ہی تھا تب انہوں نے ان قبروں کے گرد ایک چاردیواری بنانے کو کہا جو آج بھی موجود ہے[128]۔ شکار پور میں بھی ایک قبر صحابی کی ہے، وہ بھی ہو سکتی ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ دو صحابہ سکھر میں اور تیسرے صحابی شکار پور میں مدفون ہوں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ حضرت عمرو بن عبسہ ہیں[129]۔ کراچی کے قریب محمود گوٹھ میں بھی کہتے ہیں کہ صحابہ مدفون ہیں[130]۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں پہاڑ پور کے مقام پر " پیر اصحاب " کے نام سے ایک مزار موجود ہے جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صحابی رسول ﷺ ہیں[131]۔ علاوہ ازیں بنوں، میر انشاہ، راجن پور، بھکر، میلسی، پنج گور، لسبیلہ، لاہور، پشاور، بونیر اور باجوڑ کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہاں پر اصحاب

---

127 قاضی اطہر مبارک پوری، العقد الثمین ص 31۔

128 جناب محترم حامد علی خان صاحب راقم کے استاد ہیں۔ سچ پوچھے تو یہ وہ صاحب ہیں جنہوں نے راقم کی ابتدائی دینی تربیت کی۔ کیونکہ آپ سے سکول میں جہاں راقم نے انگریزی اور ریاضی خوب سیکھی، وہاں آپ سے دین بھی سیکھا۔ آپ نہایت دیندار اور امانت دار انسان ہیں۔ آپ خود اس مقام کو جا کر دیکھ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں کراچی میں راقم کو مولانا حمد اللہ صاحب نے بھی بتایا کہ واقعی وہاں دو صحابہ مدفون ہیں۔ یہ مزارات سکھر میں موجود تبلیغی مرکز سے قریباً بیس منٹ کے فاصلے پر واقع ہیں۔

129 شکار پور میں مدفون صحابی کا نام عمرو بن عبسہ السلمی رضی اللہ عنہ بتایا جاتا ہے جو کہ مشہور صحابی ہیں اور جن سے مشہور حدیث مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ منقول ہے۔ (معجم الصحابہ لابن قانع 2/196)۔ تاہم یہ ایک وہم ہے کیونکہ حضرت عمرو بن عبسہ السلمی جو اپنے آپ کو رابع الاسلام کہتے تھے یعنی اولین سابقین میں تھے۔ ان کی تاریخ وفات امام ذہبی نے 61ھ لکھی ہے (سیر اعلام النبلاء، ص 4/83) اور امام ابن حجر عسقلانی نے ان کا مسکن ملک شام لکھا ہے۔ (اسد الغابہ، 3/748)

130 یہ بات راقم کو کراچی میں مفتی زر ولی خان صاحب (مہتمم جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال) نے بتائی۔

131 ڈیرہ اسماعیل خان کے ساکن قاری روزی خان صاحب نے راقم کو بیان کیا۔

www.besturdubooks.net

رسول ﷺ کی قبریں ہیں۔ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہا نہیں جاسکتا کیونکہ یہ یہاں کے مقامی لوگوں کا کہنا ہے۔ تاہم جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے تو راقم کو اس باب میں عربی، اردو اور انگریزی زبانوں میں موجود سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی اور دیگر مستند رسالوں کے مطالعہ کے دوران ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی۔ ہاں اگر مذکور کتابوں کو سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جائے تو یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ جہاں جہاں اصحاب رسول ﷺ گئے ہیں اور ان کا تذکرہ بھی ملتا ہے تو وہاں ان مقدس ہستیوں کی موجودگی بہت امکان رکھتا ہے مثلاً بنوں، پنج گور، لسبیلہ، لاہور وغیرہ علاقوں میں عین ممکن ہے اور اس کے علاوہ مقامات کے متعلق کچھ کہنا رجماًبالغیب ہوگا، اور وہ اس وجہ سے کہ ان جگہوں کے بارے میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ واللہ اعلم

اور جہاں تک بزرگ بن شہریار کی بات ہے تو وہ تیسری صدی ہجری کے ایک سیاح تھے بلکہ ایک جہازراں تھے، ان کی تاریخ وفات 300ھ ہے، اگر ان کی عمر کا ستر پچھتر سال بھی حساب کیا جائے تو ان کی یہاں آمد کا اندازہ ہم 250ھ کے لگ بھگ لگاسکتے ہیں، گویا رسول اللہ ﷺ کو دنیا سے پردہ کیے ہوئے ڈھائی سو سال، خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو گزرے ہوئے دو سو سال اور مسلمانوں کا یہاں پاکستان میں ورود کے ڈیڑھ سو سال ہو گزرے تھے، یہ بھی یاد رہے کہ وہ وقت صدری علم کا تھا، اور تمام تر علوم کا دارومدار روایات پر ہوتا تھا، ہاں مگر اس باب میں راویوں کو خصوصی اہمیت حاصل تھی تبھی تو علم اسماء الرجال اس امت کی خصوصیت ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ بات انہیں یہاں کسی نے بتائی ہوگی اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ محمد بن قاسم کے ساتھ یہاں جو عرب فاتحین آئے تھے، ان میں بہت سارے عرب یہاں رہ گئے تھے، 150ھ کے لگ بھگ سندھ کی تاریخ پر جو سب سے پہلی اور مستند کتاب " فتح نامہ سندھ " جو کہ چچ نامہ سے معروف ہے، یہ بھی عربی میں ایک عرب ہی نے لکھی تھی، جس کا نام ابوالحسن علی مدائنی تھا۔ جس کی پیدائش 135ھ اور وفات 225ھ ہے۔ تو عین ممکن ہے کہ یہ روایت بھی صدراًاولیٰ صدرِ بزرگ تک پہنچ گئی ہو، یہ بھی امکان رکھتا ہے

www.besturdubooks.net

کہ یہ بات انہیں کسی سندھی نے بتائی ہو یا پھر کسی مولد ؒ[132] نے یہ روایت بتائی ہو۔ اصل خبر خبیر ذات کو ہو گی، اس روایت کی چونکہ مؤید دوسری کوئی روایت موجود نہیں اس لیے اس پر قطعی یقین نہیں کیا جا سکتا تاہم اس کے امکان میں بھی شائبہ ہے کہ عرب لوگ سندھ اور ہند کے نام اور لوگوں سے چونکہ واقف تھے، اور ان کے آپس کے روابط بھی تھے، اور جب صحابہ کرام مختلف علاقوں اور ملکوں میں یہ عظیم پیغام پہنچا رہے تھے۔ بالخصوص خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے یہ الفاظ " تم میں سے جو یہاں حاضر ہے، وہ غائب تک میری یہ دعوت پہنچائے " انہوں نے سر آنکھوں پہ لیے اس لیے عین ممکن ہے کہ اس موقع پر وہاں ایسے عرب تاجر حضرات بھی موجود تھے جو قبل ازیں سندھ آ جا چکے تھے۔ انہوں نے اجازت چاہی ہو سندھ جانے کی اور دربار اقدس سے اجازت مل گئی ہو کیونکہ آپ ﷺ کے دیوانے پروانے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین ایسے تھے جو آپ ﷺ کے لیے اپنی جان دینا سعادت سمجھتے تھے۔ ان کے لیے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں تاخیر یا تاویل ناممکن بات تھی۔ ایسے میں ان کو دنیا کے مختلف حصوں تک اسی عظیم پیغام کو پہنچانے میں تاخیر کسی طرح بھی گوارہ نہیں تھی، بلکہ جونہی یہ الفاظ ان کے کانوں میں پڑے جو صحابہ یہاں پہلے تجارتی سلسلے میں آ چکے تھے۔ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیش کیا یہاں آنے کے لیے یا پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس طرف بھیجا ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب

قاضی اطہر مبارک پوری نے لکھا ہے کہ؛

" خلافت راشدہ میں ہندوستان میں صغار صحابہ اور کبار تابعین تشریف لائے۔ اصاغر و احداث صحابہ سے مراد وہ حضرات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے اور ان کے والدین ان کو خدمت اقدس ﷺ میں لائے اور آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی یا کسی اور طریقے سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دیدار کا شرف پایا۔ عہد فاروقی سے عباسی دور تک اس ملک میں صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین، تابعین کرام رحمہ اللہ تعالیٰ اور تبع تابعین ؒ کی آمد جاری رہی۔ " [133]

---

[132] مولد ؒ اس عجمی کو کہتے ہیں جس نے عرب میں پرورش پائی ہو۔ (فیروز اللغات، ص 1317، فیروز سنز لاہور)

[133] قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، ص 101، س ط ن

www.besturdubooks.net

باب دوم

صحابہ کرامؓ پاکستان میں

یہ کتاب صرف ثواب کی خاطر شیئر کی جارہی ہے۔
اسے کسی قسم کے ذاتی مالی فائدے کے لیے استعمال کرنے کی
قطعا اجازت نہیں۔ مصنف

www.besturdubooks.net

اولیں صحابہؓ کی پاکستان آمد

12 ربیع الاول 11 ہجری کو سردار دوجہاں ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ اول بنے۔ دو سال بعد ان کا بھی انتقال ہوا تو 13 ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ دوم کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھال لیں اور اللہ کے خاص فضل و کرم سے انہوں نے خلافت کی یہ بہت بڑی ذمہ داری اس احسن طریقے سے ادا کی کہ دنیا جسے دیکھتے دنگ رہ گئی۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کا زمانہ اقتدار اسلام کا سنہرا باب ہے، اس دور زریں میں اسلام، دنیا کے مختلف خطوں تک پہنچا اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے کرہ ارض کے 22 لاکھ مربع میل حصے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی بطرف سندھ توجہ

15 ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حاکمِ طائف حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا[134]۔ قبل ازیں 9 ہجری میں جب حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ ﷺ نے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کو بنو ثقیف کا پیشِ امام مقرر فرمایا تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کی قابلیت کو دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ کو حاکمِ طائف مقرر فرمایا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے اور آپ رضی اللہ عنہ اسی عہدہ پر متمکن رہے، یہاں تک کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بحال رکھا[135]۔ اور یوں خلیفہ بلا فصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دو سالہ دورِ حکومت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ طائف کے حاکم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو طائف سے ہٹا کر بحرین اور عمان کی گورنری عطا فرمائی[136]۔ اور طائف میں آپ رضی اللہ عنہ

---

134 ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری (282ھ)، الاخبار الطوال، 1/133، دار احیاء الکتب العربی القاہرہ، 1960ء

135 ابو عمرو خلیفہ ابن خیاط البصری (240ھ)، تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 1/123، دار القلم دمشق، 1397ھ

136 ابو جعفر بغدادی (245ھ)، المحبر، 1/127، دار الآفاق الجدیدۃ بیروت، س ط ن /

عبد اللہ بن مسلم الدینوری (276ھ)، المعارف، 1/268، الهيئة المصرية العامة للكتاب القاہرۃ، 1992ء

www.besturdubooks.net

کی جگہ حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی تقرری فرمائی[137]۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاصی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کر کے بحرین روانہ کیا اور خود عمان تشریف لے گئے[138] اور یہاں آپ رضی اللہ عنہ کے جوہر کھلے۔ خلیج عمان کے سواحل پر سے چونکہ تجارتی جہاز سواحل سندھ وہند پر برابر آتے جاتے رہتے تھے اور زمانہ قدیم سے تجارت نے ادھر سے ایک دریائی راستہ کھول رکھا تھا۔ دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قدرت نے قابل رشک صلاحیتوں سے نوازا تھا تبھی تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کم عمری ہی میں حاکم طائف بنادیا تھا۔ پانچ سال بعد آپ رضی اللہ عنہ نے ان ہی قدرتی استعداد کا استعمال کر کے تاریخ اسلام میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تا قیامت یاد رکھے جائیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار خیار صحابہ میں ہوتا تھا[139]، اور اس کے علاوہ یہ اعزاز آپ رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے سندھ یعنی پاکستان میں سب سے پہلے مسلم مجاہدوں یعنی صحابہ کرام نے قدم رکھا۔[140]

حضرت عمرؓ کا بحری جہاد سے ممانعت

اُن دنوں سمندری سفر میں بہت خطرے تھے اور ان خطروں کے سد باب کے لیے کوئی ٹھوس وسائل بھی موجود نہ تھے۔ اس لیے اہل عرب بحری سفر اور خاص کر بحری راستے پر فوجی مہم سے قدرے کتراتے تھے، بلکہ بقول مؤرخ سندھ جناب عبد الحلیم شررؒ، عرب اس سے ڈرتے تھے[141]۔ گو کہ بعد میں ان سے بڑھکر کوئی جہاز راں بھی نہ تھے لیکن اسلام کے پہلے دور میں حقیقت یہ ہے کہ عرب سمندری جہازوں

---

137 تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 155/1

138 ایضاً، 134/1

139 امام ابن حزم اندلسیؒ (456ھ)، جمہرۃ الانساب العرب، ص266، دار المعارف قاہرہ، 1382ھ

140 گرچہ بلاذری سمیت کئی ایک مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں سندھ پر حملہ کیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے دور خلافت میں ہوا تھا جیسا کہ مدلل تفصیل آگے درج ہے۔

141 تاریخ سندھ، ص83

www.besturdubooks.net

اور کشتیوں کے ذریعے بہت کم سفر کیا کرتے تھے اور رہی بات فوجی مہم کی، تو اس سے بالکل گریزاں رہتے تھے۔ اور پھر ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ اہل عرب بعد ازاں سمندری سفر سے بالکل مایوس ہو گئے۔

ہوا یوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علقمہ بن محرز مدلجی رضی اللہ عنہ کو قریباً بیس ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر دے کر جہاد روم کے لیے سمندری جہازوں میں روانہ کیا تھا لیکن بد قسمتی سے وہ ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کر پائے تھے کہ سمندری طوفان نے انہیں آگھیرا، اور وہ سمندری طوفان میں بری طرح پھنس گئے۔ بالآخر وہ سب کے سب اسی سمندری طوفان کی نذر ہو گئے۔ سوئے قسمتی سے سارے جہاز سمندر میں ڈوب کر غرق ہو گئے اور ان مجاہدین میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا[142]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس جانکاہ حادثے کی خبر پہنچی تو نہایت رنجیدہ ہوئے اور جوشِ غم میں آکر قسم کھالی کہ آئندہ براستہ بحر کوئی بھی فوجی مہم روانہ نہیں کروں گا[143]۔ یہاں تک کہ جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کے اُس پاس شہر "خیرہ" آباد کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ امیر المؤمنین سن کر خوش ہو جائیں گے، اس کی اطلاع دی تو حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ اطلاع پاتے ہی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جواب میں لکھا کہ؛

" ایسے مقام پر قیام نہ کرو کہ میرے اور تمہارے درمیان پانی حائل ہو بلکہ ایسا مقام اختیار کرو کہ میں جب چاہوں، اپنے اونٹ پر سوار ہو کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔"[144]

الحاصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کے بالکل قائل نہیں تھے کہ کسی بھی حاکم یا فوجی افسر کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ براہِ آب کسی ملک پر چڑھائی کریں۔ لیکن تعجب ہے کہ اس بات کے معلوم ہونے کے باوجود حاکمِ عمان حضرت عثمان بن ابی العاصی رضی اللہ عنہ، خلیفہ وقت سے اجازت لیے بغیر سمندری مہم پر جرات کر بیٹھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چپکے چپکے سمندری جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا اور اس پر بہادرانِ

---

[142] عبد الرحمٰن بن علی جوزی (597ھ)، المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، 4/295، دار لکتب العلمیہ بیروت، 1412ھ

[143] تاریخ طبری، 4/112

[144] احمد بن اسحاق یعقوبی (292ھ)، البلدان المعروف بہ تاریخ یعقوبی، 1/169، دار الکتب علمیہ بیروت 1422ھ

www.besturdubooks.net

اسلام کو سوار کر کے سندھ کی طرف روانہ کر دیا۔ ان لوگوں نے سواحل سندھ پر پہنچتے ہی شہر تانہ (تھانہ، ممبئ)[145] پر کامیاب حملہ کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے بہت سارا مال غنیمت ساتھ لے کر واپس لوٹے۔ یہ لشکر جب نیل و مرام واپس ہوا تو حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے ڈرتے ڈرتے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خوشخبری سنائی کہ شاید اس کامیابی سے خوش ہو کر وہ آئندہ کے لیے بحری جہاد کا دروازہ کھول دیں مگر خلاف توقع دار الخلافت سے جو جواب آیا، اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط میں لکھا تھا؛

" اے برادر ثقفی! تم نے یہ فوج نہیں بھیجی تھی بلکہ گویا ایک کیڑے کو لکڑی پر بٹھا کر سمندر میں ڈال دیا تھا۔ بخدا اگر یہ لوگ کسی بھی آفت میں مبتلا ہو گئے ہوتے تو ان کا معاوضہ میں تمہاری قوم سے بھر لیتا۔"[146]

اطاعت امیر سے رو گردانی یا حکمت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب جبروت اور حامل رعب و جلال خلیفہ کے حکم سے رو گردانی اور انحراف بڑی خوفناک جرات کا کام تھا۔ تاہم حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اپنے ارادے سے بالکل باز نہیں آئے اور سندھ و ہند کی طرف اپنی کارروائیاں جاری رکھیں، جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

ان کا یہ عزم مصمم میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے راز اور حکمت سے خالی نہیں تھا۔ کیونکہ ملک سندھ میں اسلام کی سربلندی اور اللہ کا دین پہنچانا اسی پر موقوف تھا۔ کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ الفاظ کہ فَلْيُبلِغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ (تم میں سے جو حاضر ہے، وہ غائب تک میرا یہ پیغام پہنچائے)[147]، جس صحابی کے کان میں پڑے، اس نے سنی ان سنی کرنے کے بجائے دل و دماغ سے یہ بات سنی اور اسے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے دنیا کے کونے کونے میں جہاں تک ان کے بس میں تھا۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے جا کر اس عظیم پیغام کو پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس موقع پر

---

[145] یہ بندر گاہ گجرات اور کوکن ممبئ کی سرحد پر واقع ہے۔ (تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی، ص 26)

[146] تاریخ طبری، 112/4

[147] محمد بن اسماعیل البخاری (156ھ)، الصحیح البخاری، دار طوق النجاۃ دمشق، 1422ھ، حدیث 1739

www.besturdubooks.net

چونکہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، تو انہوں نے بھی اس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے سندھ کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا اپنی ذمہ داری سمجھا۔ لیکن دوسری طرف خلیفہ وقت جو کہ ماضی قریب میں ایک دردناک اور افسوس ناک واقعہ کی وجہ سے بحری سفر سے دل برداشتہ ہو چکے تھے، ان کا لحاظ بھی ضروری تھا کیونکہ اسلامی شریعت میں امیر کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اس لیے انہوں نے دونوں کا پاس رکھتے ہوئے، اللہ سے مدد مانگ کر اور اسی وحدہٗ لاشریک کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا۔ اگر ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر نظر دوڑائیں تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جائیگی کہ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار اُن خیار صحابہ کرام میں ہوتا ہے، جن پر رسول اللہ ﷺ کی غائرانہ نظر پڑی تھی اور جن کی قائدانہ صلاحیت کو آپ ﷺ نے تاڑ کر آپ رضی اللہ عنہ کو حاکم طائف بنادیا تھا، حالانکہ ایک تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نو مسلم تھے اور دوسری بات یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کم عمر بھی تھے[148]۔ اس لیے میرے خیال میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بالکل درست تھا، ہاں جہاں تک امیر کی اطاعت کی بات ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا بھی پوری طرح احساس تھا۔ لیکن آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج سے بخوبی واقف تھے کہ ان کی یہ سختی محض اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہے کہ وہ معمولی فائدے کے لیے بڑے نقصان کا خطرہ مول لینے کے حق میں نہیں ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک طرف رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور دوسری طرف امیر وقت کا لحاظ بھی رکھا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی کوشش کر کے خلیفہ وقت کو اس بات پر قائل کرنا چاہا کہ اب اہل عرب سمندری سفر کے قابل بن چکے ہیں اور جہاں تک حضرت علقمہ بن محرز مدلجی رضی اللہ عنہ کے واقعے کا تعلق ہے تو وہ ایک اتفاقی واقعہ تھا جس کی وجہ سے ایک اہم کام نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اور جب حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے دوبارہ یہ کوشش کی لیکن پھر بھی جب خلیفہ نہ مانے تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجبور

---

[148] تاریخ طبری، 3/98

www.besturdubooks.net

ہو کر اپنا ارادہ ترک کر دیا تاہم اس وقت تک آپ رضی اللہ عنہ اپنا کام کر چکے تھے یعنی سندھ کے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرا چکے تھے۔

پہلے صحابی حضرت مغیرہؓ کی پاکستان آمد

13ھ کے واقعہ کے بعد اب 15ھ میں حضرت عثمان بن ابی العاصی رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر خطرہ مول لے کر سندھ پر حملہ کی ٹھان لی اور اس بار بھی اس ڈر سے کہ اگر خلیفہ کو بتایا جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ پھر ناراض ہو کر ہمارے اس ارادے پر پانی پھیرتے ہوئے شد و مد سے منع کر دیں، اس لیے انہیں کانوں کان خبر نہ ہونے دیا اور ایک اور ناکام کوشش کی کہ شاید اس بار جب مجاہدینِ اسلام کامیاب ہو کر لوٹیں تو ممکن ہے، امیر المؤمنین خوش ہو کر آئندہ کے لیے اجازت دے ہی دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ دھمکی دی تھی کہ اگر کسی کو کچھ ہو گیا تو میں تمہارے خاندان میں سے ان کا بدلہ لوں گا، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دو بھائیوں کو دو الگ الگ فوجی دستے دے کر ہند و سندھ روانہ کر دیا۔ پہلے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ [149] کو ہند کی اہم بندر گاہ بروص (بھڑوچ، گجرات)

---

[149] یہ تصریح بلاذری کی ہے لیکن معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ دیبل کی مہم بھی حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے سر کی تھی (3/481) حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ ایک تو علامہ حموی کے علاوہ کسی اور نے اس کی حمایت نہیں کی ہے گویا یہ علامہ حموی کا سہو یا تفرد ہے۔ کیونکہ چچ نامہ جو کہ 150ھ کے لگ بھگ سندھ کی تاریخ پر لکھی گئی اولیں کتاب ہے، اس میں بھی دیبل پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں صحابہ کی یہاں آمد درج ہے۔ اور ایک اور سہو جو کہ علامہ عبد الحیٔ الحسنی (1341ھ) سے ہوا ہے، وہ یہ کہ انہوں نے اس بات کی تردید کی ہے کہ حضرت حکم گجرات نہیں آئے تھے بلکہ وہ تو شہر توج کے فاتح تھے۔ (الاعلام بمن فی تاریخ الہند من اعلام المعروف بہ نزہۃ الخواطر، 1/37، دار ابن حزم بیروت، س ط ن)، اس میں شک نہیں کہ حضرت حکم نے توج شہر بھی فتح کیا تھا جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے (فتوح البلدان، ص374) لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہوں نے دیگر شہروں پر حملے نہیں کیے اور یہ بھی صرف ابو الحسن علی ندوی کے والد کی اختراع ہے۔ اور ان کو یہ غلط فہمی شاید چچ نامہ کے اس بیان سے ہوئی ہو گی جس میں راجہ داہر نے محمد بن قاسم کو خط میں لکھا تھا کہ تم سے پہلے بھی ہم نے ابو العاص بن الحکم کو ختم کر دیا تھا۔ بعض نسخوں میں یہ نام شاید غلط لکھا گیا ہو یا پھر شاید راجہ داہر کو صحیح نام یاد نہ ہو اور اس کے خط کو لفظ بہ لفظ صاحب کتاب نے نقل کیا ہو۔ بعد میں سرسری مطالعہ کرنے والوں نے سمجھا کہ چونکہ ابو العاص بن الحکم تو ہیں نہیں البتہ اس سے مراد حکم بن ابو العاص ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت

www.besturdubooks.net

اور اپنے دوسرے بھائی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو سندھ کی اہم بندر گاہ دیبل (قریب کراچی) پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ فرمایا[150]۔ بعض حضرات نے حضرت حکم اور حضرت عثمان بن ابی العاص کے بھی یہاں سندھ آنے کا ذکر کیا ہے لیکن ہمیں ایسی کوئی روایت نہ مل سکی ۔ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام ساتھ لے کر بحرین سے براہ سمندر سندھ کی اہم بندر گاہ دیبل پر حملہ کر دیا۔ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ جب یہاں دیبل آئے تو انہوں نے لشکر کی قلت کے باوجود کمال بہادری دکھائی لیکن چونکہ ایک تو مجاہدین اسلام تعداد میں بہت کم تھے اور دوسری بات یہ کہ انہوں نے کوئی خاص منصوبہ بھی تیار نہیں کیا تھا کیونکہ دیبل ایک ساحلی شہر تھا، یہاں اترتے ہی ایک خاص حکمت عملی کے تحت حملہ کرنا ہی کامیابی کا ضامن ہو سکتا تھا۔ اور ایک اہم وجہ جو مَیں سمجھتا ہوں، تمام وجوہ پر بھاری تھی کہ صحابہ کرام کا یہ لشکر گرچہ خالص اپنے اللہ کی رضا کی خاطر سمندر پار آیا تھا لیکن امیر اور خلیفہ وقت کی اجازت اور اطاعت بھی بہر حال ضروری تھی ۔اس لیے یہ تمام تر مجاہدینِ اسلام یہاں دیبل میں شہید ہو گئے۔ امیر لشکر حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے گو کہ اپنے لشکر کو حمیت دلاتے ہوئے ہر ممکن کوشش کی ہو گی اور انہیں اس بات پر اکسایا ہو گا کہ وہ کسی طرح بھی شکست کو فتح میں تبدیل کر لیں لیکن نتیجتاً ایسا کرنے میں وہ ناکام رہے کیونکہ ایک تو یہ تعداد میں کم تھے اور نو وارد ہونے کی وجہ سے کوئی منصوبہ بندی بھی نہیں کی تھی جبکہ دیبل کے حاکم سامہ بن دیوائج نے مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ اس آنے والے لشکر کا مقابلہ کیا گرچہ تمام تر صحابہ کرام شہید ہوئے تاہم سندھ (پاکستان) کی سرزمین میں اولیں صحابہ کرام ہونے کے ناتے انہوں نے اپنی مبارک شہادت اور مقدس خون سے اسلام کا پیغام پہنچا دیا۔

سندھ آئے نہیں تو یہاں شہید کیسے ہوئے ؟ اور مزے کی بات یہ کہ یہ تو بعد میں فتح ایران، افغانستان اور خراسان میں شامل تھے، 50ھ میں خراسان کے والی مقرر ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ علامہ بلاذری کے الفاظ یہ ہیں؛

وكان عفيفا وله صحبة وإنما قال لحاجبه قيل ايتني بالحكم وهو يريد الحكم بن أبي العاصي الثقفي، فلما رآه تبرك به، وقال رجل صالح من أصحاب رسول الله ﷺ فولاه خراسان فمات بها فى سنة خمسين وكان الحكم أول من صلى من وراء النهر. (فتوح البلدان، ص374)

[150] فتوح البلدان، ص442

www.besturdubooks.net

حقیقت حال سے خبیر ذات ہی کو خوب آگاہی ہوگی کہ کیا ہوا تھا، تاہم ان پاک ہستیوں کو بے اختیار تہ دل سے سلام پیش کیا جاتا ہے جنہوں نے اپنے تن من دھن کی پرواہ کیے بغیر اسلام کا بول بالا کیا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ تک پیش کیا، تبھی تو قرآن نے ان کی جابجا تعریف کی ہے۔

کوئی لائے تو کہاں سے لائے ان جیسے!

حضرت مغیرہؓ کی دیبل میں شہادت

اگرچہ مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہاں دیبل میں کامیابی حاصل کی تھی جیسا کہ بلاذری فرماتے ہیں؛

ووجه أخاه المغيرة بْن أبي العاصي إِلَى خور الديبل، فلقي العدو فظفر[151]

لیکن یاد رہے کہ اس عبارت میں کامیابی کے الفاظ درست نہیں کیونکہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تو اس معرکے میں شہید ہوئے تھے تبھی تو ان کا نام اس جنگ کے بعد ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتا کہ بعد ازاں وہ تھے ہی نہیں تو۔ اور جیسا کہ فتح نامہ سندھ جو کہ تقریباً 150 ہجری کے لگ بھگ لکھی گئی سندھ کی تاریخ پر اولیں اور مستند کتاب ہے، اس میں مسلمانوں کے اس اولیں حملہ کے بارے میں یوں لکھا ہے؛

" ان خبروں کے راویوں اور ان روایتوں کے جاننے والوں نے اسی طرح بیان کیا ہے کہ ہند اور سندھ کے شہروں میں لشکر اسلام کی پہلی جنگ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے پندرہ سال بعد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عثمان بن ابی العاص والی بحرین نے مغیرہ کی سرداری میں سمندر کی راہ سے بحری بیڑہ بحرین بھیجا، تاکہ وہ اس راستے سے دیبل روانہ ہوں۔ اس وقت سندھ کا راجہ چچ بن سیلائج تھا اور چچ کی طرف سے سامہ بن دیوائج دیبل کا حاکم تھا، دیبل کے باشندے تاجر تھے۔ اس وقت راجہ چچ کی حکومت کو 35 برس ہو چکے تھے[152]۔ جب

---

[151] ایضاً

[152] یہاں پر بھی کاتب سے یا مؤلف سے بھول چوک ہوئی ہے کیونکہ صحیح تحقیق کے مطابق راجہ چچ کو اس وقت حکومت کرتے ہوئے 15 برس ہو چکے تھے کہ وہ ہجرت رسول اللہ ﷺ کے پہلے سال سندھ کے بادشاہ بنے تھے اور پورے 40 برس حکومت کرنے کے بعد

www.besturdubooks.net

اسلامی لشکر دیبل پہنچا تو اس (شہر کے مقامی لوگوں) نے قلعے سے باہر جنگ کی۔ ثقفین میں سے ایک آدمی[153] بیان کرتا ہے کہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر بسم اللہ اور فی سبیل اللہ کہتے کہتے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔اس آدمی جو یہ بات نقل کر رہا تھا، سے پوچھا گیا کہ تم تو جنگ کر رہے تھے تو تمہیں یہ خبر کیسے معلوم ہوئی؟اس نے جواب دیا کہ میں ہاتھوں سے جنگ کر رہا تھا، دل اور آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے یہ حال سن رہا تھا۔"[154]

لہٰذا فتوح البلدان اور اس کے بعد والے عرب مؤرخین و مصنفین نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ کامیاب ہو کر لوٹے تھے۔ اس لیے صحیح نہیں کہ ایک تو اس واقعہ کے بعد حضرت

اسی سال وفات پائی جس سال خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا۔ اس کے بعد اس کا بھائی چندر 8 سال تک حکومت کرتا رہا اور پھر چچ کا بیٹا داہر سندھ کا راجہ بنا اور 93ھ تک وہ شاہِ سندھ رہا۔ لہٰذا یا تو چچ کی حکومت پھر 60 سال ماننا پڑیگی اور یہ درست نہیں کیونکہ اس کی کل عمر تقریباً اتنی بنتی ہے اور یا پھر راجہ داہر کا دور حکومت طویل ماننا پڑے گا کیونکہ اگر یہ 35 سال درست تسلیم کیے جائیں تو جب 40 سال حکمرانی کے بعد 20ھ میں وہ چل بسا اور پھر اس کا بھائی چندر 8 سال بعد فوت ہوا تو داہر کی تخت نشینی پھر 28ھ کو ہوئی ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ جب مسند تخت آراء ہو رہا تھا تو اس کی عمر کم از کم بیس برس تو ہوئی ہو گی کہ اس کا باپ 8 سال پہلے مر گیا تھا اور ظاہر ہے کہ ساٹھ سال کے بعد اولاد بھی کم ہی ہوا کرتی ہے، پس اگر ہم اس کی عمر 20 برس بھی تسلیم کر لیں تو یوں اس کی عمر سو سال کے قریب بنتی ہے۔ اور اس عمر میں اس کی اتنی پھُرتی، جسمانی اور ذہنی تندرستی کیسی سلامت رہ سکتی ہے۔ اس لیے صواب اور محقق بات یہی ہے کہ اس کی حکومت کو اس وقت 15 برس ہو چکے تھے اور مستشرق ایلیٹ اور عبد الحلیم شرر نے بھی اسی حساب کو درست لکھا ہے۔

153 یہ آدمی مقامی لگتا ہے جو کہ اس جنگ کا عینی شاہد تھا۔ مزید بر آں اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک، چونکہ یہ غیر مسلم تھا اس لیے اس نے عام مستعمل الفاظ بسم اللہ اور فی سبیل اللہ یاد کر لیے اور باقی وہ کلمات جو صحابہ نے دوران جنگ جذباتی ہو کر منہ سے نکالے تھے یا وہ اشعار جو انہوں نے رجز میں پڑھے تھے، وہ اس کو اس لیے یاد نہ ہو سکے کہ وہ عربی میں تھے اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ ابھی عربی زبان سے ناشنا تھے۔ دوم، یہ صحابہ تعداد میں بہت زیادہ نہ تھے کیونکہ ایک عام آدمی کو بھی سالار لشکر کا نہ صرف پتہ تھا بلکہ وہ اسے لڑتے اور رجز پڑھتے دیکھ اور سن رہا تھا۔ یا پھر ایسا بھی ممکن ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سالار لشکر ہو کر سب سے آگے لڑ رہے تھے۔ سوم، اس آدمی کی یہ گواہی کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، اس بات پہ دال ہے کہ صحابہ کرام کی یہ جماعت فتح سے ضرور بہرہ مند ہوئی تھی لیکن وہ فتح معنوی تھی یعنی شہادت سے سرفراز ہوئے تھے نہ کہ شہر پر غلبہ حاصل کر کے کامیاب ہوئے تھے۔ کہ اگر وہ شہر فتح کرتے تو لازمی اس کا تذکرہ ملتا لیکن ایسا ذکر کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔

154 چچ نامہ، ص 101

www.besturdubooks.net

مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ کا نام تک پوری تاریخ میں کہیں نہیں ملتا[155]، سوائے آپ کے مکان کے۔ اور دوم، چونکہ حضرت عثمان بن ابی العاص کو حضرت عمر رضی اللہ کے غصے اور جلال کا پتہ تھا کہ انہوں نے اِس سے پہلے واقعہ پر اس کو کڑی تنبیہ کی تھی کہ اگر کوئی ایک مجاہد بھی ضائع ہو گیا تو میں اس کا بدلہ تمہارے خاندان سے لوں گا، غرض سختی سے منع کیا تھا۔ اس لیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہی بھائیوں کا انتخاب کیا تا کہ پھر خلیفہ کو کوئی شکایت کا موقع ہی نہ ملے۔ سوم، اس معرکے کے عینی شاہد نے ان کی شہادت کی گواہی دی۔ چہارم، اس واقعہ کے بعد جب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اب کے بار امیر المؤمنین کی دور اندیشی سمجھ گئے اور یوں انہوں نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر اس کے بعد جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ رہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر کبھی بحری سفر خصوصاً سندھ پر فوجی مہم کے بارے میں کوئی ارادہ نہیں فرمایا۔ اور اس بات کی خبر بھی حضرت امیر المؤمنین کو نہیں دی کہ ان کے پاس اِس بار عذر کے لیے بھی کچھ نہیں بچا تھا۔ اس لیے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ پر مکمل چشم پوشی اختیار کر لی اور کسی کو بھی اس کا ذکر تک گوارا نہیں کیا کہ ایک تو خود اپنے بھائی کی جدائی پر دکھی تھے اور دوسری اہم بات یہ کہ کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ نہ چلے کیونکہ جیسا کہ عرض ہوا، اب ان کے پاس جواب دہی کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ یہ تو جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عراق پر حاکم مقرر ہوئے۔ تو انہوں نے حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو یہاں سندھ بھیج دیا، اور پھر یہاں آکر انہیں معلوم ہوا کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص شہید ہو گئے ہیں۔ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت خلیفہ کے ڈر سے اس بات کو چھپائے رکھا تھا اور یہی بات ظاہر ہے کہ عرب میں تو کسی اور کو معلوم تھی نہیں اور سندھ سے عرب تب جا کر

---

[155] یاد رہے اس نام پر ایک اور شخص مغیرہ بن ابی العاصی بن امیہ ہیں، جو کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں، اور اس کے بیٹے معاویہ کو جنگ احد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے باہر قتل کروایا تھا، باب سوم میں اس کی تفصیل آئیگی انشاء اللہ۔ بہر حال یہ کافر مغیرہ اموی ہے اور مذکور صحابی رسول ﷺ حضرت مغیرہ بن ابی العاصی بن بشر بن دھمیان جو دیبل پر حملہ آور ہوئے تھے، وہ ثقفی ہیں۔ (جمہرۃ الانساب لابن حزم، 1/ 87)

www.besturdubooks.net

پہنچی جب یہاں کئی سال بعد اہل عرب آ گئے، تو انہیں اس طرح معلوم ہوا کہ مقامی راجہ نے حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو بتادیا کہ ہم نے جس طرح تم سے پہلے حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا حال کیا تھا، تم لوگوں کا بھی وہی حشر کر دیں گے ۔ یہ بات چچ نامہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو باخبر کر دیا کہ ان لوگوں نے حضرت مغیرہ بن ابی العاصی کو شہید کر دیا ہے اور وہاں کے حاکم بہت متکبر اور سرکش ہو گئے ہیں لہٰذا آپ سندھ پر حملہ کی اجازت دیجئے تاکہ ہم ان کے دماغ سے سرکشی کا خلل دور کر دیں اور اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاصی رضی اللہ عنہ کا بدلہ بھی لے سکیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے منع کیا[156] ۔ نیز جب راجہ داہر نے محمد بن قاسمؒ کو خط لکھا تو اس موقع پر بھی راجہ داہر نے یہی کچھ کہا تھا کہ تم عرب لوگ اپنے ارادے سے باز آ جاؤ ورنہ تمہاری درگت بھی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی طرح بہت بُری ہو گی۔ راجہ داہر کے خط کے الفاظ یہ تھے؛

"یہ خط ہے سندھ کے بادشاہ، ہند کے راجہ، بر و بحر کے حاکم راجہ داہر بن چچ کی طرف سے مغرور اور فریب زدہ محمد بن قاسم کی طرف کہ جو قتل عام اور جنگ کا اتنا شوقین اور بے رحم ہے کہ خود اپنے لشکر پر رحم نہیں کرتا اور سب کو بربادی کے غار کی طرف دھکیل دیا ہے ۔ اس سے پہلے ایک دوسرے شخص مغیرہ بن ابوالعاص[157] کے سر میں بھی ایسا ہی غرور پیدا ہوا تھا اور سیاست کا تیر لے کر آیا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ سودا تھا کہ میں سندھ اور ہند فتح کر کے اپنے قبضے میں کرلوں گا لیکن ہمارے ایک ادنیٰ درجے کے ٹھاکر جو

---

[156] چچ نامہ، ص 101

[157] جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی کہ یہاں پر بعض نسخوں میں یہ نام شاید غلط لکھا گیا ہے یا پھر شاید راجہ داہر کو صحیح نام یاد نہ تھا کیونکہ یہ عربی نام ظاہر ہے کہ ان مقامی ہندوؤں کے لیے عجیب تھے اور صاحب چچ نامہ نے اس کے خط کو من و عن یعنی لفظ بہ لفظ نقل کیا ہو۔ بعد میں سرسری مطالعہ کرنے والوں نے سمجھا کہ چونکہ ابوالعاص بن الحکم تو ہیں نہیں البتہ اس سے مراد حکم بن ابوالعاص ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ حضرت حکم اس وقت سندھ آئے نہیں تو یہاں شہید کیسے ہوئے؟ اور مزے کی بات یہ کہ یہ تو بعد میں فتح ایران، افغانستان اور خراسان میں شامل تھے، 50ھ میں خراسان کے والی مقرر ہوئے اور وہیں پر اسی برس وفات پائی۔ (فتوح البلدان، ص 374)

www.besturdubooks.net

دیبل شکار کرنے گیا تھا، نے اسے وہاں قتل کر دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خود کو غرور میں مبتلا نہ کرو ورنہ ہم تمہاری حشر بھی بدیل[158] کی طرح کریں گے، کہ تم لوگوں میں ہم سے مقابلے کی سکت نہیں ہے۔"[159]

عبد الحلیم شررؒ کو بھی لگتا ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ یہاں دیبل میں شہید ہو گئے تھے، لکھتے ہیں:

"معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاصی شہر دیبل کی لڑائی میں واصل بحق ہوئے تھے۔"[160]

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی اپنی کتاب "تاریخ سندھ " کے حاشیہ میں بحوالہ چچ نامہ اسی بات کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ دیبل میں شہید ہوئے تھے۔[161]

بعض حضرات کے خیال میں حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ ان کے بھائی حاکم بحرین حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بھی یہاں سندھ تشریف لائے تھے[162]۔ لیکن جیسا کہ عرض ہوا کہ ایسی کوئی روایت ہمیں بنیادی ماخذ سے نہیں ملی۔ واللہ اعلم

صحابہؓ کے یہاں آنے کا مقصد

اس بحری حملے کے علاوہ کیا صحابہ کرامؓ نے سندھ پر قبل ازیں اور بھی حملے کیے تھے کہ نہیں؟

کون کون صحابہ کرامؓ یہاں سندھ کب کیسے اور کہاں کہاں آئے؟

کیا ان میں جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی تھے کہ نہیں؟

کیا ان کا مقصد یہاں اسلام کا پیغام پہنچانا تھا بس؟

---

158 حضرت بدیل بن طہفہ بجلی کو حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم سے پہلے سندھ پر حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا تھا لیکن وہ دیبل کے مقام پر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ ان کا آمنا سامنا راجہ داہر کے بیٹے جیسینہ کے ایک بڑے لشکر سے ہوا تھا۔ ان کے ساتھ صبح سے لے کر شام تک لڑتے رہے اس دوران انہوں نے کئی کافر واصل جہنم کیے اور آخر میں خود بھی جام شہادت نوش کیا۔ (چچ نامہ، ص117)

159 چچ نامہ، ص134

160 تاریخ سندھ از شررؒ، ص84

161 تاریخ سندھ از سلیمان ندویؒ، ص27

162 جمہرۃ الانساب لابن حزم، ص266

www.besturdubooks.net

یا کہ ان سمندری قزاقوں کا سد باب تھا جو عرب تاجروں کے لیے رکاوٹ تھے اور جو عرب جہازوں پر چھاپے مارتے تھے اور پھر بوقت ضرورت دیبل میں پناہ لیتے تھے؟

اس قسم کے بے شمار ایسے سوالات ہیں جن کے جواب سے تاریخ نے چپ سادھ لی ہے۔ اس بارے میں کچھ کہنا رجماً بالغیب ہوگا کیونکہ اس کا اصل علم صرف اور صرف حقیقی ذاتِ خداوندی کو ہے۔ اس کے پیچھے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے راز و حِکم چھپے ہیں جنہیں صرف وہی جانتا ہے۔ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون

تاہم اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام کے یہاں آنے کا مقصد محض" اعلائے کلمۃ اللہ" تھا۔ وگرنہ ان کو خوب معلوم تھا کہ سندھ کا علاقہ زندگی کے بنیادی وسائل سے محروم علاقہ ہے چہ جائیکہ یہاں سے مال غنیمت کی توقع کی جائے اس لیے یہاں کے غیر متمدن اور قبائلی انسانوں کو دولت اسلام دے کر ایک جواں بخت اور بلند اقبال قوم میں شامل کرنا ان کا اصل مقصد تھا کیونکہ یہ تب ممکن ہو سکتا جب ان میں انسانیت آجاتی اور یہ صرف اسلام ہی سے ممکن تھا کہ یہی ایک فطری دین ہے۔

جو بھی ہے، بہر کیف اس سے تین باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک، پاکستان (سندھ) میں اسلام صحابہ کرام کی بدولت رسول اللہ ﷺ کے وصال کے صرف چار سال بعد پہنچا تھا اور اسی وجہ سے سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے نہ کہ محمد بن قاسم کی وجہ سے کہ وہ تو 78 برس بعد آیا تھا، ہاں البتہ اس کے ہاتھوں اللہ نے پاکستان (سندھ) پر مسلمانوں کو قبضہ دلایا تھا۔ دوم، مسلمان سمجھ گئے کہ بحری راستے سے سندھ پر قبضہ کرنا مشکل ہے، اس لیے بری راستے سے ہی اقدام کرنا ہوگا اور یہ تب ممکن ہے کہ ایران ان کے قبضے میں آجائے۔ سوم، سندھ کے لوگ عرب سے اور عرب لوگ یہاں کے باشندوں اور ان کے طرز زندگی سے کم از کم واقف ہو گئے۔

www.besturdubooks.net

23ہجری کے واقعات

دور فاروقی میں سن 21ہجری میں بڑی سخت معرکہ آرائیوں کے بعد نہاوند فتح ہوا[163]۔22ھ میں ایران کے اکثر صوبے مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ جس سے حقیقت میں ساسانی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ہاں ابھی مکران، کرمان اور سیستان فتح کرنا باقی تھے۔اب مجاہدین اسلام کی نظر ان تین صوبوں پر تھی کیونکہ خود یہ صوبے بھی اہم تھے اور یہ کہ تینوں صوبے سندھ کے لیے دروازے کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن پر دولت خسروی کے مٹنے کے بعد وہاں کے صوبہ دار جو اس دور میں مرزبان کہلاتے تھے، متصرف تھے۔اللہ کا کرنا کہ 23ھ میں یہ تینوں صوبے بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں آگئے۔اب سندھ پر بری راستے کے ذریعے حملہ آسان ہو گیا تھا۔مکران پر گرچہ سب سے پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی عراق کی گورنری کے زمانے میں حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو بھیج کر قبضہ کر لیا تھا مگر چونکہ ابھی اچھی طرح تسلط قائم نہیں ہوا تھا کہ عرب لوگ واپس اپنے وطن چلے گئے، اس لیے پیچھے رہ جانے والوں نے پھر سے بغاوت کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تھی[164]۔

علی بن حامد کوفی فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص کے بعد حضرت ربیع بن زیاد پہلے آدمی ہیں جو سندھ آئے تھے[165]۔ آپ رضی اللہ عنہ کو گورنر عراق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے 17ھ میں مکران[166] کی طرف روانہ کیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے یہاں آکر فتوحات کی ابتدا کی[167]۔اور پھر 23ھ

---

[163] تاریخ طبری، 3/318

[164] ابو الحسن علی بن محمد المعروف بہ ابن اثیر (م630ھ) ، الکامل فی التاریخ، 2/424، دار الکتاب العربی بیروت 1997ء

[165] منہاج الدین، ص73

[166] مکران، موجودہ بلوچستان کا ساحلی علاقہ ہے۔ دیبل کے بعد یہی مقام اس باب میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہے جہاں سے صحابہ کرام نے سندھ میں ورود کیا۔اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ یونانی اس کو "گیڈریا" کہتے تھے۔ یہاں ماہی خور لوگ رہتے تھے۔ایرانی روایات کے مطابق کیخسرو شاہ ایران نے یہ علاقہ افراسیاب شاہ توران سے فتح کیا تھا اور کوروش (سائرس) اور سیرمس دونوں اس کے بیچ میں سے گزرے تھے۔325ق م میں ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے سکندر نے اس علاقے کو عبور کیا۔اس کے بعد یہ علاقہ ساسانیوں کے قبضے میں آیا لیکن کبھی کبھار اس کا الحاق سندھ کی ہندو سلطنت سے ہو جایا کرتا تھا۔ صحابہ کی یہاں آمد کے وقت بھی یہ علاقہ سندھ کے ماتحت تھا۔

www.besturdubooks.net

میں ممالک مشرقیہ کی طرف بھیجا جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے بیروذ اور اھواز فتح کیے[168]۔ اور اسی دور فاروقی میں آپ رضی اللہ عنہ نے سبی (سندھ) اور عنوہ بھی اسلامی سلطنت میں شامل کر لیے[169]۔ اور جب آپ رضی اللہ عنہ نے سبی فتح کر لیا اور سندھ میں مزید آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو اس وقت سندھ کے راجہ چچ نے آپ رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا کہ اگر اس نے ایسی کوئی کارروائی کرنے کی کوشش بھی کی تو اس کا انجام بھی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی طرح برا ہی ہوگا[170]۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت گورنر عراق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا، انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صورتحال سے خبردار کیا، جنہوں نے سندھ میں مزید پیش قدمی سے انہیں روکا۔ گرچہ قبل ازیں اسی برس یعنی 23ھ میں حضرت عثمان بن ابی العاص نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو مکران کی طرف بھیجا تھا اور انہوں نے یہاں آکر کامیابی حاصل کی تھی۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں؛

وفيها فتحت مُكْران، وأميرها الحَكَم بْن عثمان، وهي من بلاد الجبل [171]

تاہم اس عبارت میں امام ذہبی سے سہو سرزد ہو گیا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت حکم بن ابی العاص کے بجائے حکم بن العاص لکھا ہے، میرے خیال میں یہ "بن" کی جگہ "اخو" تھا۔

محمد بن قاسم نے بھی اس راستے سے سندھ پر حملہ کیا تھا۔ 1290ء میں مارکوپولو یہاں آیا تھا۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں قلات کے خان احمد زئی نے اس ملک پر اپنی فرمانروائی کا حق قائم کیا اور 1879ء میں کرنل گولڈ زمل نے ایران اور مکران میں حد بندی قائم کر دی۔ مشرقی مکران خان قلات کے ماتحت رہا، گو انگریزوں کی مداخلت اکثر اوقات ضروری سمجھی گئی، تاکہ اس کے اور ادصوبہ کے متسلط قبائل جیگچی، نوشیروان، بزنجانیوں اور میدواریوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیا جائے۔ کاشتکاران اراضی یہاں کے بلوچی اور چھوٹے درجے کے قبائل ہیں۔ اس کے مشرقی حصہ کو اب کیچ کہا جاتا ہے جہاں موسم گرما میں سخت گرمی اور موسم سرما میں سخت سردی پڑتی ہے۔

(اردو دائرہ معارف؛ 485/21)

[167] العقد الثمین، ص58

[168] الکامل فی التاریخ، 425/2

[169] تاریخ الطبری؛ 184/4، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر؛ 488/2

[170] چچ نامہ، ص101

[171] تاریخ اسلام لامام ذہبی، 250/3

www.besturdubooks.net

جیسا کہ امام ذہبی کے مشہور شاگرد امام ابن کثیر نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ابن کثیر اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں رقم کرتے ہیں؛

وَقَالَ شَيْخُنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الذَّهَبِيُّ فِي تَارِيخِهِ فِي سَنَةِ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ وفيها تحت مَكْرَانُ، وَأَمِيرُهَا الْحَكَمُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ، أَخُو عُثْمَانَ، وَهِيَ مِنْ بِلَادِ الْجَبَلِ [172]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں 23 ہجری میں حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو مکران کی طرف بھیجا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک اعلیٰ درجے کے قابل سیاستدان تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے جا کر علاقے کا خوب سروے کیا اور جب آپ رضی اللہ عنہ علاقہ بھر سے بخوبی آگاہ ہوئے تو اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کے مزاج سے آگاہی ضروری سمجھی۔ بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کی چال ان پر چلائی کہ ان کے اندر اس قدر بد دلی اور مایوسی پھیلادی کہ ان میں اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی الغرض ان میں باہمی پھوٹ ڈال کر تقسیم کر دیا اور یوں بآسانی ان پر حملہ کر کے پورے مکران کو اپنے زیر اثر لے لیا۔ بعد ازاں آپ ہی مکران کے والی مقرر ہوئے، گرچہ آپ رضی اللہ عنہ سے قبل بھی حضرت ربیع بن زیاد یہاں آکر کامیاب ہو چکے تھے لیکن وہ کامیابی مستقل نہیں تھی کیونکہ یہ لوگ منافق قسم کے لوگ تھے، کبھی بھی اپنے قول کا پاس نہیں رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی رحم دلی دیکھ کر سر اطاعت خم کر دیتے تھے اور پھر موقع پا کر بغاوت پر اتر آتے تھے۔ لیکن اس بار حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایسی یلغار کی کہ مکرانی چکرا گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے جا کر مال غنیمت پہنچا کر خوشخبری سنائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ سے یہاں کے حالات دریافت کیے۔ حضرت صحار رضی اللہ عنہ کے جواب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سندھ میں مزید پیش قدمی سے منع فرمایا۔ مکران کا یہ حصہ موجودہ بلوچستان میں شامل تھا۔ اس وقت یہاں کا حکمران ہندو راجہ راسل تھا۔ اور مکران اس وقت ملک سندھ کا ایک اہم صوبہ تھا۔

---

[172] البدایہ والنہایہ لابن کثیر، 159/7

حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ کی معیت میں کرمان پر اس زور سے حملہ کیا کہ وہاں کے لوگ اسلامی فوج کی تاب نہ لا کر شکست کھا گئے۔ دریں اثناء نسیر بن عمرو عجلی رضی اللہ عنہ نے وہاں کے مرزبان کا کام تمام کر دیا۔ اور مسلمانوں نے وہاں پر اسلامی علم بلند کر دیا۔ دوسری طرف عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کی معیت میں سیستان کا رُخ کیا[173]۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے پہلی ہی لڑائی میں دشمنوں کو شکست ہوئی اور وہ اپنے شہر زرنج میں محصور ہو گئے۔ آخر محاصرے سے تنگ آکر وہاں کے حاکم نے سر اطاعت خم کر لیا۔ اور مسلمان ان پر خراج مقرر کر کے واپس ہوئے۔ ان دونوں ملکوں کے فتح ہونے کے بعد حضرت حکم بن تغلبی رضی اللہ عنہ نے مکران پر فوج کشی کی۔ حضرت حکم رضی اللہ عنہ سرحد مکران میں داخل ہوئے ہی تھے کہ شہاب بن مخارق رضی اللہ عنہ اور سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ جو کہ کرمان اور سیستان کی مہمیں سر کر چکے تھے، ان سے آکر ملے۔ اُدھر شاہِ مکران نے راجہ سندھ سے مدد مانگ لی۔ راجہ سندھ نے اپنے ایک معتمد اور بہادر جرنیل کو ایک پہاڑی فوج دے کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور گھمسان کی جنگ لڑی گئی۔ گرچہ مقامی لوگوں نے بڑی پامردی سے جنگ کی لیکن ناکامی ان کی تقدیر میں لکھی تھی، نہ صرف شاہِ مکران جس کا نام رتبیل تھا، ڈھیر ہوا بلکہ بڑے غرور میں آئے ہوئے سندھ کے راجہ اور اس کے لشکر جرار کا بھی برا حشر ہوا۔ سندھی اور مکرانی شکست کھا کر منتشر ہوئے اور بہت سارے ان میں سے بھاگ نکلے، مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا اور جہاں پایا، وہاں انہیں قتل کر دیا۔ میدان جنگ میں لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں، ہر طرف خون کے سیلاب جاری تھے۔ حضرت حکم رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت میں سے خمس جدا کیا اور حضرت صحار عبدی رضی اللہ

---

173 ملک سیستان تاریخ میں جس کے دوسرے نام سجستان، سکستانہ اور نیمروز بھی مذکور ہیں، یہ ایران کے مشرق، خراسان کے جنوب اور سندھ کے مغرب میں واقع تھا۔ یہ انگریزوں کے دور تک اپنی حالت پر تھا، اس کا کل رقبہ 7006 مربع میل تھا۔ اور جب 1872ء کے "سیستانی مشن" کی مجوزہ کاغذی حد بندی کی وجہ سے یہ دو ملکوں میں منقسم ہوا تو اس کا 2847 مربع میل علاقہ ایرانی اور 4159 مربع میل افغانی حصہ میں آیا۔ (اردو دائرہ معارف ا؛ 11/517)

www.besturdubooks.net

عنہ کی حفاظت میں حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا، جونہی یہ مدینہ پہنچے تو وہاں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اللہ کا شکر ادا کیا گیا۔ وہ تمام مال بیت المال میں داخل کیا گیا۔[174]

حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز ؓ کا کرمان پر حملہ

حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کرمان پر حملہ کیا۔ کرمانیوں نے اپنی بہادر کوہستانی قوموں کوچ اور بلوچ کو مدد کے لیے بلایا لیکن ان کی کمک سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا اور یوں حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ برابر کرمان میں گھستے اور آگے بڑھتے گئے اور سرکشوں کو تہہ تیغ کرتے چلے گئے۔ گویا وہ بجلی بن کر آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے کرمان پر چھا گئے۔[175]

کرمان[176]، مکران اور سیستان تینوں صوبوں میں گرچہ اس سے قبل اسلامی لشکر نے فتوحات حاصل کرلی تھیں لیکن جونہی مسلمان یہاں سے واپس ہوئے، یہ لوگ پھر سے سرکش ہو کر بغاوت پر اتر آئے۔ لیکن اس بار جب مسلمانوں کو فتح چلا تو مجاہدین نے ایک خاص منصوبے کے تحت مذکورہ تینوں صوبوں پر چڑھائی کا فیصلہ کرلیا اور اللہ کے فضل سے انہیں ہر ڈگر پر فتح نصیب ہوئی۔ اور یوں یہ تینوں صوبے اسلامی سلطنت کا حصہ بنے۔ حافظ ابن اثیر نے اپنی کتاب الکامل فی التاریخ میں یہ تمام واقعات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔

تھے تو وہ تمہارے آباء، پر تم کیا ہو؟
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے، منتظر فردا ہو؟

---

[174] ایضاً، 2/425

[175] ایضاً، 2/424

[176] کرمان، ایران کے ایک اہم صوبے اور اس موجودہ صدر مقام کا نام ہے۔ شہر کا نام بعد میں صوبے کے نام پر رکھا گیا۔ گرچہ اس کا عام تلفظ کِرمان کیا جاتا ہے لیکن اہل علم بالخصوص عرب اہل قلم اسے کَرمان بتاتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بھی کئی اقوال ہیں؛ یہ لفظ کرمنیہ سے ماخوذ ہے جو ایک قدیم دارالحکومت کے نام کرمنہ سے مشتق بتایا جاتا ہے، البتہ عرب لکھاریوں نے اس کو کرمان بن مفلوج کے نام پر موسوم بتایا ہے جو یافث کی نسل میں سے تھا، کہتے ہیں کہ وہ یہاں آکر آباد ہو گیا تھا۔ مابعد کی مقبول اشتقاقات میں اس کا تعلق اسم کرم سے بتایا گیا ہے جس کے معنی ہیں کیڑا یا اژدہا۔ اس کا اشتقاق قصہ ہفتان بخت اور کرمان کے اس اژدہے سے کیا گیا ہے جس کا ذکر اردشیر کے افسانے میں ملتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف: 17/240)

www.besturdubooks.net

حضرت عمرؓ کا سندھ کے حالات دریافت کرنا

حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ چونکہ سندھ کے خاص اور اہم صوبے مکران کی سرزمین کو دیکھ چکے تھے۔اور انہیں یہاں کے لوگوں اور مقامات کا خاصہ تجربہ ہو چکا تھا، لہٰذا جب وہ بارگاہِ خلافت میں پہنچے تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے ملک سندھ کے حالات دریافت کیے۔ حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا؛

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، هِيَ أَرْضٌ سَهْلُهَا جَبَلٌ، وَمَاؤُهَا وَشَلٌ، وَتَمْرُهَا دَقَلٌ، وَعَدُوُّهَا بَطَلٌ، وَخَيْرُهَا قَلِيلٌ، وَشَرُّهَا طَوِيلٌ، وَالْكَثِيرُ فِيهَا قَلِيلٌ، وَالْقَلِيلُ فِيهَا ضَائِعٌ، وَمَا وَرَاءَهَا شَرٌّ مِنْهَا. فَقَالَ: أَسَجَّاعٌ أَنْتَ أَمْ مُخْبِرٌ ؟ لَا وَاللَّهِ لَا يَغْزُوهَا جَيْشٌ لِي أَبَدًا. وَكَتَبَ إِلَى سُهَيْلٍ وَالْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو: أَنْ لَا يَجُوزَنَّ مُكْرَانَ أَحَدٌ مِنْ جُنُودِكُمَا[177].

" اے امیر المؤمنین ! میں اس سرزمین یعنی سندھ و مکران کے حالات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور دریافت کر کے آیا ہوں، وہاں کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہاں کی زمین ریگستان ہے، پانی کی کمی ہے اور وہاں کے کھجور ردی ہیں۔اس کے چور ہوشیار اور جری ہیں۔وہاں پر خیر بہت کم اور شر بہت زیادہ ہے۔اگر وہاں تھوڑی فوج بھیجی جائے تو ضائع ہونے کا خدشہ ہے (کہ وہاں کے لٹیرے بہت شاطر ہیں) اور اگر زیادہ بھیجی جائے تو بھوکوں مرنے کا اندیشہ ہے،(کیونکہ وہاں کی آب وہوا اہلِ عرب کو راس نہیں،اور دوسری وجہ یہ کہ وہاں پانی کی بھی قلت ہے)۔(یہ تو سندھ کے اِس پار یعنی مکران کا حال ہے حالانکہ) اس کے آگے والے علاقے (باقی سندھ) بھی شر سے خالی نہیں۔"

چونکہ یہ سارے الفاظ مقفّیٰ و مسجع تھے اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ؛

" تم وہاں کے حالات بیان کر رہے ہو کہ شاعری کر رہے ہو؟"

---

177 ایضاً،2/425

www.besturdubooks.net

حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے جب سنجیدگی سے دوبارہ تصدیق کی تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی قسم کھائی کہ اللہ کی قسم! کوئی بھی لشکر وہاں کبھی بھی ہمارے لیے نہیں لڑے گا۔ اور پھر انہوں نے فوراً سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ اور حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ خبر دار آگے بڑھنے سے گریز کرو۔ اور تم میں سے ایک شخص بھی مکران کی حدود سے آگے نہ بڑھے۔[178]

مؤرخ بلاذری نے اس واقعہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عراق کے والی حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تھا کہ کسی معتبر اور دانا آدمی کو سندھ روانہ کرو کہ وہ وہاں کا جائزہ لے کر ہمیں حالات سے آگاہ کر دیں۔ لہٰذا حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم بن جبلہ رضی اللہ عنہ کو سندھ بھیج دیا تھا، جنہوں نے واپس آکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مذکورہ تقریر کی جو یہاں صحار عبدی رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کی گئی۔ لیکن بلاذری کا یہ بیان قرین قیاس نہیں کیونکہ ایک تو اس بیان میں وہ متفرد ہیں بلکہ میرے خیال میں بلاذری نے چچ نامہ سے اقتباس لیا ہے جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ "کسی صالح، پاک دامن اور عقلمند آدمی کو بھیجنا[179] "۔ اور ظاہر ہے کہ حکیم ایسے نہیں تھے وگرنہ وہ کیوں حضرت ذوالنورین جیسی ہستی کے خلاف جاتے۔ دوسرے یہ کہ حکیم بن جبلہ عبدی کا نام خلافت عثمانی کے دور کے نامور حضرات میں بہت کم نظر آتا ہے اور اگر نظر آتا بھی ہے تو کسی کارنامے میں نہیں، اور نہ ہی محبوب لوگوں میں بلکہ اس کا شمار ان لوگوں میں آتا ہے کہ جو مبغوض اور نفرت کے قابل ہیں، کیونکہ وہ تو حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے سخت مخالفوں اور جانی دشمنوں میں سر فہرست تھا۔ خود سوچیے کہ ایک ایسے

---

[178] مکران کی وجہ تسمیہ تو راقم کو نہیں مل سکی۔ شاید یہ بھی کرمان کی طرح مکران نامی کسی شخص کے نام پر موسوم ہو۔ تاہم ایک علمی لطیفہ اس بارے میں عرض کر دوں کہ اُس وقت یہاں کے لوگ چونکہ اپنی دھوکہ دہی اور مکر و فریب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے تو عربی، ہندی، سنسکرت اور اردو زبانوں میں بھی یہی لفظ " مکر " بعینہ بمعنی حیلہ، دھوکہ، نفاق، دورنگی، چالاکی اور عیاری مستعمل ہے۔ عجیب اتفاق دیکھئے کہ اس زمانے میں اہل مکران بھی ان ہی صفات کے حامل تھے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ یہ مکر لفظ یہاں سے لیا گیا ہو، یا پھر اس جگہ کا نام اہل عرب نے انکی مکر کی وجہ سے ایسا ایک نام رکھا ہو جو بعد میں مکران میں تبدیل ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم

[179] چچ نامہ، ص 101

www.besturdubooks.net

شخص سے کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ "معتمد و معتبر" ہو کر امیر کی اطاعت کرے؟ باغیانہ طور پر خروج کرنے والوں میں حکیم بن جبلہ بھی تھا جو کہ باغیان بصرہ پر ایک سردار کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر جنگ جمل میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف لڑا۔ اور لڑائی میں یہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کو اعلانیہ گالیاں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہمرائیوں میں سے کسی نے اس کی ٹانگ اڑادی اور اسی زخم سے نذر اجل ہوا[180]۔

بہر تقدیر ایسے شخص کے ہاتھوں بھلا کیسے خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یا آپ رضی اللہ عنہ کا کوئی گورنر اور گورنر بھی ابن عامر رضی اللہ عنہ جیسے دانا اور زیرک آدمی، خلافت کا ایک اہم کام سرانجام دینے کو سونپے؟ یہ بات، بہت عجیب لگتی ہے۔ مولانا عبدالحلیم شررؒ نے بھی اس کی شد و مد سے تردید کی ہے، لکھا ہے:

" سب سے زیادہ ثبوت بلاذری کے بیان کے غلط ہونے کا یہ ہے کہ جو حالات بیان کیے گئے ہیں یہ مکران کی حالت سے زیادہ مطابق پائے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ وہاں ریگستان بھی ہے، پانی کی کمی بھی ہے اور وہاں کے ڈاکو بھی اس عہد میں مشہور تھے، بر خلاف سندھ کے، اس لیے کہ سندھ کی نسبت کوئی واقف کار ایسے خیالات ظاہر نہیں کر سکتا"۔[181]

تاہم تحقیق کا ایک اور رُخ بھی ہے کہ اس میں کوئی تعارض بھی تو نہیں اور وہ یوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ سے پوچھا ہو اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم بن جبلہ سے الگ سے اور ایک بار پھر دریافت کیا ہو۔ اس میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں قبیلہ عبدالقیس سے تعلق رکھتے تھے اور بلاغت و فصاحت میں امام و ممتاز تھے، نیز تجربہ کار بھی تھے جیسا کہ تیسرے باب میں ان کے تراجم میں تفصیل آئے گی۔ اور رہی بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن جبلہ کی آپس میں چپقلش کی تو اس بات کے تو ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے جانی دشمن بھی قائل ہیں کہ ان سے گرچہ بہت سارے لوگوں کو نفرت تھی لیکن اللہ کے اس پاک صاف انسان کے دل میں کسی کے

---

180 الکامل فی التاریخ لابن اثیر، 529/2

181 تاریخ سندھ، ص88

www.besturdubooks.net

لیے بھی کسی قسم کی کوئی کدورت تک موجود نہیں تھی۔ کیونکہ دوہرے دامادِ نبی ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو خاص اور محض اللہ کی رضا کے لیے خلافت کر رہے تھے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ دونوں الگ سے واقعات ہیں۔[182]

بلکہ تاریخ میں تو اسی قسم کا سوال و جواب حجاج بن یوسف اور ایوب بن یزیدؒ کے بارے میں بھی منقول ہے جو تقریباً 84ھ میں پیش آیا۔ بہر حال بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صحار عبدی رضی اللہ عنہ دربارِ خلافت جا رہے تھے تو یہاں کے مجاہدین اسلام نے اُن کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ پیغام بھی بھیجا کہ اگر امیر المؤمنین کی اجازت ہو تو وہ سندھ کے آگے والا علاقہ اور ہند کے ملک پر فوج کشی کریں کیونکہ اب تو نہ بحری سفر کا ڈر تھا اور نہ ہی یہاں کے مقامی لوگوں کی چالوں کا، بلکہ اب تو مسلمان یہاں کے ہر چیز سے واقف ہو چکے تھے۔ جب حضرت صحار رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے سامنے مجاہدین کی یہ درخوست پیش کی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے مکران، سندھ اور ہند کے حالات معلوم کرنا چاہے، لیکن جب خلیفہ رضی اللہ عنہ یہاں کے حالات سے باخبر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں آگے بڑھنے سے منع فرمایا اور سختی سے تاکید فرمائی کہ تمہارے لشکر سے ایک بھی شخص آگے نہ چلے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں آگے بڑھنے کی اور وہاں جہاد کرنے کی۔ اور یوں والی عراق حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے مجاہدین اسلام کو مزید کارروائی سے منع فرمایا[183]۔

---

182 حضرت عثمان رضی اللہ عنی تو اس قدر رحم دل تھے کہ قتل کے دنوں میں بھی جب آپ کو پورا یقین ہو چلا تھا کہ مجھے بہر حال قتل کیا جائے گا۔ آپ کے انہی ایام کی بات ہے کہ آپ فَصَعدَ يَوْمًا عُثْمَان على السَّطْح فَسمع بعض النَّاس يَقُول ابْتَغوا إِلَى قَتله سَبِيلا فَقَالَ وَالله مَا أحل الله وَلَا رَسُوله قَتْلى سَمِعت رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُول لَا يحل دم امْرِئ مُسلم إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاث كفر بعد إِسْلَام أَو زنا بعد إِحْصَان أَو قتل نفس بِغَيْر نفس وَمَا فعلت من ذَلِك شَيْئا ثمَّ قَالَ لَا أخلف رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أمته بإراقة محجمة دم حَتَّى أَلْقَاهُ يَا معشر أَصْحَاب رَسُول الله۔

(الثقات لابن حبان 2/260)

183 یاد رہے کہ عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ ایک ہی ہیں کیونکہ آپ کا پورا نام اس طرح ہے؛

www.besturdubooks.net

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس ممانعت کی وجہ سے مسلمان مکران سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ ورنہ ان کی تلوار کے سامنے کسی کی کیا مجال تھی کہ ٹھہر جائے۔ ان کا لشکر مکران ہی میں ٹھہر گیا اور آگے سندھ وہند نہ جاسکا، وگرنہ شاید اسی سال سندھ وہند پر اسلام کا غلبہ ہو جاتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے سپاہی خوامخواہ مصیبت میں پڑ جائیں اور ویسے بھی انہیں یہاں سے کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آرہا تھا جتنا نقصان کا اندیشہ موجود تھا۔ بحری جہاد سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے منع فرمایا تھا، خشکی کے راستے فوج کشی کا ایک آپشن رہ گیا تھا، وہ بھی صحار عبدی رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے مسدود ہو گیا۔ اور جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے کسی نے اس طرف دھیان تک دینے کی بھی جرات نہیں کی۔

عہدِ عثمانیؓ (24ھ تا 36ھ)

اسی سال یعنی 23ھ کے آخری دنوں میں خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا، جس سے آپ رضی اللہ عنہ اس قدر زخمی ہوئے کہ جس سے جانبر ہونے کے بجائے وہی خطرناک وار آپ رضی اللہ عنہ کی رحلت کا سبب بنا، اور یوں آپ اگلے ہجری سال کے پہلے دن یعنی یکم محرم 24ھ کو شہید ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعد 3 محرم 24ھ کو دوہرے دامادِ رسول ﷺ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے 25ھ میں حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو ایک بار پھر سیستان کی جانب جہاد کے لیے روانہ کیا جو کہ آٹھ سال پیشتر سیستان کے فاتح بن کر لوٹے تھے۔ سیستان جس کا اکثر حصہ آج کے افغانستان میں شامل ہے، اس وقت بھی اس کا اہم شہر کابل ہی تھا۔ لہٰذا حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ نے جاکر ہی کابل پر حملہ کیا اور اسے ایک بار پھر فتح کیا، کیونکہ یہاں کے لوگ پھر سے سرکشی اختیار کر چکے تھے۔ گرچہ کابلیوں نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا

حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد الشمس (الکامل فی التاریخ لابن اثیر 2/472)۔ البتہ کسی مؤرخ نے صرف عبد اللہ بن عامر لکھ دیا، کسی نے عبد اللہ ابن عامر، اور کسی نے عبد اللہ ابن کریز اور کسی نے عبد اللہ ابن ربیعہ۔۔۔ بہر تقدیر یہ سارے نام ایک ہی صحابی کے ہیں، بعض حضرات اس سے دھوکہ کھا گئے ہیں جیسا کہ مؤرخ سندھ مولانا عبد الحلیم شرر صاحب غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ دیکھئے ان کی تاریخ سندھ ص88

www.besturdubooks.net

لیکن غلبہ مسلمانوں ہی کا رہااور بالآخر کابل پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا[184]۔ یہ خشکی کے راستے سندھ (پاکستان) کا دوسرا پھاٹک تھا مکران کے بعد۔ کیونکہ ہلمند تک تو سندھ کی ملکیت تھی اور اس کے اُس پار تو علاقہ سیستان، کابل اور زابلستان تھا پھر اس کے بعد خراسان کا ملک آتا تھا۔

کابل پر مسلمانوں نے قبضہ کر تو لیا لیکن اس بار بھی یہ قبضہ عارضی ہی تھا کیونکہ جونہی مسلمان وہاں کے لوگوں پر جزیہ لاگو کر کے واپس چلے گئے تو کابلیوں نے پھر سے خودسری کر کے بغاوت کرلی۔ یہاں یہ حالت تھی جبکہ وہاں چار سال بعد 29ھ میں لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی بصرہ کی شکایت اس زور و شور سے کی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر ان کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو مامور کر دیا[185]۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرح زاہد شب زندہ دار اور عزلت نشین شخص تو نہ تھے۔ لیکن وہ ایک ایسے مجاہد تھے جو بچپن ہی سے مشق سپہ گیری کی وجہ سے اعلیٰ کردار کے حامل فوجی جنرل بن گئے تھے۔ ابھی ان کی عمر صرف پچیس برس تھی۔ اور دل میں اولوالعزمی کے جذبات بھرے تھے، جن کے ابھرنے کے لیے بصرہ کی گورنری کا میدان کافی وسیع تھا۔ اس وجہ سے اسلام کے وہ تمام مقبوضات جو مشرق کی طرف تھے سب والی بصرہ کے ماتحت ہوتے تھے اور ادھر کے تمام ممالک میں جتنے والی مقرر و مامور ہوتے تھے، سب کو احکام خلافت والی بصرہ کے انتخاب سے جاری ہوتے تھے، گویا وہ اس دور کا گورنر جنرل ہوا کرتا تھا جس کے تحت تمام مشرق ممالک کے گورنر ہوا کرتے تھے اور مکران اور سندھ وغیرہ ممالک بھی اسی کے ماتحت تھے۔ اسی طرح مغربی ممالک کے لیے مصر کی گورنری تھی، یہاں کے گورنر جنرل فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے[186]۔ لہٰذا افریقہ اور بعد میں یورپ یعنی اندلس (سپین) وغیرہ ممالک کے حکام کا انتخاب و تقرر

---

[184] الکامل فی التاریخ لابن اثیر، 2/529

[185] تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 1/204

[186] تاریخ خلیفہ ابن خیاط؛ 1/204، الاخبار الطوال؛ 1/139، تاریخ ابن خلدون؛ 2/572۔

www.besturdubooks.net

مصر سے ہوا کرتا تھا۔ یہ سلسلہ بنو امیہ کے دور تک جاری رہا پھر بنو عباس نے یہ طریقہ بدل دیا اور گورنر خراسان کو یہاں کا گورنر جنرل بنا دیا گیا[187]۔

حضرت ابن عامرؓ کا والی خراسان مقرر ہونا

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس عہدے پر ممتاز ہوتے ہی اس دیرینہ اور حل طلب مسئلے کا بندوبست کرنا چاہا کیونکہ وہ چونکہ خود ان علاقوں میں رہ چکے تھے اس لیے انہیں ان ممالک کا خوب اندازہ تھا۔ اور انہیں اس بات کا بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ ان کی فتوحات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی صورتحال تھی جن کا سد باب بہرحال ضروری تھا۔ اس لیے انہوں نے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمیر لیثی رضی اللہ عنہ کو والی سیستان مقرر کیا۔ ابن عمیر رضی اللہ عنہ ایک بہادر فوجی آفیسر تھے۔ قدرت نے جنہیں قابل رشک صلاحیات سے نوازا تھا۔ لہٰذا وہ بجلی کی طرح آئے اور گرجتے ہوئے کابل اور تمام ملک سیستان پہ چھا گئے۔ اور یوں ابن عمیر رضی اللہ عنہ اس بار سیستان پر قابض ہو کر یہاں رہ گئے۔ دو تین سال بعد عمران بن فضیل برجمی کو والی سیستان مقرر کر دیا گیا۔ دوسری طرف عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن معمر رضی اللہ عنہ کو مکران کا والی مقرر کر کے روانہ کیا۔ ابن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرح ابن معمر رضی اللہ عنہ بھی باصلاحیت سردار تھے۔ انہوں نے مکران پر حملہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں سرکشوں کا قلع قمع کر کے انہیں دور بھگانے پر مجبور کر دیا اور مکران فتح کر لیا۔[188]

تیسری طرف کرمان پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عبیس رضی اللہ عنہ کو وہاں کا والی مقرر کیا، جنہوں نے اس علاقے کی ہر طرح زیر و زبر کر کے اسلام کا بول بالا کیا۔ گو کہ یہ انتظامات نہایت عمدگی اور استقلال سے کیے گئے تھے مگر چند روز بعد جو عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ان مقامات میں وہی شور و ہنگامہ تھا اور پھر اسی طرح بغاوت، سرکشی اور خودسری کا علم ہر طرف سے بلند ہونے لگا۔[189]

---

[187] الکامل فی التاریخ لابن اثیر؛ 529/2

[188] ایضاً، 530/2

[189] ایضاً، 530/2

www.besturdubooks.net

اگر تجزیہ کیا جائے تو ابن عمیر رضی اللہ عنہ اور ابن معمر رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عبد الرحمٰن بن عبیس رضی اللہ عنہ وہ کنٹرول نہ لا سکے تھے جو ہونا چاہیے تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جب ان حالات سے باخبر ہوئے تو ان سے رہا نہیں گیا اور وہ خود یہاں تشریف لائے۔ خراسان آکر وہ مقامی حالات کا صحیح جائزہ لینے لگے کیونکہ یہاں بیٹھ کر ان ممالک کا انتظام بسہولت کیا جا سکتا تھا۔ حالات کا بخوبی جائزہ لینے کے بعد انہوں نے حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا اور انہیں یہ کہتے ہوئے کرمان روانہ کر دیا کہ وہاں کی حکومت بھی اپنے قبضے میں لے لینا۔ اور سیستان پر حضرت ربیع بن زیاد حرثی رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ باغیوں کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں۔[190]

حضرت مجاشعؓ کا کرمان پر حملہ

حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کرمان کا رخ کیا اور جاتے ہی شہر ہمید پر حملہ آور ہوئے۔ مقابلے کے بعد شہر فوراً فتح ہو گیا، کیونکہ شہر والوں نے اپنی عادت کے موافق اطاعت قبول کی اور گرچہ مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کے لیے بہت کچھ غصہ بھرا تھا لیکن اپنی فطری رحمدلی اور اسلامی اصولوں سے مجبور ہو کر اہل شہر کو پناہ تو دے دی لیکن اب کے مرتبہ بالاستقلال حکومت قائم رکھنے کی غرض سے انہوں نے شہر ہمید میں مستقل قیام کے لیے اپنے واسطے ایک عالی شان قصر بنوایا جو مدتوں " قصر مجاشع " کے نام سے مشہور رہا۔ یہاں کا بخوبی انتظام کر کے حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے آگے قدم بڑھایا اور قدیم دارالسلطنت کرمان شہر سیر جان پر حملہ کر دیا۔ چند ہی روز کے محاصرے میں اہل سیر جان بدحواس ہو گئے اور آخر مجبور ہو کر انہوں نے اپنی قسمت مسلم مجاہدین کے ہاتھوں میں دے دی۔ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے شہر پر قبضہ کر کے اگرچہ براہ رحم دلی کسی کی جان لینا پسند نہ کی مگر مصلحتاً اتنا ضرور کیا کہ اکثر اہل شہر جو فتنہ وفساد میں ملوث تھے، انہیں جلاوطن کر دیا۔ بعد ازاں حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر جیرفت پر حملہ کیا۔ یہاں کے لوگوں نے بھی مقابلہ کیا اور جب ایک سخت شکست کھائی تو عربی تلواروں کے آگے سر جھکا

---

[190] ایضاً، 531/2

www.besturdubooks.net

کے کھڑے ہو گئے۔ اور جب حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو سیر جان کے جلاوطنوں، جو یہاں آ کے قیام پذیر ہو گئے تھے۔ انہوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے انہیں ایسی شکست دی کہ وہ گھر بار چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں پر حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے عرب خاندانوں کو بسایا۔ الغرض اس طرح حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے سارا میدان دشمنوں اور سرکشوں سے خالی کرا لیا اور خود واپس آ کر قصر مجاشع رضی اللہ عنہ میں بیٹھ کر ملک سندھ کے اس اہم صوبے پر حکومت کرنے لگے۔[191]

حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہؓ کی تقرری

ادھر سیستان میں حضرت ربیع بن زیاد حرثی رضی اللہ عنہ نے زرنج، راشت اور سناروز وغیرہ اہم مقامات فتح کر کے خود زرنج میں آ کر مقیم ہو گیا۔ ایک سال اس شہر میں رہنے کے بعد وہ واپس ابن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا اور یہاں اپنی جگہ ایک عامل مقرر کیا۔ لیکن جونہی حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے یہاں سے کوچ کیا، حسب عادت مقامی لوگوں نے پھر سے بغاوت کر دی اور نتیجتاً انہوں نے ربیع رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عامل کو وہاں سے باہر نکالنے پر مجبور کر دیا۔ حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لیے خراسان میں تیار بیٹھے تھے، انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کو والی سیستان مقرر کر کے روانہ کیا۔ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ تھے اور پرانے تجربہ کار فوجی آفیسر بلکہ ایک مسلّم جنرل تھے۔ انہوں نے فوراً جا کر زرنج کا محاصرہ کیا اور ایسے سخت حملے کیے کہ اہل شہر نے پناہ مانگی اور پھر عہد اطاعت کیا۔ تاہم حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس پر بس نہ کیا بلکہ زرنج سے بڑھ کر سندھ کے تمام اس علاقے پر تسلط کیا جو زرنج اور کش کے درمیان میں واقع تھا۔ براہ خشکی جب عساکر اسلامیہ سرحد ہند یعنی بلوچستان پہنچے تو پہلے پہل جو زمین کا حصہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا، وہ یہی تھا۔ اور حضرت ابن سمرہ رضی اللہ عنہ ہی وہ ممتاز صحابی ہیں جنہوں نے سندھ (پاکستان) میں اپنی تلوار کا زور

[191] ایضاً، 531/2

www.besturdubooks.net

دکھایا[192]۔ گرچہ ان سے پہلے بھی صحابہ یہاں آئے تھے لیکن انہیں اس طرح کی کامیابی نہیں ملی تھی جس طرح اب کے بار اس جلیل القدر صحابی کو ملی تھی۔ اس زمانے میں سیستان کی حدیں ملک سندھ سے ملی ہوئی تھیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے رنج اور ودان پر قبضہ کرلیا۔ اور ودان کے کوہ زرد میں ایک مندر کے اندر پڑے ایک سونے سے بنے بت کو توڑ ڈالا۔ اور وہاں کے مرزبان کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہمیں ان چیزوں کی چنداں ضرورت نہیں صرف تم لوگوں کو دکھانا تھا کہ دیکھو یہ بت کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور نہ ہی بنا سکتا ہے۔ اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کابل وزابلستان کو بھی فتح کرنے میں کامیاب ہوئے۔[193]

یہ وہ زمانہ تھا کہ بدقسمتی سے مسلمانوں میں باہمی مخالفت و منافرت شروع ہوئی اور اس فتنے نے جو شکل اختیار کی، اس سے عالم اسلام کو بہت نقصان پہنچا۔ اور سب سے بڑا نقصان خلیفہ سوم کی شہادت کی صورت میں مسلمانوں کو ملا۔ صد افسوس کہ اس کے بعد باہمی خونریزی کے لیے اس وقت جو تلوار چلی تھی وہ پھر روکے بھی نہ رُک سکی اور یوں ہزاروں پاک و مقدس قیمتی جانیں اسی کی نذر ہوئیں۔

خلافت علویؓ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد مسند خلافت پر 35ھ کے اواخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ رونق افروز ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ تمام تروالیوں کو معزول کرکے اپنے ہی خاندان یعنی اہل بیت سے والی مقرر کیے۔ ان میں ایک حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ بھی نشانہ بنیں جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد بھائی

---

[192] یاد رہے کہ اس وقت عرب لوگ آج کے بلوچستان کو " ثغر ہند" کہتے تھے۔ کیونکہ یہ ہند و سندھ کی سرحد پر واقع تھا۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ عرب سندھ کو بھی کبھی کبھار بلکہ اکثر ہند ہی بولتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ بلوچستان کا یہ علاقہ سندھ کا حصہ تھا نہ کہ ہند کا۔

[193] اگر جغرافیائی لحاظ سے دیکھ جائے تو موجودہ افغانستان اُس وقت صوبہ کابل، زابلستان، سیستان اور بعض حصہ خراسان پر مشتمل تھا۔ مذکورہ علاقوں میں ذکر کردہ اول تین صوبے ملک سندھ سے لگے ہوئے تھے۔ اس لیے ان تینوں صوبوں کے مختصراً واقعات ذکر کیے گیے تاکہ سندھ کے حالات سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین ان علاقوں سے ہو کر سندھ (موجودہ پاکستان) جاتے تھے۔

www.besturdubooks.net

تھے۔ جنہوں نے سیستان، زابلستان اور خراسان کے علاوہ سندھ کے بعض حصوں پر بڑی محنت اور کافی وقت لگانے کے بعد کنٹرول حاصل کر کے اسلامی حکومت نافذ کی تھی اور بہت مشکل سے سرکشوں کی سرکوبی کی تھی کہ جن کے مزاج سے درحقیقت وہی صحیح معنوں میں آگاہ تھے۔ اب جونہی انہیں اس عہدے سے ہٹایا گیا، وہی پہلے والے حالات پھر سے لوٹ کر آئے، سرکشوں نے پھر سے سر اٹھا کر علم بغاوت بلند کیا۔ اور چند ہی دنوں میں دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف آتش فساد بھڑک اٹھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گرچہ کوشش کی لیکن وہ چونکہ خلافت کے اندرونی حالات کے سدھارنے میں مصروف تھے، اس لیے وہ یہاں کے حالات پر اتنی توجہ نہ دے سکے، تاہم وہ یہاں کے حالات سے اپنے آپ کو باخبر ضرور رکھتے تھے اور پے درپے والی بھیجتے رہے لیکن کسی سے کچھ بن نہیں پارہا تھا۔ 36ھ میں واقعہ جمل کے بعد جب حامیان امی عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہوئے تو ان میں حسکہ بن عتاب حبطی اور عمران بن فضیل برجمی بھی تھا جو اپنے ہم خیال ساتھیوں کو ساتھ لے کر ادھر مشرق کی طرف بھاگ آیا[194]۔ یہ سب جب سیستان پہنچے تو انہوں نے یہاں کے ملک پر آسانی سے قبضہ کر لیا، وہ اس طرح کہ عرب کی اسلامی خلافت میں باہمی خونریزی ہونے کی وجہ سے وہاں کے لوگ ایک گونہ بے غم اور غفلت میں تھے کہ انہیں ایسے حالات میں ملک عرب سے کسی جدید فوج کے آنے کی قطعاً امید نہ تھی۔

ان کے خلاف توقع جب ان وارد حملہ آوروں کا چھوٹا گروہ ان کی سرزمین میں داخل ہوا تو دو وجوں سے انہوں نے سر اطاعت خم کر دیا۔ ایک، وہ جنگ کے لیے بالکل تیار نہ تھے کہ انہیں اس قسم کے خطرہ کی قطعاً امید نہ تھی۔ دوم، عربوں سے مقابلہ کرنے کی گزشتہ مصائب کی تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی اور یوں زرنج پر عربی سردار حسکہ نے قبضہ کر لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ملک سیستان پر قابض ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن جرد طائی کو روانہ کیا، تاکہ وہ جا کر حسکہ کو ان کی دستبرد پر سزا دیں، مگر معاملہ دگرگوں بلکہ برعکس ہو گیا۔ عبدالرحمٰن جو مجرموں کو سزا دینے آئے تھا، خود

---

[194] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 182/1

www.besturdubooks.net

مقابلے میں مارا گیا اور اس کی فوج کو بھی شکست ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ خبر سنی تو اور بھی پریشان ہوئے اور اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس جو کہ والی بصرہ تھے، اور جیسا کہ عرض ہوا کہ ممالک مشرق یعنی سیستان، خراسان، مکران، کرمان اور سندھ وغیرہ علاقے اسی والی بصرہ کے ماتحت ہوتے تھے، ان کو لکھ بھیجا کہ کسی بہادر فوجی آفیسر کو چار ہزار سپاہی دے کر سیستان روانہ کرو تا کہ وہ اہل سیستان جا کر حالات اپنے قابو میں لے سکے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ربعی بن کاس عنبری کو چار ہزار فوجیوں کا دستہ دے کر روانہ کیا۔ ان کے ساتھ حصین بن ابی ابحر عنبری بھی تھے جو نہایت زبردست جنگجو تھے۔ یہ لوگ جب زرنج پہنچے تو انہوں نے حسکہ کے سپاہیوں کی ایسی درگت بنائی کہ یا تو وہ تہ تیغ ہوئے اور یا پھر وہ جان بچا کر بھاگ نکلے[195]۔ بعد ازاں ربعی بن کاس وہاں مقیم ہو کر وہیں فوت ہوا[196]۔

حضرت حارث بن مرہ عبدیؓ کا سندھ پر حملہ

اسی زمانے میں سندھ پر ایک مستقل اور سخت حملہ کیا گیا اور یہی وہ پہلا حملہ تھا جو خشکی کی طرف سے خاص ملک سندھ پر ہوا تھا۔ اور در حقیقت یہ ایک ایسا حملہ تھا جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں کسی غیر ملک پر جہاد کی غرض سے ہوا۔ وگرنہ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سلطنت کے اندرونی حالات کے سنوارنے سے کبھی فارغ نہیں ہو سکے تھے۔ بہر کیف یہ حملہ گرچہ تغار[197] بن ضیغر رضی اللہ عنہ کی سرداری میں ہوا لیکن ان کے ساتھ عرب کے نامور سردار حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ بھی تھے جو نہایت ہی تجربہ کار اور سربرآوردہ شخصیت کے مالک تھے۔[198]

---

195 ایضاً، 200/1

196 علی محمد الصلابی، سیرۃ علی ابن ابی طالب، ص474، مکتبہ الصحابہ امارات 2004ء

197 یہ نام تاریخ ابن اثیر میں تغار ضیعر جبکہ چچ نامہ میں ثاغر بن ذعر لکھا گیا ہے۔ (چچ نامہ ص 101)

198 تاریخ ابن اثیر، 574/3

www.besturdubooks.net

اس اسلامی لشکر نے 38ھ کے اواخر میں بہرج اور کوہ پایہ کے راستے سے سندھ کی طرف کوچ کیا۔ یہ لشکر جرار برابر اور مسلسل کامیابی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے علاقے فتح کر کے آگے بڑھ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ قیقان (قلات) جا پہنچا۔ انہوں نے قیقان پر ایک زبردست حملہ کیا اور وہاں پر موجود دشمنوں کے ساتھ ایک خونریز لڑائی لڑی۔ کیونکہ قیقان یعنی قلات کے باشندے انتہائی جنگجو اور نڈر لوگ تھے نیز وہ اپنے علاقے کے ایک ایک راستے اور درے سے واقف تھے اور ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ وہاں جنگ کا نقشہ ہی عجیب تھا کہ ایک طرف قیقانی لشکر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا، تو دوسری طرف اہل عرب محض دو ڈھائی ہزار جنگجو تھے۔ اب اگر عقلی لحاظ سے اس کا موازنہ کیا جائے تو کوئی نسبت ان کے مابین بنتی ہی نہیں، وہی قرون اولیٰ کی جنگوں کا سا حال تھا۔ الحاصل مسلم فوج کو بیس ہزار قیقانی اسلحہ بردار فوج سے مزاحمت ہوئی جس نے تمام راستے اور درے روک رکھے تھے۔ اور چونکہ قیقان میں پہاڑ زیادہ تھے، اس لیے یہ کوہستانی فوج کافی تجربہ کار تھی اور اپنے علاقے سے ظاہر ہے بخوبی واقف بھی تھی۔ اس لیے ان کے ساتھ یہ لڑائی عام لڑائی بالکل نہیں تھی۔ ویسے بھی یہ علاقہ ملک سندھ کی سرحد پر واقع اہم علاقہ تھا، تو راجہ چچ بن سیلائج (شاہ سندھ) نے اس کو بڑی مہارت کے ساتھ کسی بھی بیرونی خطرے سے نمٹنے کے لیے محفوظ کر لیا تھا۔ اور وہاں پر نامور جنگجو اور سپاہی تعینات کر لیے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ قیقان اگر ہاتھوں سے نکل گیا تو سندھ کی سلطنت میں ایک بہت بڑی دراڑ پڑ جائیگی۔ اور پھر اس بیرونی سیلاب کا روکنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائیگا اور یقیناً ایسا ہی ہوا۔ لہٰذا اس جنگ کی کیفیت اب تک کی لڑی جانے والی جنگوں سے یکسر مختلف تھی۔ دونوں طرف سے جنگجو فتح کے امیدوار تھے۔

فتح قیقان (قلات)

جب لڑائی شروع ہوئی تو دونوں طرف سے خوب بہادری کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ لڑائی زوروں پر تھی اور گھمسان کی اس رن میں یوں لگ رہا تھا کہ عرب پسپا ہو جائیں گے اور مغلوبیت سے دوچار ہو کر تہ تیغ ہو جائیں گے کہ اللہ کی غیبی نصرت درمیان میں آڑے آئی، اور مغلوب ہونے والے عرب اس قدرتی کمک سے غالب ہو گئے۔ ہوا یہ کہ جس وقت دشمن فوج، مسلم مجاہدین کو پیچھے دھکیل رہی تھی، اسی دوران مجاہدین نے نعرہ

www.besturdubooks.net

تکبیر اس زور سے بلند کیا کہ ایک غیر معمولی اور ہیبت ناک آواز پہاڑوں میں یوں گونج اٹھی کہ جس سے دشمن لرز اٹھے اور ان کے دل دہلنے لگے۔ بعض تو گھبرا کر مسلمانوں کے پاس چلے گئے اور اسی وقت مسلمان ہو گئے اور باقی ماندہ لوگ یا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور یا پھر انہوں نے راہ فرار اختیار کر کے جان بچائی۔ یقیناً یہ خدائی نصرت تھی اور اس آیت کی عملی تصویر تھی کہ

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ[199]

مسلمانوں نے اللہ کے فضل و کرم سے میدان لوٹ لیا اور یوں بہت سارا مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ ایک ہزار لونڈیاں اور غلام ایک دن میں مسلم سپاہیوں کے مابین تقسیم کئے گئے۔[200]

اس جنگ کی تفصیل چچ نامہ میں یوں درج ہے؛

"ہذلی نے بیان کیا ہے کہ اس لشکر میں حارث بن مرہ عبدی نامی ایک بہادر سردار تھا، جس کے لشکر میں ایک ہزار مسلح بہادر تھے اور تین دلیر اور ہتھیار بند غلام تھے۔ اس نے ان غلاموں میں سے ایک کو اپنا سلحہ بردار مقرر کیا اور باقی دو کو لشکر کا محافظ بنا کر ہر ایک کو پانچ پانچ سو جوانوں کا سردار بنایا۔ جب وہ مکران میں وارد ہوا تو یہ خبر کیکانان (قیقان، قلات) میں پھیل گئی اور کوہ پایہ اور کیکانان کے لوگ مقابلے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ وہ 42ھ[201] میں کیکانان پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے مستعد ہو کر جنگ شروع کی۔ اہل قیقان قریباً بیس ہزار بہادر تھے، جن سے لشکر اسلام کی جنگ ہوئی۔ جب کافروں نے کوئی چارہ نہ دیکھا تو راستہ گھیر کر بیٹھ گئے۔ لشکر اسلام جب میدان جنگ سے واپس ہو کر کیکانان کے درہ کے قریب اترا تو انہوں نے راستہ روکنا چاہا۔ یہ حال دیکھ کر لشکر عرب نے نعرہ تکبیر بلند کیا، جس سے پہاڑ کے دائیں بائیں جانب بھی نعرہ تکبیر

---

[199] سورۃ النساء، 139

[200] تاریخ ابن اثیر 4/575

[201] یہ کاتب کا یا پھر مؤلف کا سہو قلم ہے، اور میرے خیال میں کاتب کی غلطی ہے کیونکہ اسی صفحہ میں اوپر لکھا گیا ہے کہ یہ لشکر 38ھ میں بھیجا گیا۔ اور پھر اس کے بعد اس نے دور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی الگ تفصیل لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ علوی دور تھا۔ اور جیسا کہ اس عبارت کے آخر میں بھی لکھا گیا ہے کہ اس جنگ کی فتح ہوتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ جنگ 40ھ میں لڑی گئی۔

www.besturdubooks.net

کی صدا "اللہ اکبر" گونج اٹھی۔ یہ سن کر کیکانان کے کافروں کے دلوں میں ہراس پیدا ہو گیا، ان میں سے اکثر نے ہار مان کر اسلام قبول کر لیا اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت سے لیکر آج تک ایام جنگ کے موسم میں اس پہاڑ سے تکبیر کی صدا بلند ہوا کرتی ہے۔ ابھی یہی فتح ہوئی کہ امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی۔ چنانچہ یہ لشکر اسلام وہاں سے واپس ہوا اور جب یہ لشکر مکران پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے ہیں[202]۔

چونکہ ابھی قیقان پورا فتح نہیں ہوا تھا یا اگر ہوا بھی تھا تو مسلمان جب یہاں کے لوگوں پر جزیہ لاگو کر کے واپس مکران چلے گئے تو یہاں قیقان میں سندھ سلطنت سے اور فوج بھیجی گئی اور یوں زیر کیے ہوئے لوگ پھر سے باغی بن گئے۔ اس حالت سے خبر دار ہوتے ہی حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ نے لشکر ساتھ لیا اور ایک بار پھر سے قیقان پر حملہ کر دیا۔ ایک طرف گزشتہ لڑائی سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو چکے تھے تبھی تو حضرت حارث نے اِس بار ایک چھوٹے لشکر پر اکتفا کر کے اپنے ساتھ ہو لیا، تو دوسری طرف قیقان میں سندھ سے جدید اور تازہ دم فوج پہنچ چکی تھی۔ اس بار حضرت حارث رضی اللہ عنہ واپس جانے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ ان کا ارادہ تھا کہ یہیں پر قیام کیا جائے۔ اور قدرت کو بھی یہی منظور تھا کہ اس مرتبہ وہ یہاں آئے ضرور مگر پھر واپس کبھی نہیں گئے، بلکہ ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کے رہ گئے۔

اس دوسرے حملے میں جو کہ 41ھ میں ہوا تھا، قیقان (قلات) کی گھمسان کی اس لڑائی میں گرچہ ایک طرف بہت سارے کافر واصل جہنم ہوئے۔ تو دوسری طرف اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ بھی شہادت کے اعلیٰ رتبہ پر فائز ہوئے۔ اور یوں وہ تا ابد سندھ (پاکستان) کی سرزمین میں سو گئے[203]۔ اب تک لڑی جانے والی لڑائیوں میں یہ سب سے خونریز جنگ ثابت ہوئی کیونکہ حضرت

---

[202] چچ نامہ، ص102۔ یا تو صاحب چچ نامہ نے طوالت سے اجتناب کر کے کسر سے کام لیا ہے کہ درمیان میں چھ، ساتھ مہینے کے امام حسن رضی اللہ عنہ کے دور کو حذف کر دیا ہے اور یا پھر اس لشکر نے واقعی میں چھ مہینے کا سفر واپسی میں کیا تھا۔ واللہ اعلم

[203] فتوح البلدان، ص417

www.besturdubooks.net

حارث بن مرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار جوانوں کا لشکر تھا جن میں چند فوجیوں کے علاوہ سب کے سب یہاں پر اپنے سپہ سالار سمیت جام شہادت نوش کر گئے[204]۔

بلاذری کے الفاظ یہ ہیں؛

ثُمَّ إنه قتل ومن معه بأرض القيقان إلا قليلا، وكان مقتله في سنة اثنتين وأربعين والقيقان من بلاد السند[205]۔

"پھر حضرت حارث بن مرہ اور ان کے ساتھی باستثنائے چند ایک کے سب شہید ہو گئے اور یہ واقعہ ملک سندھ کے علاقہ قیقان میں 42ھ کو پیش آیا۔"

خلیفہ بن خیاط نے اس بابت لکھا؛

جمع الحَارِث بْن مرّة الْعَبْدي جمعا أَيَّام عَلِيّ وَسَار إِلَى بِلَاد مكران فظفر وغنم وَأَتَاهُ النَّاس من كل وَجه فَجمع لَهُ أهل ذَلِكَ الثغر جندا فَقتل من كَانَ مَعَه إِلَّا عِصَابَة يسيرَة[206]

یعنی گرچہ حضرت حارث بن مرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کمک میں کافی فوجی آئے تھے تاہم ماسوائے چند کے، سب ان کے ساتھ شہید ہو گئے۔

---

[204] چند ایک کے علاوہ سب کے سب یہاں شہید ہوئے۔ اگر اندازتاً ان میں دو سو سپاہی بھی نکال دیے جائیں تو پھر بھی تقریباً تیرہ سو فوجی شہید ہو گئے ہونگے۔ اب ان میں کم سے کم تعداد میں ہی سہی لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم تو بہر حال موجود تھے۔ گویا دو تین سو کے لگ بھگ بھی اگر صحابہ ان میں موجود تھے، تو کتنی سعادت کی بات ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں سینکڑوں صحابہ کرام تاابد آرام فرما ہیں۔ تبھی تو اس ملک کا نام "پاکستان" رکھا گیا کہ اس میں پاک لوگ رہتے نہیں بلکہ سوتے ہیں۔ ان ہی مقدس ہستیوں کی برکت سے یہ ملک ابھی تک بچا ہے بلکہ انشاء اللہ تاقیامت یہ سلامت رہے گا اور کوئی اس کا کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ چاہے اس کے دشمن لاکھ بار اس کا برا سوچیں، اس کو نقصان پہنچانا چاہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرام کی بدولت اس ملک کی حفاظت اللہ خود فرمائے گا، وگرنہ ہم پاکستانیوں نے کونسا گناہ ہے جو نہ کیا ہو۔ اللہ کی کونسی نافرمانی ہے جو ہم سے سرزد نہ ہوئی ہو، رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا ہم نے کیا مذاق نہیں اڑایا؟ کیا ہم اپنی سنہری تاریخ تک سے واقف ہیں؟ ایسے میں ہم کس منہ سے مددِ خداوندی چاہیں؟

[205] شذرات الذہب، 1/53

[206] تاریخ الخلیفہ، ص200

www.besturdubooks.net

علامہ ذہبی کی تحقیق کے مطابق حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ [207] نے مکران سے آگے قندابیل (جھیل مگسی، گنڈاوا [208]) فتح کیا پھر قیقان (قلات) کے پہاڑی علاقہ میں جام شہادت نوش کیا [209]۔

زیاد بن ابی سفیانؓ بحیثیت والی خراسان

سیستان پر گرچہ حسکہ کو قتل کرکے ابجی عنبری نے پورا قبضہ کرلیا تھا تاہم ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ مقامی لوگوں نے حسب عادت پھر سے سرتابی کی اور سیستان ہی تک محدود نہیں بلکہ کرمان وغیرہ علاقوں میں بھی بغاوت شروع ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اس صورتحال سے باخبر ہوئے تو اپنے گرد دانا اور عقل کل لوگوں سے اس بارے میں مشورہ لیا کہ یہ لوگ اپنی اس بغاوت، شورہ پشتی اور دغابازی سے کسی طرح بھی باز نہیں آتے، ان کا کیا انتظام کیا جائے؟ مختلف مشورے سامنے آئے لیکن آخر میں حضرت جاریہ

---

[207] ڈاکٹر عبدالرحمٰن بروہی نے حضرت حارث بن مرہ کو بغیر کسی حوالے کے صحابی لکھا ہے حالانکہ آپ اولیں تابعین میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ ابن عبدالبر، ابن اثیر اور ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے۔

[208] قندابیل کے متعلق بھی محققین حضرات دیبل کی طرح مختلف الرائے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ شہر موجودہ جھیل مگسی کے قریب واقع تھا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ آج کل کے گنڈاوا یا کچ کا پرانا نام تھا اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کو بدھا اور بدھیہ کہتے تھے۔ یہی لفظ بدھا، ندھا بھی مشہور ہوا جیسا کہ فتوح البلدان 4/402 میں درج ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے کہ قندابیل کو بدھا کہتے تھے۔ جو آج کل کچی یا کچھ گنڈاوا سے مطابقت رکھتا ہے۔ ظن غالب یہ ہے کہ یہی وہ شہر ہے جو آج کل گنڈاوا کہلاتا ہے اور جس کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی۔ قندابیل کو شاہ سندھ راجہ چچ نے فتح کیا تھا، جو ارمابیل (لس بیلہ) اور توران (خضدار کے پہاڑی علاقے) سے ہوتا ہوا صحرا کے اندر بڑھا تھا اور اس قلعے پر قابض ہوگیا تھا۔ یہ قلعہ دریائے سینی (سبی) پر واقع تھا۔ مشہور مستشرق راورٹی (Roverty) نے قندابیل کو گنڈاوا ہونے میں اس لیے شک ظاہر کیا ہے کہ المسالک والممالک میں اصطخری نے اسے قصدار سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر بتایا ہے جو کہ جائے وقوعہ کے مطابق نہیں۔ ابن حوقل نے بھی اس کو مہران کے جنوب میں اور قصدار سے ایک طویل فاصلے پر شمال میں دکھایا ہے۔ تاریخ سے قندابیل کے نام سے غائب ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عربوں کی حکومت کے زوال کے بعد جب یہاں ملکی سلطنت دوبارہ قائم ہوئی تو طبعاً اسے اس کا اصل دیسی نام پھر سے دے دیا گیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 16(2)/412)

تاہم اکثر مؤرخین کی رائے میں قندابیل اس وقت سندھ کا ایک اہم شہر تھا جو آج کل بلوچستان کے گنداوا کی جگہ آباد تھا۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ڈاکٹر محمد اسحاق اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی اسی قول کے قائل ہیں۔ اور یہی قول راجح بھی ہے۔

[209] علامہ ذہبیؒ (748ھ)، تاریخ اسلام، 3/583، دارالکتاب العربی، بیروت 1413ھ

www.besturdubooks.net

بن قرامہ رضی اللہ عنہ نے جو رائے دی، وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پسند آئی۔ حضرت جاریہ نے مشورہ دیا کہ اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے ہمارے پاس حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی لائق شخص نہیں۔ لہٰذا حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو والی خراسان مقرر کر کے یہ ذمہ داری ان کے سپرد کیجئے کہ وہی اس کے لیے مناسب ترین آدمی ہیں۔ امید ہے کہ ابوسفیان کے بیٹے حضرت زیاد رضی اللہ عنہ یہ تمام تر معاملات انتظام بوجہ احسن ادا کریں گے[210]۔

حضرت جاریہ کی یہ رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آئی اور انہوں نے بغیر وقت ضائع کئے، حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو خراسان روانہ کر دیا۔ دریں اثناء چونکہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین چپقلش چل رہی تھی، اس لیے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو والی خراسان مقرر کر کے روانہ کیا جارہا ہے تو انہوں نے اپنے بھائی کو ایک تہدید آمیز خط لکھا[211]۔ کہ دیکھئے! آپ میرے بھائی ہو اور آپ کو

---

[210] اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اموی خاندان کو اللہ نے کتنی صلاحیات سے نوازا تھا۔ زیاد رضی اللہ عنہ گرچہ اپنے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالف اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے، لیکن پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہو گیا کہ واقعی یہ کام اموی خاندان کے کسی فرد کے علاوہ کوئی اور سنبھال نہیں سکتا تو پھر انہوں نے وہی کیا جس کی اسلامی سلطنت کو اس وقت ضرورت تھی۔ یعنی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو ان ممالک کا والی بنا کر بھیج دیا جنہوں نے وہی کیا جس کی ان سے توقع تھی۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جانے سے منع بھی کرنا چاہا لیکن حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے پھر بھی جا کر خراسان اور سندھ کے حالات ایسے سنواریں کہ نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ بلکہ ان کے بعد حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بطور خلیفہ، ان کی عظمت اور قابلیت کا اعتراف کیے بغیر رہ نہ سکے۔ تبھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دور میں بھی اسی مرتبے پر بحال رکھا۔

[211] یاد رہے کہ صحابہ کی آپس کی یہ مخالفت ان کے مقام، منصب اور رتبے میں کوئی کمی نہیں لا سکتی بلکہ یہ تو خدا کی حکمت پر مبنی اور اختلاف امتی رحمۃ کی عملی تصویر تھی۔ اور جن کو اللہ نے جنت کی بشارت دی ہو، ان کی مغفرت کے سرٹیفیکیٹس عطا کیے ہو، ان کے بارے میں قرآن نازل فرمایا، جن کے ایمان کو معیار ایمان قرار دیا گیا، جن کو رضی اللہ عنہم اور رضوا عنہ، الراشدون، المفلحون سے مخاطب کیا گیا۔ جن کے بارے میں قرآن نے علی الاعلان فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں سے بغض، حسد، نفرت اور شرک دور کر کے ان کے دل ایمان سے بھر دیے۔ اب ایسے میں بھلا ہم کون ہوتے ہیں ان پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کے بارے میں کچھ کہنے اور اپنی رائے دینے والے؟ اس

www.besturdubooks.net

سب کچھ معلوم ہے، لہٰذا آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے اور اگر ہماری بات نہ مانی تو اچھا نہ ہو گا۔ جواب میں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے یہ لکھ بھیجا کہ تم مجھے ڈرا رہے ہو حالانکہ میرے اور تمہارے مابین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں[212]۔ خدا کی قسم! اگر تم نے مجھ تک پہنچنے کی کوشش بھی کی تو مجھ سے بد تر[213] تمہارے لیے کوئی نہ ہو گا[214]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو والی خراسان روانہ کر دیا اور یہ ہدایت بھی جاری کر دی کہ وہاں جا کر متعلقہ تمام ممالک یعنی سیستان، زابلستان، کرمان، مکران، سندھ اور خراسان میں بغاوتوں کا سر کچل کر ایک پر امن اسلامی سلطنت قائم کریں۔ قدرت نے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی اولاد کو گویا فطری طور پر علم سیاست و سیادت سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ کہ ایک طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، جن کی سیاسی سوچ اور سیاسی حکمت عملی کے اپنے تو لا محال، پرائے بھی معترف تھے۔ آس پاس کے مجوسی اور عیسائی حکمران ان سے اسی سیاسی فوقیت و لیاقت کی بنا پر خار کھاتے تھے۔ دوسری طرف آپ کے بھائی

طویل موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، چاہیے کہ خوب مطالعہ کیا جائے۔ یہ ایک الگ بحث ہے، اس موضوع سے متعلق راقم نے ایک اور کتاب بنام "صحابہ معیار حق کیوں" شروع کی ہے جس میں صرف عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ کی اہمیت اور عظمت، شریعت اسلامیہ اور قرآن و حدیث سے ہٹ کر عقلی دنیا میں بھی مسلّم ہے کہ اگر کوئی عقل سلیم رکھنے والا انسان، بھلے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو، اصحابِ محمد ﷺ کی سوانح بہ حیثیت انسان پڑھیں، تو ایسا ہو نہیں سکتا کہ وہ اللہ کے اس انتخاب پر بے اختیار صد آفریں بلند نہ کریں، ہاں اس کے اندر کوئی کوٹ ہو، تو وہ الگ بات ہے۔

[212] وقت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ جو حضرت زیاد، داماد رسول ﷺ حضرت علی کے لیے اپنے بھائی کو اتنے سخت الفاظ لکھ رہے ہیں، دو عشروں کے بعد اسی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبید اللہ بن زیاد، اسی خلیفہ چہارم کے بیٹے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ فیا للعجب!

[213] صحابہ کا آپس میں اختلاف، ایک اجتہادی غلطی تھی نہ کہ کسی بغض و حسد کی بنا پر، کیونکہ یہی زیاد رضی اللہ عنہ جب 41ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئے تو جیسا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری اور اولوالعزمی مشہور تھی، انہی اخلاق کریمہ کا مظاہرہ وہاں بھی دیکھنے کو ملا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف انہیں معاف کر دیا بلکہ اسی عہدے پر بحال رکھتے ہوئے وہی منصب دے دیا جس کے وہ اہل تھے۔ (الکامل فی التاریخ، 3/21)

[214] المعارف، 1/346

www.besturdubooks.net

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے ایک اعلیٰ سیاستدان تھے، بلکہ بقول ایک مؤرخ کے، آپ رضی اللہ عنہ علم سیاست مدنی جاننے والوں میں اول درجہ رکھتے تھے[215]۔

اس لیے حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جب خراسان گیے تو انہوں نے تمام انتظامات نہایت شائستگی سے سر کیے۔ واقعی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ سیاست کے پیچ و خم سے بخوبی واقف تھے، انہوں نے جاتے ہی ایک عجیب چال چلی، وہاں جتنے بھی باغی گروہ تھے، ان تمام گروہوں میں باہمی اختلاف پیدا کر کے ان کا زور کم کر دیا، اور ان کی اس باہمی پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے انہیں بآسانی اپنا زیر اثر اور مطیع بنالیا[216]۔

اسی لیے تو کہتے ہیں کہ جس کا کام اسی کو ساجے، اور کرے تو ڈینگے باجے۔ اسی کلیے قاعدے کے تناظر میں امور سلطنت کے لیے بھی ہر ایک نہیں بلکہ چندے لوگ پیدا ہوا کرتے ہیں کیونکہ حکومت چلانا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں کہ رموز مملکت خویش خسرواں دانند۔

---

215 تاریخ سندھ از عبد الحلیم شرر، ص98

216 انگریزی کا مشہور مقولہ ہے Divide and Rule یعنی پھوٹ ڈالو اور آسانی سے حکومت کرو۔ خاص یہی نسخہ انگریزوں نے برصغیر کو تسخیر کرنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ بہت افسوس کی بات ہے کہ ایک تو ہمیں اپنے اسلاف کی تاریخ اور کارناموں کا علم نہیں اور دوم، ہمارے علم سے غیر نے تو فائدہ اٹھالیا لیکن ہم خود ہاتھ پہ ہاتھ دھرے رہ گئے۔ کیا آج مسلم دنیا میں کسی کو بھی یہ معلوم ہے کہ جس مقولہ کی ایجاد کی نسبت ہم فرنگیوں کی طرف کرتے ہیں کہ (تقسیم کرو اور حکومت کرو)، اسی یادگار اور کارآمد مقولے کا اصل مؤجد کون تھا؟ ہاں یہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے لائق بیٹے حضرت زیاد کا ایجاد کردہ ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں بلکہ خود غیر بھی اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے علم مسلمانوں ہی سے لیا ہے۔ لیکن خدا جانے کہ ہم مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ آج ہم اپنی کامیابی اس متبوع قوم کی اتباع میں ڈھونڈتے ہیں! ہم اپنی تاریخ کیوں نہیں پڑھتے؟ ہم اپنے آباء کی کردار سازی اور علوم کی پختگی کیوں بھلا بیٹھے ہیں؟ ہائے کاش ہمیں اس اہم ترین نکتے کو سمجھنے کا احساس ہو جائے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ بھی یہی رونا رو رہے ہیں؛

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی — کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی — ثریا سے زمین پہ آسمان نے ہم کو دے مارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی — جو دیکھے ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سہ پارا

www.besturdubooks.net

خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

40ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک مختصر عرصہ[217] کے لیے ان کے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ہر طرف فتنہ و فساد برپا ہے اور دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہلانا شروع کر دیا ہے، تو انہوں نے عافیت اسی میں جانی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیعت کر کے خود گوشہ عزلت میں جا بیٹھے۔ تاکہ امت مسلمہ کسی اور جانی نقصان سے دوچار نہ ہو[218]۔ اس لیے انہوں نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[217] ساڑھے پانچ مہینوں سے لیکر ساتھ مہینوں تک بتایا جاتا ہے۔ (الکامل فی التاریخ لابن اثیر 3/6)

[218] عین ممکن ہے کہ بعض حضرات مجھ سے اختلاف کریں اور میرے اس انداز کو پسند نہ کریں کہ کیا ضرورت تھی، ان اختلافی باتوں کے چھیڑنے کی۔ شاید وہ ٹھیک ہوں، لیکن میرا بھی ایک نظریہ ہے کہ ہم مانتے ہیں، ہم ہی کیا اس بات کو تو صحابہ کے دشمن بھی مانتے ہیں کہ صحابہ جیسے لوگ انبیاء کے بعد دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے، تاہم سوال یہ ہے کہ ان سے خطا کے کیا معنی؟ تو یہاں دو باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں؛ ایک، بجائے اس کے کہ ہم حقیقت سے منہ موڑ کر جذباتی ہو جائیں۔ ہمیں دوسرے کو جواب دینا ہے کیونکہ ہم جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا دین سچا ہے اور یہ کہ ہم الحمد للہ دلیل اور استدلال کے قائل ہیں۔ نقلی نہ سہی عقلی دنیا میں کوئی آکر ہم سے بحث کریں تاکہ انہیں ہم دکھا سکیں کہ اسلام اور دیگر مذاہب میں حق اور باطل کا اصل فرق کیا ہے اور یہی صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کی سچی جماعت کی شان سے زیب دیتا ہے۔ دوم، جو مذکور سوال کا جواب بھی ہے کہ ہم صحابہ کو ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں، عقیدے کی یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ دنیا میں معصوم عن الخطاء صرف انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت محفوظ عن الخطاء ہے۔ ان سے خطائیں ہوئیں بھی تو وہ عند اللہ معاف ہیں کیونکہ انہیں پہلے ہی سے ان کے رب نے اپنی رضا کی سند دی ہے، اب اس کے بعد ہم کون ہوتے ہیں ان کی خطاؤں پر بحث کرنے والے؟

امام ابن حجر عسقلانی نے اس بارے میں اہلسنت والجماعت کا جو عقیدہ لکھا ہے اسے ہم یہاں حرف بہ حرف نقل کرتے ہیں تاکہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے۔ اپنی مایہ ناز کتاب " الاصابہ فی تمیز الصحابہ " میں لکھتے ہیں؛

الفصل الثالث في بيان حال الصحابة من العدالة ؛

اتفق أهل السنّة على أنّ الجميع عدول، ولم يخالف في ذلك إلا شذوذ من المبتدعة. وقد ذكر الخطيب في «الكفاية» فصلا نفيسا في ذلك، فقال: عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم، وإخباره عن طهارتهم، واختياره لهم، فمن ذلك قوله تعالى: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [آل عمران: **110**] وقوله: وَكَذلِكَ جَعَلْناكُمْ أُمَّةً وَسَطاً [البقرة: **143**] . وقوله: لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ ما فِي قُلُوبِهِمْ [الفتح: **18**] . وقوله: وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهاجِرِينَ وَالْأَنْصارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ [التوبة:

www.besturdubooks.net

کے سپرد کردی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بنے تو انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرتے ہوئے اپنے خاندان کے معتمد افراد صاحب اختیار بنائے۔ جن حضرات کو خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور اقتدار میں بنوہاشم نہ ہونے کی وجہ سے معزول کیا تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پھر سے وہی عہدے دلائے۔ اور یوں ولایت بصرہ کا عہدہ جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، جو امورِ ممالک مشرق کے مانے ہوئے ماہر حاکم گردانے جاتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ عہدہ لے کر اپنے چچازاد بھائی مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دے دیا تھا، تاہم اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے واپس حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو اسی عہدہ پر متمکن کر دیا[219]۔

یاد رہے سن 41ھ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنتے ہی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ بنایا، جس کے زیر سندھ، خراسان اور دیگر مشرقی ممالک تھے۔ تاہم 44ھ میں حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو ان کی بے حد رحم دلی کی وجہ سے معزول کر دیا گیا۔ تو ان کی

100] وقوله: يا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ [الأنفال: 64] وقوله: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيارِهِمْ وَأَمْوالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْواناً، وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ...إلى قوله: إِنَّكَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ [الحشر: 8: 10] في آيات كثيرة يطول ذكرها، وأحاديث شهيرة يكثر تعدادها، وجميع ذلك يقتضي القطع بتعديلهم، ولا يحتاج أحد منهم مع تعديل الله له إلى تعديل أحد من الخلق، على أنه لو لم يرد من الله ورسوله فيهم شيء مما ذكرناه لأوجبت الحال التي كانوا عليها من الهجرة والجهاد، ونصرة الإسلام. وبذل المهج والأموال، وقتل الآباء والأبناء [(1)] ، والمناصحة في الدين، وقوة الإيمان واليقين- القطع على تعديلهم، والاعتقاد لنزاهتهم، وأنهم أفضل من جميع الخالفين بعدهم، والمعدلين الذين يجيئون من بعدهم.هذا مذهب كافة العلماء، ومن يعتمد قوله (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، 1/162)

219 یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عتبہ رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ بنانا چاہتے تھے۔ لیکن پھر حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر ان کو واپس بصرہ کو والی بنایا گیا کیونکہ یہ پہلے اسی عہدہ پر رہ چکے تھے۔ اس لیے انہیں اس عہدہ کی اہمیت معلوم تھی اور اس عہدے کے استعمال کرنے کا فن وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ عہدہ سونپا۔ (دول الاسلام للذہبی، بحوالہ تاریخ سندھ از شر ص100)

www.besturdubooks.net

جگہ حارث بن عبد اللہ ازدی رضی اللہ عنہ کو یہ عہدہ سونپا گیا۔اور 45ھ میں وقت کی ضرورت اور اہمیت کو دیکھ کر خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو بصرہ کے ساتھ بحرین، عمان، سندھ، ہند اور خراسان کا والی بنایا کیونکہ انہیں ان ممالک کا خاص تجربہ تھا۔53ھ میں ان کی وفات کے بعد یہ عہدہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن غیلان رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا اور 56ھ میں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد کو یہاں کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔اور یہ سب کے سب واقعات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئے جنہوں نے سندھ پر تقریباً آٹھ حملے کیے۔[220]

حضرت عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کا صیقلہ پر قبضہ

جن دنوں حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ابھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ نہیں بنے تھے، ان ایام میں حضرت عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بن مخلد الذرقی رضی اللہ عنہ نے صیقلہ (سندھ) پر قبضہ کر لیا تھا، اور وہاں موجود ایک مندر میں سونے سے بنے ایک بت کو توڑ دیا اور بعد ازاں اس بت میں سے ہیرے جواہرات نکال کر اپنے قبضے میں لے لیے تھے[221]۔اور سوچا کہ یہ سب ہیرے جواہر خلیفہ کی خدمت میں بھیج دوں تو بڑے خوش ہوں گے کہ دریں اثناء خبر آئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بن گئے ہیں۔ لہٰذا حضرت عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے وہی ہیرے جواہرات نئے خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیے[222]۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت قیس بن مخلد رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔[223]

---

[220] تاریخ طبری 5/217، تاریخ ابن خلدون 3/8، تاریخ الکامل 3/178

[221] ایسا ایک واقعہ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مذکور ہے۔

[222] فتوح البلدان، 1/233

[223] جمہرۃ انساب العرب لابن حزم، 1/352

www.besturdubooks.net

حضرت عمر بن عبید اللہؓ کا لسبیلہ پر حملہ

جونہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبید اللہ بن معمر التیمی رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا جنہوں نے آتے ہی ارمائیل یا ارمابیل (موجودہ لسبیلہ) پر دھاوا بول دیا۔ اور یہاں پر غالب آکر مال غنیمت حاصل کر لیا۔ حضرت عمر بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ قبیلہ تیم کے سردار تھے۔ اللہ نے انہیں کافی قابل رشک صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ بالخصوص فنون حرب (War Strategy) میں اپنی مثال آپ تھے۔ علی بن محمد کوفیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبید اللہ بن معمر رضی اللہ عنہ کو خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا[224]۔ بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ نے مکران میں جا کر اپنے نام سے ایک مسجد تعمیر کرائی[225]۔ اور پھر آپ رضی اللہ عنہ حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کابل اور خراسان کی جنگوں میں بھی شریک رہے۔[226]

حضرت راشد بن عمرو جدیدیؓ کا سندھ پر حملہ

ابھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے نئے خلیفہ بنے کہ اتنے میں انہیں سندھ سے یہ بُری خبر آئی کہ حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہوگئے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دلی صدمہ ہوا، اور حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر کر کے یہ حکم جاری کر دیا کہ فوراً کسی نامور سپہ سالار کو قیقان روانہ کرو تاکہ وہ جا کر حارث بن مرہ اور ان کے ساتھیوں کا انتقام لیں۔ حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے 41ھ میں گورنرِ بصرہ بنتے ہی حضرت راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ عنہ کو سندھ کی طرف روانہ کیا اور تب تک 42ھ کا سال شروع ہو چکا تھا۔ کیونکہ انہیں اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ اس ابتری کو وہی فوجی افسر درست کر سکتا ہے جو کہ وہاں پہلے رہ چکا ہو، اور جنہیں وہاں کے لوگوں اور وہاں کے راستوں اور دیگر حالات کا تجربہ ہو، ایسے میں ان کی نظر حضرت راشد

---

224 منہاج الدین، ص78

225 العقد الثمین، ص89

226 کتاب الذخائر، ص9

www.besturdubooks.net

بن عمرو ازدی رضی اللہ عنہ پر پڑی جو قبل ازیں 30ھ میں ابن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان علاقوں میں لڑ چکے تھے اور اپنی بہادری کے جوہر بھی دکھا چکے تھے اور جنہوں نے اپنی خداداد جنگی صلاحیت اور سیاسی مہارت کی بناپر علاقہ ہرمز بھی فتح کیا تھا[227]۔ لہٰذا انہیں اسی عہدے کے لیے مقرر کیا گیا۔ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آتے ہی ایک زلزلہ بپا کر دیا۔ انہوں نے آج کے بلوچستان کے اکثر علاقے مکران[228]، قیقان اور ارمابیل بہت کم مدت میں فتح کر لیے۔ مؤرخ اسلام امام خلیفہ بن خیاط (م240ھ) لکھتے ہیں؛

سنة اثْنَتَيْنِ وَأَرْبَعِين فِيهَا وَجه ابْن عَامر عَبْد الرَّحْمَن بْن سَمُرَة إِلَى سجستان وَمَعَهُ فِي تِلْكَ الْغُزَاة الْحسن بْن أَبِي الْحسن والمهلب بْن أَبِي صفرَة وقطري بْن الْفُجَاءَة فَافْتتحَ زرنج وكورا من كور سجستان وفيهَا غزا عقبَة بْن نَافِع أفريقية فَافْتتحَ غدامس فَقتل وسبى وفيهَا ولى ابْن عَامر رَاشد بْن عَمْرو الجديدي ثغر الْهِنْد قَالَ أَبُو خَالِد قَالَ أَبُو الْخطاب أَقَامَ بهَا رَاشد وَشن الغارات وأوغل فِي بِلَاد السَّنَد [229]

42ھ میں کیے گیے ان حملوں سے پورا سندھ لرز گیا اور یوں حضرت راشد رضی اللہ عنہ کے ان حملوں اور فتوحات کی شہرت پورے ملک سندھ میں ہوئی۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ حضرت راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ عنہ نے آکر قیقان فتح کیا اور بہت سارا مال غنیمت حاصل کر کے آگے بڑھا۔ ملک سندھ کے دیگر اہم شہروں میں پیش قدمی کی اور وہاں بھی اللہ کے فضل سے فتحیاب رہے[230]۔

تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس وقت قیقان (قلات) کے جنگجو وہاں کے پہاڑوں جیسے مظبوط تھے کہ رجال الجبال جبال الناس (پہاڑی لوگ لوگوں کے پہاڑ ہوا کرتے ہیں یعنی مضبوط ہوتے ہیں) کچھ ایسا ہی حال یہاں بھی تھا کہ یہاں کے پہاڑی لوگ بار بار شکست کھانے کے بعد بھی ہارے نہیں، ہاں یہ بھی تھا کہ وہ زبان اور وعدے

---

227 تاریخ خلیفہ بن خیاط، 164/1

228 یاد رہے مکران حضرت راشد رضی اللہ عنہ سے پہلے حکیم بن جبلہ عبدی فتح کر چکے تھے۔ (معجم البلدان، 179/5) لیکن چونکہ وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل میں ملوث تھے، اس لیے مؤرخین نے اسے وقعت نہیں دی ہے۔

229 ایضاً 205/1۔

230 تاریخ الیعقوبی، 51/1

www.besturdubooks.net

کے پکے نہیں تھے بلکہ ان میں منافقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ جب بھی اپنی شکست دیکھتے تو فوراً اہلِ عرب سے رحم کی اپیل کرتے۔ ایک طرف عربوں کی رحم دلی ان کو پھر سے موقع فراہم کرتی، اور دوسری طرف ان کو اس بات کا احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ ایک عربی لشکر سے نہیں بلکہ ایک غیبی طاقت سے نبرد آزما ہیں۔ بہر کیف جو بھی تھا، ان کی بہادری اور دلیری مسلّم تھی۔ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے قوم مید پر بھی فتح پائی تھی[231]۔

ان فتوحات کے بعد بہت سارا مال غنیمت ساتھ لے کر حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ واپس دمشق چلے گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مال غنیمت پیش کیا اور علاوہ ازیں پہلی بار آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قیقانی گھوڑے بطور تحفہ پیش کیے، جنہیں دیکھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بے حد خوش ہوئے اور اس تحفے کو انہوں نے بہت پسند کیا، اور آپ کی بڑی تعریف کی[232]۔

حضرت عبد اللہ بن سوارؓ کا سندھ پر حملہ

حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ جونہی عرب واپس لوٹے، یہاں کے مقامی لوگ حسب عادت پھر اپنے وعدے سے مکر گئے اور علم بغاوت بلند کیا۔ یہ خبر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سندھ کے حالات پر نظر ثانی کریں اور کسی قابل شخص کو وہاں بھیج دیں۔ لہٰذا 43ھ میں عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک لائق فائق فوجی سپہ سالار حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سپاہیوں کا دستہ دے کر بسوئے سندھ روانہ کیا، تاکہ جا کر وہ وہاں کے حالات سنواریں[233]۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو قبل ازیں بھی حضرت ابن عامر رضی

---

[231] فتوح البلدان، 1/418

[232] چچ نامہ، ص104

[233] چچ نامہ کے مطابق یہ واقعہ 40ھ یا 41ھ میں ہوا۔ (ص104)، جبکہ ابن خلدون نے اس واقعہ کی تاریخ 42ھ (تاریخ ابن خلدون 3/8)، علامہ ابن اثیر نے 43ھ (الکامل فی التاریخ 3/35) اور ایلیٹ نے 46ھ (تاریخ سندھ ص 101) لکھا ہے۔ 40ھ اور 41ھ تو اس لحاظ سے درست نہیں کہ 40ھ میں تو ابھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں بنے تھے اور 41ھ میں جب وہ خلیفہ بنے تو پھر

www.besturdubooks.net

اللہ عنہ سندھ کی طرف بھیج چکے تھے[234]۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سندھ کے مشہور مقام قیقان (قلات)[235] آکر سرکشوں اور باغیوں کی خبر لی اور ان کو خوب سبق سکھایا۔ ایک خون آشام لڑائی میں انہیں بُری طرح شکست دے کر بہت سارا مال غنیمت حاصل کر لیا۔ اس سے پورے قیقان میں آپ رضی اللہ عنہ کی دھاک بیٹھ گئی۔ لوگوں نے ڈر کے مارے آپ رضی اللہ عنہ سے امن طلب کیا اور وعدہ کیا کہ آج کے بعد وہ کبھی سرکشی نہ کریں گے۔ اب کی بار آپ رضی اللہ عنہ کو لگا کہ اب کے بعد یہ لوگ پھر سے بغاوت نہیں کریں گے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو کیا پتہ تھا کہ یہ تو ان لوگوں کی معمول کی ایک چال ہے جس پر ہر عرب سالار

جا کر انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر فرمایا، 41ھ ہی میں انہوں نے حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا جیسا کہ پیچھے تفصیل میں گزر چکا۔ اگلے برس یعنی 42ھ میں حضرت راشد یہاں سندھ میں شہید ہوئے تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ فرمایا اور تب تک سن 43ھ شروع ہو چکا تھا۔ اور رہی بات اس کے بعد کی تو 44ھ میں حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ اپنے عہدے سے معزول کر دئے گئے تھے (الکامل فی التاریخ 3/ 38) تو کیسے انہوں نے جا کر 46ھ میں کسی کو بھیجا؟

[234] تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 1/ 180

[235] قلات جسے اس وقت قیقان یا کیکانان کہا جاتا تھا، ملک سندھ کا ایک بہت بڑا اور اہم ترین علاقہ تھا۔ کیونکہ اسلامی سلطنت سے خشکی کے راستے سندھ میں داخل ہونے کا یہی ایک راستہ تھا، یہ سندھ کی سرحد پر واقع ایک اہم ضلع تھا، عرب اسی وجہ سے اس کو ثغر ہند (سرحد ہند و سندھ) بولتے تھے۔ راجہ چچ نے اس کو خصوصی توجہ دے رکھی تھی، اور یہاں غیر معمولی باصلاحیت فوجی تعینات کئے تھے، 40ھ میں چچ کی موت کے بعد اس کے بھائی راجہ چندر اور پھر چچ کے بیٹے راجہ داہر نے 48ھ تا 93ھ اس علاقے کو اپنے کمان میں رکھنے کے لیے غیر معمولی انتظامات کر رکھے تھے۔ کیونکہ انہیں اب یقین ہو چکا تھا کہ اہل عرب سندھ کو کسی بھی حال میں چھوڑنے والے نہیں، اس لیے اگر وقتی طور پر اہل عرب قیقان آکر کامیاب بھی ہو جاتے، تاہم ان کی یہ کامیابی مستقل نہیں ہوتی تھی کہ حاکم قیقان کی درخواست پر راجہ سندھ اور تازہ دم فوجی دستے روانہ کر دیتے تھے اور یوں دوسرے ہی حملے میں عرب غازی بن جانے کے بجائے شہید ہو جاتے۔ عرب کو بھی دوسرا راستہ معلوم نہ تھا سوائے اسی بلوچستان کے، اور وہ بھی اس کو فتح کیے بغیر چین سے بیٹھنے والے نہیں تھے، اس لیے قیقان پر بار بار حملے ہوتے تھے۔ ایک اور بات یہ کہ اہل قیقان کے لوگ جہاں بہادری میں مشہور تھے وہاں وہ فریب بازی، دھوکہ دہی اور دوغلہ پن کی پالیسی میں بھی کافی آگے تھے، لہٰذا جب کسی جنگ میں وہ اپنی ہار دیکھتے تھے تو فوراً اطاعت کا ناٹک کر کے اپنے آپ کو وقتی مصیبت سے چھڑا لیتے تھے اور عرب لوگ اپنی رحم دلی اور یک زبان ہونے کی وجہ سے انہیں معاف کر کے چھوڑ دیتے تھے، وہاں یہ منافق لوگ پھر سے لڑائی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتے تھے۔ اس لیے یہ علاقے بار بار فتح ہوتے تھے۔ مشہور ہے المرء یقیس علی نفسہ

www.besturdubooks.net

دھوکہ کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بھی ہماری طرح زبان کے پکے ہیں، اس لیے آپ نے ان کی بات پر یقین کر کے انہیں امن دے دیا اور خود دمشق کی راہ لی تا کہ خلیفۃ المسلمین کو جا کر نہ صرف خوشخبری سنائیں بلکہ ان کے لیے اس بار آپ رضی اللہ عنہ ایک خاص قسم کا تحفہ بھی ساتھ لے گئے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ بارگاہ خلافت میں پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مال غنیمت کے ساتھ قیقانی گھوڑے بھی پیش کر کے سرخرو ہوئے۔ اس خصوصی تحفے کو دیکھ کر خلیفہ وقت بہت خوش ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر و تعظیم کی اور اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی۔ خدا کا کرنا کہ ابھی آپ دار لخلافت میں ہی تھے کہ سندھ سے خبر آئی کہ قیقانی اپنی عادت سے مجبور ہو کر پھر سے باغی بن گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور وہیں سے اس بار صرف چند سو سپاہیوں کا دستہ لے کر واپس سندھ چلے آئے۔ لیکن افسوس کہ اس بار آپ رضی اللہ عنہ کو حوصلہ مندی نہیں بلکہ شہادت یہاں لائی تھی۔ یہاں قیقانیوں نے اس بار نہ صرف سندھ سے کمک کے لیے فوجی منگوا لیے تھے بلکہ ترکی فوجی بھی بلا لیے تھے جو پہاڑی جنگ لڑنے میں بڑے ماہر گردانے جاتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کس راستے سے یہاں آئیں گے، لہٰذا انہوں نے راستے ہی میں جا بجا اپنے سپاہی بٹھا دیے تھے جو اوپر پہاڑیوں سے آپ رضی اللہ عنہ کے لشکر پر پے در پے تیر برساتے رہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان سے برسرپیکار ہوئے تو یہاں سے یہ تازہ دم ہزاروں ترک، سندھی اور قیقانی فوج ان نہتے سینکڑوں عرب مجاہدین پر ٹوٹ پڑے۔ حالات کا جائزہ لے کر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے سر بکف مجاہدوں کو للکارا؛

" اے مہاجر اور انصار کے فرزندو! کافروں سے منہ نہ موڑنا، تا کہ تمہارے ایمان میں خلل نہ آئے۔ آؤ! اور درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ۔"

یہ سن کر چند صد مجاہدین اس بے جگری سے لڑے کہ باوجود کثرت کے، دشمن کے اوسان خطا ہو گئے۔ لیکن چونکہ دشمن ایک تو تعداد میں بہت زیادہ تھا اور دوسرا یہ کہ دشمن اوپر پہاڑوں پر اور یہ نہتے عرب سپاہی

www.besturdubooks.net

درے میں محصور تھے، اس لیے دشمن کو انہیں مارنا بہت آسان تھا۔ اس لیے انہوں نے ان کو گھیر لیا تھا لیکن مجاہدین نے ان کے کافی سپاہی واصل جہنم کئے اور پھر خود بھی فرداً فرداً سب نے شربت شہادت نوش کیا۔[236]

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے

(علامہ اقبال)

بلاذری آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں؛

ثمَّ ولى عَبْد اللَّهِ بْن عَامِر في زمن معاوية بْن أَبِي سُفْيَان عَبْد اللَّهِ بْن سوار العبدي، ويقال ولاه معاوية من قبله ثغر الهند، فغزا القيقان فأصاب مغنما، ثُمَّ وفد إِلَى معاوية وأهدى إليه خيلا قيقانية وأقام عنده، ثُمَّ رجع إِلَى القيقان فاستجاشوا الترك فقتلوه وفيه يقول الشاعر:

وابن سوار عَلَى عدته ... موقد النار وقتال السغب

وكان سخيا لم يوقد أحد نارا غير ناره في عسكره، فرأى ذات ليلة نارا فقال: ما هَذِهِ، فقالوا: امرأة نفساء يعمل لها خبيص فأمر أن يطعم الناس الخبيص ثلاثا[237]

حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت 47ھ میں ہوئی، جیسا کہ امام خلیفہ بن خیاط بصری نے تصریح کی ہے؛

سنة سبع وَ أَرْبَعِين فِيهَا غزا عَبْد اللَّهِ بْن سوار الْعَبْدي القيقان فَجمع لَهُ التّرْك فَقتل عَبْد اللَّهِ بْن سوار رضى اللَّه عنه وَعَامة ذَلِكَ الْجَيْش وَغلب الْمُشْركُونَ عَلَى بِلَاد القيقان[238]

---

[236] تاریخ خلیفہ بن خیاط 1/ 206، المحبر 1/ 154، المعارف 1/ 590، فتوح البلدان 1/ 417، الکامل فی التاریخ 3/ 35، تاریخ ابن خلدون 3/ 8، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب 1/ 240۔

[237] فتوح البلدان 1/ 417

[238] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/ 208

www.besturdubooks.net

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مکمل سوانح عمری انشاء اللہ تیسرے باب میں آئے گی، یہاں صرف اتنا بتاتا چلوں کہ آپ رضی اللہ عنہ بہت ہی سخی اور فیاض انسان تھے۔ جس کی مثال میں ایک واقعہ اوپر عبارت میں بلاذری نے درج کیا ہے۔ صاحبِ چچ نامہ نے آپ کی اس جنگ کی تفصیل کے بارے میں لکھا ہے کہ؛

"تاریخ کے مصنفوں نے مہلب سے اس طرح روایت کی ہے جس کو اس نے ہذلی سے سنا تھا اور ہذلی نے قاسم سے نقل کیا جس کا بیان تھا کہ میں نے نصر بن سفیان سے سنا ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سریر خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سواروں کے ساتھ ولایت سندھ پر مامور کیا اور اس ملک کی حکومت اس کے حوالے کی اور مزید کہا کہ سندھ میں ایک پہاڑ ہے جسے کیکانان (قیقان) کہتے ہیں، وہاں کے گھوڑے قد آور اور موزوں شکل و شباہت کے ہیں۔ تم سے پہلے وہاں کی غنیمتیں یہاں پہنچ چکی ہیں[239]۔ وہاں کے لوگ غدار ہیں اور اسی پہاڑ کی پناہ کے سبب چشمک اور سرکشی کرتے ہیں۔ ابوالحسن نے ہذلی سے روایت کی ہے کہ اس نے مسلمہ بن محارب بن زیاد سے سنا ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار کو چار ہزار سوار دے کر بھیجا۔ راستے میں کہیں پڑاؤ ڈال کر لشکر میں آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کوئی شخص آگ جلا رہا ہے[240]۔ اس کے لشکر میں کوئی بھی آگ نہ جلاتا تھا کیونکہ پکا ہوا سفری کھانا ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ آخر ایک رات لشکر میں روشنی دیکھی تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک حاملہ عورت کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تھا، اسے آگ کی ضرورت تھی[241]۔

---

239 جیسا کہ عرض ہوا کہ عبداللہ بن سوار عبدی رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ اس ملک پر فتح انے کے بعد یہاں سے مال غنیمت لے کر دربار خلیفہ میں حاضر ہوئے تھے۔ غالباً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

240 آپ رضی اللہ عنہ نے چونکہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ کوئی بھی شخص آگ نہ جلائیں، تمام تر لشکر کے لیے خوراک کا انتظام ہم کریں گے۔۔ اللہ اللہ! چند آدمیوں کے لیے نہیں، دسیوں بیسیوں اور سینکڑوں کے لیے بھی نہیں بلکہ ہزاروں آدمیوں کے لیے خوراک تیار کرنا، اور وہ بھی ایک دو وقت اور ایک دو دن کے لیے نہیں بلکہ کئی کئی دن۔۔۔ کیا عجب شان تھی جود و سخا کی۔ لمثل ھذا فلیعمل العاملون

241 بلاذری اور ابن اثیر وغیرہ مؤرخین نے اس طرح لکھا ہے کہ ایک عورت کو زچگی کے وقت حلوہ کی ضرورت تھی، اس لیے آگ جل رہی تھی، آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ تین دن تک تمام لشکر کو حلوا کھلایا جائے۔ اللہ کا کرنا کہ آج بھی وہی پہاڑی اور ڈونگری کو آپ رضی اللہ عنہ کی اسی فیاضی نسبت سے "کوہ حلوائی" کہا جاتا ہے۔ گرچہ خضدار کے لوگوں میں عام مشہور ہی ہے کہ یہ کسی بادشاہ کے

www.besturdubooks.net

پھر جب ملک کیکانان پہنچے تو دشمنوں نے غلبہ کیا لیکن لشکر اسلام نے انہیں شکست دے کر بہت سا مال غنیمت حاصل کیا[242]۔ اہل کیکانان نے اکٹھے ہو کر پہاڑی راستوں کو جا گھیرا اور چھاپہ مار جنگ شروع ہو گئی۔ عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ ہتھیار بند اور خاص آدمیوں کا ایک گروہ ساتھ لے کر جم گئے اور للکار کر کہا؛

" اے مہاجر اور انصار کے فرزندو! کافروں سے منہ نہ موڑنا، تاکہ تمہارے ایمان میں خلل نہ آئے۔ آؤ! اور درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ۔"

یہ سن کر اسلام کا پراگندہ لشکر عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے چاروں طرف اکٹھا ہو گیا۔ پھر بنی عبدالقیس میں سے ایک بہادر نے باہر نکل کر اپنا مقابل طلب کیا۔ دشمنوں کا ایک سردار آکر اس کے مدمقابل ہوا۔ یاسر بن سوار رضی اللہ عنہ بھی بنی عبدالقیس کے آدمی کے ساتھ چلا اور حملہ کر کے سردار کو ڈھیر کر دیا۔ یہ دیکھ کر اہل کیکانان کا سارا لشکر نکل آیا اور آخر کار اسلامی لشکر نے شکست کھائی۔ سارا پہاڑ مقتول سپاہ سے اَٹ گیا۔

ابوالحسن نے روایت کی کہ میں نے حاتم بن قتیبہ الباہلی سے سنا، اس نے بیان کیا کہ میں بھی اس لشکر میں تھا، میں نے دیکھا کہ حضرت ابن سوار رضی اللہ عنہ نے ایک جوان سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھیوں نے حملے کر کے کتنے ہی دشمن قتل کیے اور مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے خود بھی شہید ہوئے۔ میں مقتولوں کی تلاشی لے رہا تھا کہ مجھے مہروں سمیت سو انگوٹھیاں ملیں۔

ایک واقعہ سے مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ پہاڑ پر چڑھ گیا کہ اچانک حلوہ کھانے کی اشتہاء ہوئی۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ ابھی اسی وقت ہمارے محل میں حلوہ تیار کر کے گرم گرم ہم تک پہنچائی جائے، لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے بعد یہ پہاڑ حلوائی سے مشہور ہو گیا۔ اور ایک قول یہ بھی سننے میں آیا کہ یہاں ہندو لوگ اپنے مردے جلایا کرتے تھے، اس مردے کو یا اس رسم کو وہ " حلوان" کہتے تھے اس وجہ سے یہ حلوائی کہلایا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اصل وجہ حضرت عبداللہ بن سوار کا یہ واقعہ ہے۔ واللہ اعلم

242 ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں صاحب چچ نامہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ان دونوں حملوں کو ایک کر کے لکھا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی بار جب چار ہزار ساتھیوں سمیت حملہ کیا تھا اس میں کامیابی حاصل کر کے واپس دمشق لوٹے تھے، دوبارہ صرف چند سو ساتھیوں سمیت آئے تھے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

www.besturdubooks.net

عبد اللہ بن عبد الرحمٰن عبدی نے کہا کہ میں نے ان کی جنگ کے اشعار یعنی رجز سنے ہیں جو کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کہے گئے تھے۔[243]

جناب مولانا عبد الحلیم شرر صاحبؒ نے صاحب چچ نامہ کے اس متذکرہ بالا عبارت پر تبصرہ کر کے لکھا ہے کہ؛

" چچ نامہ کے مصنف نے جو لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن سوار کو چار ہزار سواروں پر سردار مقرر کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ تم جا کر سندھ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لو۔ وہاں جو کوہستان قیقان کے نام سے مشہور ہے اس میں نہایت عمدہ اور پورے قد و قامت کے گھوڑے ہوتے ہیں، اس سے پیشتر وہاں سے گھوڑے آچکے ہیں۔ لیکن وہاں کے لوگ بڑے شریر ہیں اور اپنے کوہستانی دروں کے باعث ہمیشہ سرکشی کی پاداش سے بچ جاتے ہیں۔" یہ غالباً عبد اللہ بن سوار کے دوسرے سفر سے متعلق ہے، گو جناب معاویہ کے بیان میں ایسے الفاظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا عبد اللہ بن سوار کو پہلے پہل روانہ کر رہے ہیں لیکن یہ الفاظ شاید ناواقف مؤرخین کے ذاتی تصرف سے پیدا ہو گئے ہیں۔"[244]

دراصل شرر صاحب اس عبارت کو صحیح سمجھ نہ پاسکے تھے کیونکہ یہ کسی مؤرخ کے ذاتی تصرف سے نہیں بلکہ خود صاحب چچ نامہ کے اختصار کی وجہ سے ابہام پیدا کر رہے ہیں۔ درحقیقت اس عبارت میں حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی دونوں مرتبہ یہاں آنے کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہیں سے جناب شرر صاحب کو غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اگر غور سے چچ نامہ کے اس مندرجہ بالا عبارت کو پڑھا جائے جو ہم ذکر کر چکے ہیں، تو معلوم ہو جائے گا کہ اس میں "جب کیکانان پہنچے تو دشمنوں نے غلبہ کیا لیکن لشکر اسلام نے انہیں شکست دے کر بہت سارا مال غنیمت حاصل کیا" یہاں تک کی عبارت اول بار آنے کی ہے اور اس کے بعد والے الفاظ میں دوسری بار سندھ آنے کی روئیداد ذکر ہے اور بس۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[243] چچ نامہ، ص104-105

[244] تاریخ سندھ، ص 102

www.besturdubooks.net

حضرت حارث بن عبد اللہؓ کا والی بصرہ مقرر ہونا

44ھ میں عبد اللہ بن سوار عبدی رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دکھ پہنچا اور انہوں نے اس دیرینہ مسئلے کے حل کے لیے کوئی مستقل حل ڈھونڈنے پر غور کرنا شروع کیا۔ اس بابت انہوں نے ان علاقوں کے ماہر حضرات میں سے اپنے بھائی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو بلا کر مشورہ لیا کہ اس شورش کا کیا کیا جائے؟

حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ چونکہ نہایت رحم دل انسان تھے اس لیے انہیں اسی رحمدلی کی وجہ سے معزول کیا گیا کیونکہ یہ طے پایا کہ ان کی رحمدلی اسی راستے میں آڑے آرہی ہے۔ لہٰذا ان کی جگہ حارث بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر کردیا گیا[245]۔ کیونکہ ابن عامر رضی اللہ عنہ وہ قتل وقتال برپا نہیں کرتے جو ایک فاتح کے لیے درکار ہوتی ہے۔ اور یہی "اچھائی" ان کی خامی تھی جس کا فائدہ اٹھاکر وہاں کے مقامی غیر مسلم سرکشی اور بغاوت کرنے پر اتر آتے تھے۔

حضرت مہلّبؒ بن ابی صفرہؒ کے حملے

44ھ میں عبد اللہ بن سوار کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ غمزدہ ہوئے اور اب کی بار وہ اس مصیبت یعنی بار بار بغاوت کا سدباب چاہتے تھے۔ اس بابت امور سندھ کے ماہرین سے مشورہ لیا تو معلوم ہوا کہ گورنر کابل حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبیلہ ازد کا ایک سردار جس کا نام حضرت مہلب بن ابی صفرہ ہے، موجود ہیں، اگر انہیں یہ ذمہ داری سونپی جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ اس مسئلے کا کوئی بہتر حل ڈھونڈ نکال لیں کیونکہ وہ صحابی رسول ہوتے ہوئے مذکورہ مشرقی ممالک کے ماہر بھی ہیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا انتخاب کیا کہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ ازدی عتکی رضی اللہ عنہ ان کے زیر کمان رہ چکے تھے اور انہیں حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی بہادری اور تجربہ کاری کا پوری طرح احساس تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس نامور سردار اور قابل سپہ سالار حضرت مہلب بن ابی

---

245 البدایہ والنہایہ، 8/31

www.besturdubooks.net

صفرہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی کہ جا کر سندھ کی حالت سنواریں اور باغیوں کا قلع قمع کریں۔ اس لیے انہوں نے فی الفور حضرت مہلب بن ابی صفرہ کو اس طرف بھیجا۔ جنھوں نے موجودہ بلوچستان کے بجائے درہ خیبر والا راستہ اپنایا اور اس طرف سے سندھ میں گھسنے کی کوشش کی۔ خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں؛

سنة أَربع وَأَرْبَعين فيهَا غزا الْمُهلب بْن أَبِي صفرَة أَرض الْهِنْد فَسَار إِلَى قندابيل ثمَّ أَخذ إِلَى بنة وَألا هور وهما فِي سفح جبل كابل فَلَقِيَهُمْ عَدو هَزَمَهُمْ الله وملأ الْمُسلمُونَ أَيْديهم وَانْصَرفُوا سَالِمين[246]

یعنی 44ھ میں حضرت مہلب نے قندابیل، بنوں اور لاہور فتح کیا لیکن خلیفہ نے اس میں تقدیم و تاخیر سے کام لیا ہے کیونکہ قندابیل بنوں اور لاہور کے بعد فتح ہوئے تھے۔ بلاذری لکھتے ہیں؛

غزا المهلّب بن أبي صفرة في سنة 44 ھ أيام معاوية ثغر السند فأتى بنّة ولاهور، وهما بين الملتان وكابل، فلقيه العدوّ فقتله المهلّب ومن معه، فقال بعض الأزديين:

ألم تر أنّ الأزد، ليلة بيّتوا ببنّة، كانوا خير جيش المهلّب[247]

حضرت زیادؓ کا بحیثیت والی بصرہ تعیناتی

45ھ میں ہی پھر حضرت حارث بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو بھی معزول کر کے حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ تعینات کیا گیا۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ ان مشرقی ممالک کے بڑے ماہر تھے، اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں گورنر بصرہ مقرر کیا۔ اور جیسا کہ معلوم ہے کہ والی بصرہ کے پاس سندھ وغیرہ ممالک بھی تھے۔ بصرہ کے مشہور اور مستند مؤرخ علامہ خلیفہ بن خیاطؒ کے الفاظ یہ ہیں؛

سنة خمس واربعين فِيهَا عزل مُعَاوِيَة ابْن عَامرعَن الْبَصْرَة وَولى الْحَارِث بْن عَمْرو فقدم فِي أول السّنة ثمَّ عَزله وَولى زيادا فَقدم الْبَصْرَة فِي شهر ربيع فَقتل سهم بْن غَالب الهُجَيْمِي الَّذِي كَانَ خرج بِنَاحِيَة جسر الْبَصْرَة وصلبه وفيهَابعث ابْن عَامر عَبْد اللَّهِ بْن سوار الْعَبْدي فَافْتتحَ

---

[246] تاریخ خلیفہ، 206/1

[247] معجم البلدان، 501/1

www.besturdubooks.net

القيقان وَأصَاب غَنَائِم وقاد مِنْهَا خيلا فَأصل البراذين القيقانية من نسل تِلْكَ الْخَيل ثمَّ قدم واستخلف حزاز بْن كراز الْعَبْدي وَقدم عَلَى مُعَاوِيَة فَرده إِلَى عمله وعزل ابْن عَامر [248]

گورنر بصرہ حضرت حارث بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کو سندھ میں کارروائیاں جاری رکھنے کا حکم جاری کر دیا۔ واقعی حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ ایک قابل فوجی اور دور اندیش سیاستدان تھے، انہوں نے سوچا کہ قیقان کے راستے سندھ میں دخول کے ہم بارہا کوشش کر کے بھی ناکام رہے۔ اس لیے اسی راستے پھر سے ناکام سعی کرنے کے بجائے کوئی اور متبادل راستہ ڈھونڈنا چاہیے تاکہ ہمارا نقصان بھی نہ ہو اور کامیابی بھی مل جائے۔ انہوں نے اب کی بار ایک نیا منصوبہ تیار کر لیا اور یوں وہ کابل سے ہوتے ہوئے ہلمند آئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے درہ خیبر آئے [249]۔

پشاور کی تاریخی حیثیت

یہاں سے حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے موجودہ پشاور اور اس کے آس پاس کے علاقے فتح کر لیے اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ یاد رہے کہ اُس وقت پشاور نامی کوئی جگہ موجود نہیں تھی بلکہ یہاں شاید کوئی گاؤں موجود ہوں، لیکن قصبہ یا شہر بالکل نہیں تھا ورنہ پھر مؤرخین اس کا ضرور ذکر کرتے، جیسا کہ بنوں اور صوابی والے لاہور کا انہوں نے باقاعدہ ذکر کیا ہے [250]۔ پشاور کا بھی لازمی ذکر کرتے اگر یہاں کوئی قابل ذکر مقام ہوتا۔ راقم نے پشاور سے متعلق موجود پشتو، اردو، انگریزی اور عربی میں لکھی گئی تاریخی کتابیں کھنگال کر دیکھیں لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا کہ صحابہ اور تابعین کے دور میں یہاں قابل ذکر

---

[248] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/207

[249] میرے خیال میں یہ خیبر نام بھی ان ہی کا رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ شاید یا تو ان کو یہ علاقہ اپنے خیبر کے علاقے جیسا لگا ہوگا اور یا پھر یہاں موجود قلعہ خیبر کی طرح تھا، جسے انہوں نے فتح کیا تھا اور پھر اسی جگہ انگریز نے بھی قلعہ تعمیر کرایا جو آج بھی "قلعہ شاہ گئی" کے نام سے موجود ہے۔ واللہ اعلم

[250] معجم البلدان؛ 1/500، فتوح البلدان؛ 1/417، الکامل فی التاریخ؛ 3/42

www.besturdubooks.net

مقام موجود نہیں تھا[251]۔ تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے کہ پشاور کا ذکر پہلی بار چوتھی صدی ہجری میں امیر ناصر الدین سبکتگین کے تذکرے میں آتا ہے، کیونکہ اس کے عہد میں موجودہ پاکستان ہندو راجہ جے پال کی حکومت تھی۔ مؤرخ ہند محمد قاسم فرشتہ اس کی سلطنت کے بارے میں رقم طراز ہیں؛

" راجہ استپال کا بیٹا راجہ جے پال جو برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا اور جس کی سلطنت سرہند سے لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ "[252]

چنانچہ 380ھ کے لگ بھگ یہاں پر مسلم ہندو کے دو عظیم الشان لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ ہندو راجہ جے پال کے لشکر میں ایک لاکھ سوار اور ان گنت پیدل سپاہی تھے جبکہ اس کے مد مقابل اسلامی لشکر تعداد میں بہت کم تھا۔ دونوں طرف سے بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے تھے۔ تاہم بقول فرشتہ فتح بہر حال مسلمانوں کو نصیب ہوئی اور یوں پشاور تک کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا[253]۔

اس کے بعد سلطان محمود غزنوی جب شوال 391 ہجری میں پشاور آیا تھا تو ہندو راجہ جے پال ایک بار پھر یہاں تک ایک لشکر جرار سمیت آیا اور اسلامی لشکر کو روکنے اور مزاحمت کی ناکام کوشش کی تھی۔ لیکن اس میں وہ مکمل طور پر ناکام رہا۔ اسلامی لشکر اس کی حتی المقدور کوششوں کے باوجود نہ رُکا اور آگے بڑھکر صوابی کی راہ " ہنڈ " پر سے ہند میں داخل ہوا تھا۔

---

[251] 1870ء میں لکھی گئی " تاریخ پشاور " میں منشی گوپال داس، 1872ء اور 1897ء کی انگریزی رپورٹس اور گزیٹر، 1905ء میں مولوی میر احمد کی " تاریخ سرحد " ، حسن دانی کی " ہسٹری آف پشاور " اور محمد شفیع صابر کی " تاریخ سرحد " سمیت درجنوں مہیا کتب کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اس بارے میں سر اولف کیرو نے اپنی کتاب "پٹھان" میں جو لکھا ہے کہ اس سارے علاقے کو پشکلاتی کہا جاتا تھا جو کہ قبل از مسیح میں اس نام سے مشہور تھا، تو اس سے انکار نہیں بلکہ وکی پیڈیا پر موجود ریسرچ آرٹیکل کے مطابق کہ یہ قبل از مسیح گندھارا (ٹیکسلا) کا حصہ تھا تو اس سے بھی انکار نہیں۔ بحث کا اصل مدعیٰ یہ ہے کہ دور صحابہ میں پشاور یا اس کے قریب کوئی نامور جگہ تھی بھی کہ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر موجود تھی تو بنوں اور لاہور کی طرح اس کا ذکر کیوں نہیں؟ اور اگر ایسی جگہ نہیں تھی تو پھر یہاں صحابہ کیسے دفن ہوئے؟

[252] محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اردو مترجم، عبدالحئی خواجہ)، المیزان لاہور، 2008ء، ص52

[253] تاریخ فرشتہ، ص52

www.besturdubooks.net

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے؛

"سلطان محمود نے اپنے آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ سلطنت کی مہمات سے فارغ ہو کر ہندوستان پر حملہ کرے گا اور غیر مسلموں سے لڑائیاں لڑے گا۔ اب اس نے عہدہ کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا اور یہ طے کیا کہ تقریباً ہر سال ایک خاص موسم میں ہندوؤں سے معرکہ آرائی کرے گا چنانچہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے شوال 391ھ میں دس ہزار لشکریوں کے ساتھ غزنی سے پشاور آیا۔ راجہ جے پال بھی ایک زبردست لشکر کے ساتھ جس میں بارہ ہزار سوار اور بتیس ہزار پیادے اور تین سو ہاتھی تھے، محمود کے مقابلے پر نکلا۔ 8 محرم 392ھ بروز دوشنبہ دونوں حکمرانوں کے لشکر آپس میں معرکہ آراء ہوئے۔ فریقین نے بڑی مردانگی اور دلیری سے ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ فتح سلطان محمود کو نصیب ہوئی۔ لہٰذا وہ اسلامی فاتح ہونے کی وجہ سے محمود غازی کے نام سے مشہور ہوا۔ راجہ جے پال پندرہ اشخاص کے ساتھ جو اس کے بیٹے اور رشتہ دار تھے، گرفتار ہوا۔ اس کے لشکر کے پانچ ہزار سپاہی تہہ تیغ کیے گئے اور باقی بدحواس و پریشان ہو کر فرار ہو گئے۔ اس معرکے میں بہت سامال واسباب محمود کے ہاتھ لگا۔ اور سلطان محمود پشاور سے پہندہ کے قلعہ میں گیا اور اس کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کیا۔"[254]

یعنی یہاں پر سبکتگین اور جے پال کے درمیان جو خون آشام لڑائی لڑی گئی تھی جو کئی دنوں تک جاری رہی جس میں جہاں ہندوؤں کے بے شمار فوجی ہلاک ہوئے، وہاں مسلمان سپاہی بھی بہیترے شہید ہوئے اور پھر جب سلطان محمود اور راجہ جے پال کے مابین نتیجہ خیز جنگ ہوئی جس میں بالآخر سلطان نے انہیں تہ وبالا کر دیا تھا۔ اس میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ مسلمان بھی کافی مقدار میں شہید ہوئے تھے۔ جن کی قبریں آج بھی یہاں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ اور قابل ذکر ان میں "اصحاب بابا" کا مزار بھی ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ یہ کوئی صحابی نہیں، البتہ یہ سبکتگین یا محمود غزنوی کے وقت کے شہداء ہیں۔

---

[254] تاریخ فرشتہ، 1/ 62

www.besturdubooks.net

اسی مزار کے آس پاس ایک بہت بڑا قبرستان ہے جس میں اسی وقت کے شہداء مدفون ہیں۔[255]

اس شہر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کا پشاور شہر اصل میں مغل دور کی یادگار ہے۔ جلال الدین اکبر نے تقریباً 1580ء کے لگ بھگ اس شہر کو از سر نو آباد کیا تھا۔ اور حفاظت کے لیے پھر ایک قلعہ بھی بنوایا جسے " قلعہ بالا حصار" کہتے ہیں۔ یہاں چونکہ مختلف پیشوں سے متعلق لوگ آباد کرائے گئے تاکہ مغل حکومت کو جب بھی ضرورت پڑے ، ان کی دستیابی آسان ہو۔ ضروری نہیں اور نہ ہی کسی کتاب میں ہے لیکن اس لیے عین ممکن ہے کہ اس کو اسی وجہ سے کہ یہاں پر مختلف پیشوں کے ماہرین رہتے تھے، فارسی زبان میں اسے "شہر پیشہ ور" کہتے تھے جو بعد میں " پیشاور" اور آخر میں یہ شہر "پشاور" بن گیا[256]۔ اس کی قدامت سے انکار نہیں، تاہم نام اور جگہ کے بارے میں کوئی

---

[255] پشاور یونیورسٹی کے قریب واقع پروفیسر کالونی بھی اسی وقت کے شہداء کی قبروں کے قریب بنی ہوئی کالونی ہے۔ جیسا کہ وہاں پر موجود بعض اہل دانش نے راقم کو بتایا۔ میرے نہایت قابل قدر بزرگوار محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبد الرشید صاحب نے بتایا کہ یہاں زیر زمیں شہداء اسلام آسودہ خواب ہیں جن کے آثار کبھی کبھار نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق مولانا روح اللہ صاحب یوسفزئی (پی ایچ ڈی اسکالر) نے بھی کی انہوں نے مزید بتایا کہ یہ وہ شہداء ہیں جو محمود غزنوی کے ساتھ آئے تھے اور یہاں پر کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

[256] اگر پشاور شہر کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اصل پشاور شہر کو اب " اندرون شہر " یا "اندر شہر " کہا جاتا ہے، جہاں آج بھی وہ لوگ رہتے ہیں جو مغل دور میں وسط ایشیاء اور ایران سے آئے تھے بلکہ لائے گئے تھے کہ وہ مختلف پیشوں میں مہارت رکھتے تھے، اور ان کے الگ محلے تھے، جو آج بھی ان کے ناموں پر موجود ہیں، مثلاً محلہ زرگراں، محلہ حداد، محلہ سیٹھاں وغیرہ۔ یہ چونکہ ایک تجارتی منڈی بھی تھی اس لیے یہاں پر پیپل منڈی، نمک منڈی اور گڑ منڈی وغیرہ مقامات اب بھی ہیں۔ سیٹھی ایک قوم ہے جو اسی دور میں وسط ایشیاء سے یہاں آئی تھی۔ اس سے جہاں اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ یہ شہر یقیناً پیشہ ور لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہاں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں کوئی آبادی اس وقت تک موجود نہیں تھی، یہ پختون لوگ گرچہ 1500ء کے لگ بھگ آکر یہاں آباد ہوئے تھے، تاہم ان کی بود و باش چونکہ دیہاتی تھا نہ کہ شہری اور دوسری بات یہ کہ جب نو وارد پختون قبائل نے موجودہ پشاور کے قریب " شاہ عالم پل" کے پاس 1520ء کے لگ بھگ جو جنگ لڑی تھی تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہیں پر پشاور نامی کوئی جگہ موجود نہیں تھی۔ مغل دور میں یہ شہر ایک قلعہ کے اندر آباد تھا جس کے دروازوں کے نام آسیا دروازہ، ہشت نگری دروازہ، لاہوری دروازہ وغیرہ اب بھی موجود ہیں۔ گرچہ ہند اور افغانستان آتے جاتے مغل بادشاہ سرائے کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے لیکن چونکہ یہ دراصل پیشہ ور لوگوں کے لیے بنایا گیا تھا اس لیے اس کی شہرت بھی اسی نام سے ہوئی بعض مؤرخین نے اس شہر کے پرانے نام " پرشاپور اور باگرام" وغیرہ ذکر کیے ہیں کہ مغل

www.besturdubooks.net

صراحت موجود نہیں ہے اور ویسے بھی تاریخ کا دارومدار قیاسیات اور احتمالات پر مبنی ہے اس لیے ممکنات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ باقی من حیث المسلم ہمارا عقیدہ ہے کہ اصل عالم اللہ ہی ہے۔

اس طویل بحث کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں گرچہ یہاں پر کسی آبادی کا امکان بعید از قیاس نہیں تاہم یہاں پر کسی شہر یا بڑے قصبے کی موجودگی بعید از قیاس ہے۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں پر راجہ جے پال کی طرح راجہ چچ نے بھی کوئی فوجی چھاؤنی مقرر کی تھی جس سے حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کے لشکر نے مقابلہ کیا ہو اور اسی جنگ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے شہادت پائی ہو اور پھر ادھر کہیں مدفون ہوئے ہوں۔ یا یہ بھی ہے کہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ جب یہاں وارد ہوئے تھے تو عین ممکن ہے کہ یہاں کے مقامی لوگوں نے مزاحمت میں ان سے جنگ کی ہو اور اس جنگ میں صحابہ شہید ہو کر یہاں زیر خاک دفن کردیے گئے ہوں۔ اگر مانا جائے کہ اگر ایسا ہو بھی گیا ہو تو پھر بھی ان کی قبروں اور جائے شہادت کی شناخت کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا کیونکہ کسی کتاب میں ہمیں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اور جہاں تک پشاور میں موجود اصحاب بابا کے مزار کا تعلق ہے تو یہ امکان اپنی جگہ کہ شاید یہاں بھی اصحاب النبی ﷺ سوئے ہوں لیکن جہاں تک اس میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی کا دعویٰ ہے تو وہ بے بنیاد اس لیے ہے کہ ایک تو ان کا یہاں آنا بھی ثابت نہیں اور دوسری بات یہ کہ ان کی قبر تو خضدار میں ہے، اب ایک انسان کیسے دو الگ مقامات میں دفن کیا جاسکتا ہے؟

فرمانروا بابر کی سوانح عمری "تزک بابری" اور پشتو شاعر عبدالرحمٰن بابا کے اشعار میں ایسے نام پڑھنے کو ملتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض قیاس آرائی ہے کیونکہ یہ کسی دوسرے مقام کے نام بھی تو ہو سکتے ہیں کیونکہ خود عبدالرحمٰن بابا کا ایک شعر ہے؛

پہ سبب د ظالمانو حاکمانو　　　اور او گور او پیخور درے واڑہ یو دی

اس شعر میں پشاور لکھا گیا ہے، یاد رہے کہ پشتو میں پیشاور کو پیخور کہا جاتا ہے جس طرح نوشہرہ کو نوخار کہا جاتا ہے۔ اور ایک اہم بات یہ کہ آج بھی اگر پشاوریوں سے پوچھا جائے کہ پشاور کے اصل باشندے کون ہیں؟ تو جواب میں یہی کہیں گے کہ " ہندکو بولنے والے "۔ ان کو مقامی زبان میں " خاریان " کہا جاتا ہے یعنی اس شہر کے اصل باشندے۔ اور کمال کی بات یہ کہ وہ آج بھی آریائی زبان " ہندکو " بولتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ پہلے وقت میں پشاور کا اطلاق پورے صوبے پر ہوتا تھا جیسا کہ 1870ء میں منشی گوپال داس کی مرتبہ کتاب "تاریخ پشاور" سے ثابت ہوتا ہے۔

www.besturdubooks.net

اس پر مستزاد یہ کہ یہاں حضرت سنان کی تاریخ شہادت 44ھ لکھی گئی ہے، حالانکہ وہ تو 48ھ میں پہلی بار یہاں سندھ (پاکستان) آئے تھے، پاکستان کے صوبہ بلوچستان جسے اس وقت "ثغر ہند" کہتے تھے، آئے تھے نہ کہ پشاور۔ اور تعجب تو یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ 72ھ میں بصرہ کے حاکم رہ چکے تھے تو کیسے 44ھ میں شہید ہوئے؟ اس پر تحقیقی بحث تیسرے باب میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے ذیل میں لکھی گئی ہے، وہاں جا کر مطالعہ کریں۔

فتح لاہور (صوابی)

افغانستان کے علاقہ ہلمند سے براستہ درہ خیبر موجودہ صوبہ پختونخوا آنے میں گرچہ پہاڑوں کی مہیب پیچیدگیاں موجود تھیں تاہم یہ سب حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی کے سامنے ہیچ تھا[257]۔ آپ رضی اللہ عنہ موجودہ پشاور اور نوشہرہ کے علاقوں سے سے ہوتے ہوئے صوابی پہنچ گئے[258]۔ جہاں پر ویہند (موجودہ ہنڈ)[259] کے گھات سے دریائے سندھ عبور کر کے انہیں ملک سندھ میں اندر جا کر گھسنا تھا۔ صوابی پہنچ کر یہاں کا مشہور شہر لاہور فتح کیا[260]، جو آج بھی لاہور سے معروف ہے۔ البتہ اسے اب چھوٹا لاہور کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے باب اول میں گزر چکی ہے کہ بلاذری اور حموی نے جس لاہور کا تذکرہ کیا ہے، دراصل وہ یہی صوابی والا لاہور تھا، نہ کہ پنجاب والا لاہور۔

---

[257] شرر صاحب نے تاریخ سندھ میں صفحہ 102 پر لکھا ہے کہ اس راہ کے موجد حضرت مہلب بن ابی صفرہ ہیں، ان کے بعد پھر محمود غزنوی وغیرہ نے اس پر ہند کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ اس راستے پر بہت پہلے سکندر اعظم اور دارا وغیرہ فاتحین وارد ہند ہوئے تھے۔ ہاں بحیثیت مسلم سپہ سالار ایسا کہنا درست ہے۔

[258] صوابی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس جگہ پہنچ کر اس لشکر کے سالار صحابی رسول ﷺ حضرت مہلب بن صفرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف صحابی رسول ﷺ سے کرایا، جسے سن کر مقامی لوگ متعجب ہوئے اور بار بار اس لفظ کو دہراتے رہے حتیٰ کہ یہ نام اس جگہ پر لاگو ہو گیا۔ اور یا پھر یہاں جو صحابی رسول ﷺ شہید ہوئے تھے، انہیں دفنانے کے بعد ان کی قبر کی وجہ سے وہی جگہ صحابی سے مشہور ہوئی کہ یہاں صحابی مدفون ہیں اور بعد میں یہ لفظ مرور زمانہ کے ساتھ صحابی سے صوابی بن گیا۔ (تاریخ صوابی، ص 56)

[259] چونکہ یہاں سے ہند شروع ہوتا تھا اس لیے اس کو "ہنڈ" کہا جاتا تھا جو اب بھی اسی نام سے مشہور ہے۔

[260] تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/239، فتوح البلدان 1/429، البدایہ والنہایہ 9/42

www.besturdubooks.net

غزا المهلّب بن أبي صفرة في سنة 44 ھ أيام معاوية ثغر السند فأتى بنّة ولاهور، وهما بين الملتان وكابل، فلقيه العدوّ فقتله المهلّب ومن معه، فقال بعض الأزديين:

ألم تر أنّ الأزد، ليلة بيّتوا ببنّة، كانوا خير جيش المهلّب [261]

بعض ناواقف مؤرخین اس سے پنجاب والا لاہور مراد لیتے ہیں لیکن اگر حموی کے اس اگلے جملے پر غور کیا جائے کہ "یہ دونوں شہر بنوں اور لاہور، کابل اور ملتان کے مابین ہیں" تو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ اس سے مراد کونسالاہور ہے۔ کیونکہ پنجاب والا لاہور ملتان سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلے پر واقع ہے جبکہ کابل یہاں سے ایک ہزار کلومیٹر سے بھی زیادہ فاصلے پر ہے، ایسے میں خود سوچئے کہ کونسالاہور مراد ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایک تو پنجاب والا لاہور اسوقت تھا نہیں اور دوسری بات یہ کہ پنجاب میں داخل ہی کب ہوئے تھے؟ یہ تو دریائے سندھ سے واپس ہو گئے تھے جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔ اگر پنجاب والا لاہور فتح ہو جاتا تو پھر حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کا یہ اسلامی لشکر ضرور آگے سندھ کے دارالخلافت پر جا کر قابض ہو جاتا کہ ان کا اصل مقصد بھی تو یہی تھا۔ اور یہ بھی کہ پنجاب والا لاہور اگر فرض کریں تھا بھی تو وہ اُس وقت صوبہ ملتان کا حصہ تھا جو کہ ملتان سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلے پر ہے، دوسری طرف اس لاہور سے کابل کتنا دور ہے؟ ایسے میں یہ کہنا کہ لاہور کابل اور ملتان کے مابین واقع ہے، محض ایک خوش فہمی ہی ہو سکتی ہے۔ اس لیے تو اردو دائرہ معارف اسلامیہ جو اردو زبان کی بڑی انسائیکلوپیڈیا ہے، اور جو پنجاب والے لاہور میں لکھی اور چھپی ہے اس میں لکھا ہے کہ؛

" بلاذری (م279ھ /892ء) نے اپنی تالیف میں جس لاہور کا ذکر کیا ہے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو کہ اٹک اور ویہند کے درمیان کہیں آباد تھا۔" [262]

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف خود تسلیم کرتے ہیں کہ بلاذری اسی صوابی والے لاہور کا ذکر کرتا ہے، اور دوسری طرف پھر اسے ایک " چھوٹا سا گاؤں " لکھتے ہیں۔ یہ بات اگر مجھ جیسے عام لکھاریوں نے

---

[261] معجم البلدان، 1/501

[262] اردو دائرہ معارف، 1/18

www.besturdubooks.net

لکھی ہوتی جیسا کہ کئی اور مؤرخین نے لکھی ہے[263]، تو کوئی بات نہیں تھی لیکن یہ تو حضرات محققین ہیں، ان سے ایسی خطا کیسی ہوئی؟ ان سے عاجزانہ گزارش ہے کہ کیا وہ راقم کے اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں کہ آیا اس دور میں ایک عرب مؤرخ یہاں کے کسی "چھوٹے سے گاؤں" کا ذکر کر سکتا ہے کہ عرب جیسے عالمی فاتحین نے یہاں کے ایک "چھوٹے سے گاؤں" کو فتح کر لیا تھا، جسے لاہور کہا جاتا تھا؟ اور کیا یہاں پر بنوں اور لاہور کے علاوہ اور کوئی " چھوٹا گاؤں " نہیں تھا جس کا وہ ذکر کرتے، یا پھر اس پورے علاقے میں صرف یہی دو "چھوٹے ہی سے گاؤں " تھے اور اس کے علاوہ کیا یہاں اور کوئی آبادی نہیں تھی؟

اسی " چھوٹے سے گاؤں " کو قاضی اطہرؒ نے علامہ حمویؒ کے حوالے سے "مدینۃ عظیمۃ فی بلاد الہند" لکھا ہے[264]۔ علامہ یاقوت حموی نے اس بڑے شہر لاہور کے قریب والے کئی مقامات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً زیدان (زیدہ) اور کرنبار (کڑامار) وغیرہ[265]۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے صوابی میں موجود اہم مقامات کو بھی فتح کیا تھا۔ یاد رہے کہ لاہور کو بعض عرب حضرات الاھواز بولتے تھے اور الاھواز، خوزستان کو بھی کہتے تھے۔ بس یہاں سے ایک اور غلط فہمی پیدا ہو گئی اور دونوں شہروں کے ذکر سے ابہام نے جنم لے لیا۔ کیونکہ خوزستان ایک مشہور علاقہ تھا جہاں مسلمان کافی عرصہ رہے اور یہاں تو بس حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں چند دنوں کے لیے آئے تھے، اس لیے اگر اِس لشکر کے کسی راوی نے الاھواز کا ذکر کیا بھی ہو تو چونکہ عام مؤرخین نے اس کے بارے میں کم ہی سنا ہوا تھا بلکہ شاید سنا ہی نہیں، اس واسطے الاھواز کو اس لاہور کے بجائے بھی خوزستان سے منسوب کیا جاتا۔ اور دوسری اہم بات یہ کہ عرب اکثر نام بھی تبدیل کر لیتے تھے کیونکہ بعض الفاظ وہ بول نہیں سکتے تھے عربی زبان میں نہ ہونے کی وجہ سے اور بعض انہیں اچھے نہیں لگتے تھے۔

---

263 العقد الثمین، ص 92۔ حالانکہ قاضی صاحب بھی عام مؤرخ نہیں بلکہ ایک محقق ہیں لیکن یہ ان کے علم میں نہ آسکا۔ کیونکہ وہ تو دراصل ہندوستان کے تھے۔ کیونکہ وہ خود ہی ایک اور جگہ اسے " مدینۃ عظیمۃ" کہتا ہے۔

264 ایضاً، ص 92

265 معجم البلدان، 3/163، 4/457

www.besturdubooks.net

بہر کیف صوابی والے لاہور کے قریب جن دو مقامات کا علامہ حموی (م626ھ) نے ذکر کیا ہے ان میں ایک کڑامار ہے جو لاہور کے قریب ایک مشہور پہاڑ ہے اور صوابی میں ہی نہیں پورے پختونخوا میں اس کی شہرت ہے کیونکہ اس سے پختونوں کی ایک مشہور لوک کہانی "یوسف خان شیر بانو" منسوب ہے، اسی کڑامار کے قریب کالو خان نامی ایک گاؤں ہے جس میں ایک نہر ہے۔ علامہ حموی مزید اس نہر کا ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ جب حضرت مہلب رضی اللہ عنہ یہاں پہنچے تو انہوں نے یہاں کے لوگوں کو بھی اپنا مطیع بنایا تھا۔ اور یہ نہر "کرنبا" نامی شخص نے کھودوایا تھا[266]۔ اسی کرنبا کی نسبت یہاں موجود ایک بڑے پہاڑ کا نام بھی کڑہ مار ہو گیا۔ کہ یہی کرنبا جا کر زبانوں کی تبدیلی اور مرور زمانہ کی وجہ سے بعد میں کرم ما، کرہ ما، کڑاما اور آخر میں کڑا مار بن گیا۔ جو آج بھی کڑامار کے نام سے موجود ہے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ

یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ لاہور ہنڈ اور اٹک کے مابین نہیں جیسا کہ اردو دائرہ معارف میں لکھا گیا ہے بلکہ اس کے قریب واقع ہے کیونکہ اٹک دریائے سندھ کے جنوب میں اور ہنڈ دریا کے شمال میں ہے۔ اور ان کے درمیان میں دریا سندھ بہتا ہے۔ بہر حال جو بھی ہے، حاصل بحث یہ ہے کہ بلاذری، حموی، ابن اثیر، ابن کثیر اور امام ذہبی وغیرہ حضرات نے جس لاہور کا ذکر کیا ہے، اس لاہور سے مراد یہی صوابی والا لاہور ہے نہ کہ پنجاب والا لاہور۔ صوابی والے لاہور کی قدامت جاننے کے لیے راقم کی کتاب " تاریخ صوابی" اور اسی لاہور کے عالم فاضل مؤرخ میر سید بخاری کی کتابیں "لاہور تاریخ کے آئینے میں " اور " تاریخی لغزشیں " مطالعہ کیجیے گا۔

دریائے سندھ پر ویہند (ہنڈ) نامی گھاٹ تھا جس کے ذریعے لوگ ملک سندھ داخل ہوتے تھے۔ گرچہ ملک سندھ افغانستان کے ہلمند تک پھیلا ہوا تھا، تاہم یہاں ان کی حکومت کی وہ صورتحال نہیں تھی جس طرح قیقان کی طرف سے موجود تھے، اور اسی کا بھرپور فائدہ اٹھایا حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے تبھی تو انہوں نے اس راستے کو حملے کے لیے منتخب کیا تھا[267]۔

---

[266] ایضاً، 4/457

[267] تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی، ص 37

www.besturdubooks.net

ویہند کو آج کل ہنڈ کہتے ہیں جہاں آج بھی سکندر اعظم کی یادگار موجود ہے۔اور ایک بہت ہی پرانے قلعے کے آثار بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔

چھچھ (اٹک)

اُس وقت اس گھاٹ کے بالکل سامنے دریا پار راجہ چچ نے اپنے دور حکومت میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا تھا، جس کو تسخیر کرنا محال نہ سہی بہت مشکل ضرور تھا۔یہی قلعہ چچ کے نام سے مشہور تھا اور آج بھی یہ علاقہ اسی نام یعنی "علاقہ چچ" سے مشہور ہے، البتہ اب اسے چھچھ لکھا اور کہا جاتا ہے۔جہاں پر اکثریت سے پختون لوگ رہائش پذیر ہیں تاہم ان کی زبان ہندکو ہے، گرچہ ان میں ابھی تک پشتو بولنے والے بھی ہیں لیکن ان کی پشتو ایسی ہے جیسا کہ پختونوں کی اردو، ہاں ان میں بعض لوگ ایسے موجود ہیں جو اب بھی ہندکو زبان پر عبور رکھنے کے باوجود خالص پشتو بھی بول لیتے ہیں تاہم ایسے لوگ کم ہیں۔[268]

فتح صوابی اور اٹک کی وجہ تسمیہ

حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے صوابی فتح کرنے کے بعد ہنڈ کی گھاٹ پار کرکے قلعہ چچ کو فتح کرنا چاہا، اس مقصد کے لیے انہوں نے قلعہ کے مغرب کی جانب پڑاؤ ڈالا، اور وہاں ایک محدود عرصہ رہے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔چونکہ یہ قلعہ ملک سندھ کی اہم ترین جگہ پر واقع تھا اس لیے یہاں بھی غیر معمولی انتظامات کیے گئے تھے کہ گویا اس کو تسخیر کرنے سے پورا سندھ تسخیر کرنا آسان ہو جاتا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ جس جگہ مقیم رہے وہاں آپ نے ایک بستی آباد کرائی اور بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک قلعہ آباد کرایا، جسے اپنی قوم کی نسبت سے موسوم کیا یعنی "عتک"۔کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ قوم "العتک" سے تعلق رکھتے تھے۔یہ نام پھر مرور زمانہ کے ساتھ اور تبادلہ آلسنہ کی وجہ سے اتک اور آخر میں "اٹک" مشہور ہوا جو آج بھی موجود ہے

---

[268] علاقہ چھچھ کی سرزمین ایک علمی اور زرعی مردم خیز اور زرخیز زمین ہے، جہاں بڑے بڑے علماء، اولیاء، شعراء، ادباء اور زعماء نے جنم لیا۔جس کی تفصیل کے لیے محترم نذیر رانجھا صاحب کی کتاب "تذکرہ علماء چھچھ" کا مطالعہ کیجئے اور چھچھ کی تفصیلی تاریخ کے لیے ویسہ گاؤں کے جناب سکندر خان صاحب کی کتاب "دامن اباسین" دیکھنا چاہیئے۔

www.besturdubooks.net

بلکہ پنجاب کے ایک بڑے ضلع کا نام اور مذکور ضلع کا صدر مقام ہے[269]۔

فتح بنوں (پختونخوا)

حضرت مہلب رضی اللہ عنہ چونکہ نہایت عقلمند اور مدبر سپہ سالار تھے[270] اس لیے وہ سمجھ گئے تھے کہ یہاں بھی یوں ہی وقت ضائع کرنا ہے۔ لہٰذا کسی اور راستے سے کوشش کرنی چاہیئے، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ ویہند (ہنڈ) کے گھاٹ پر واپس صوابی کی طرف لوٹے اور وہاں سے ہوتے ہوئے یہ بنوں اور کوہاٹ چلے گئے۔ وہاں بنوں[271] میں رات گزار کر صبح ایک جنگ میں فتح حاصل کرلی جیساکہ شاعر کہتا ہے کہ؛

ألم تر أنّ الأزد ليلة بيّتوا ببنّة كانوا خير جيش المهلّب [272]

چونکہ اس لشکر میں اکثریت قبیلہ ازد کے جوانوں کی تھی اس لیے شاعر جو کہ خود بھی ازدی ہے ان ہی کے گن گارہاہے کہ وہ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بہترین سپاہی ہیں۔ اور ان کی بہادری کی وجہ سے اسلامی لشکر پے در پے فتوحات حاصل کر رہا ہے۔

یہ بات بھی عجیب اور قابل ذکر ہے کہ حضرت مہلب بن صفرہ عتکی ازدی رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی رسول ﷺ ہیں جو آئے تو سندھ کو فتح کرنے تھے تاہم اُن کی قدم بوسی سے پاکستان کے صوبہ سندھ کو چھوڑ کر پختونخوا، بلوچستان اور پنجاب تینوں صوبے سعادت مند ہوئے۔ مشہور سپہ سالار حضرت مہلب بن صفرہ عتکی ازدی رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جس نے پاکستان میں وارد صحابہ میں سب سے آخر میں وفات پائی۔

---

269 ضیاء اللہ خان جدون، پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کا تحقیقی جائزہ، ص 8، نوار خان جدون فاؤنڈیشن بیسک صوابی 2016ء

270 اہل قلم نے آپ کے کئی ایک اقوال ذکر کئے ہیں۔ یہاں ہم ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب " دانش عرب وعجم " سے صرف ایک قول درج کر دیتے ہیں جو ایک حدیث کے متشابہ ہے۔ فرمایا سخی اللہ کے قریب، مخلوق کے قریب اور جنت کے قریب ہوتا ہے۔ (دانش عرب وعجم، ص 31، الفیصل لاہور 2011ء)

271 عجیب ہے کہ بنوں کے لوگ آج بھی لفظ " و" نہیں بول سکتے۔ یعنی وہ " مور " کو " میر " اور خور کو "خیر " کہتے ہیں۔ اس لیے بنوں کو " بنی یا بنہ " بولتے ہیں۔ راقم کے استاد محترم ڈاکٹر قبلہ آیاز (سابقہ وی سی یونیورسٹی آف پشاور) بنوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنوں کی مشہور علمی وسیاسی شخصیت مولانا قاری عبد اللہ صاحب کو بھی راقم سے علمی تعلق ہے۔

272 فتوح البلدان، 1/417، الکامل فی التاریخ 3/42، معجم البلدان 1/501

www.besturdubooks.net

فتح قندابیل وقیقان

بنوں کو فتح کرنے کے بعد حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی جاری رکھی اور جاتے جاتے آپ قندابیل جا پہنچے جہاں آپ رضی اللہ عنہ کا وہاں کے کافروں سے آمنا سامنا اور پھر خوب سخت مقابلہ ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی جانبازی سے ان پر حملہ کر کے دشمن کو تہس نہس کر دیا اور ان سے خوب مال و اسباب لے کر نیک نامی اور سرخروئی کے ساتھ آگے بڑھیں[273]۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ قیقان چلے گئے اور وہاں پر ترک فوجیوں کے ایک چھوٹے سے دستے سے مڈبھیڑ ہوئی۔ یہ ترک سپاہی تعداد میں صرف اٹھارہ تھے لیکن وہ لڑنے پر تُلے ہوئے تھے اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو وہاں ڈھیر کر دیا[274]۔ ان کو مارنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے پاس جو گھوڑے تھے، ان کے عیال اور دُمیں کٹی ہوئی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کو یہ وضع بہت پسند آئی اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا؛

"یہ عجمی لوگ ہم سے زیادہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ اپنے گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کاٹیں (یعنی یہ کام ہمیں کرنا چاہیے کیونکہ گھوڑوں سے محبت ہم اہل عرب کرتے ہیں)۔"

یہ کہتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے اور اپنے لشکر کے تمام گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کاٹ ڈالیں۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اسلام میں حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑوں کے لیے یہ وضع اختیار کر لی تھی۔ الکامل فی التاریخ میں اس بارے میں علامہ ابن اثیر نے ان الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا ہے؛

فَلَقِيَهُ الْعَدُوُّ وَقَاتَلَهُ، وَلَقِيَ الْمُهَلَّبَ بِبِلَادِ الْقِيقَانِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ فَارِسًا مِنَ التُّرْكِ فَقَاتَلُوهُ فَقُتِلُوا جَمِيعًا، فَقَالَ الْمُهَلَّبُ: مَا جُعِلَ هَؤُلَاءِ الْأَعَاجِمُ أَوْلَى بِالتَّشْمِيرِ مِنَّا! فَحَذَفَ الْخَيْلَ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ حَذَفَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ [275]

---

[273] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/206

[274] فتوح البلدان، 1/417

[275] الکامل فی التاریخ، 3/42

www.besturdubooks.net

حضرت سنان بن سلمہؓ کا ورود

47ھ میں حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 48ھ میں بصرہ کے گورنر حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (سندھ و خراسان جن کے زیر کمان تھے) کو لکھ بھیجا کہ ایک قابل سپہ سالار کو منتخب کر کے سندھ روانہ کرو تاکہ وہ وہاں کے حالات بہتر کر سکے، چنانچہ انہوں نے حضرت سنان بن سلمہ بن محبق الہذلی رضی اللہ عنہ کو سندھ کی طرف بھیجا جو نہایت عالم فاضل اور مدبر انسان تھا۔

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ تمام دنیاوی اور دینی خوبیوں کا مجموعہ تھے۔ اپنی بے مثال دلیری، شجاعت، عدل وانصاف، علمیت، انتظام سلطنت اور فتوحات کی بنا پر عرب کے ساتھ ہند و سندھ میں یکساں مشہور رہتے۔ آپ کی بہادری، جرات مندی اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں سیلاب کی طرح بڑھتے ہوئے چلے جاتے تھے اور ایسے میں کسی نشیب و فراز یا خطرناک و شاطر دشمن کا مطلق خیال نہ کرتے تھے۔ الغرض قدرت نے آپ کو کئی قابل رشک صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ چچ نامہ میں لکھا ہے کہ؛

"اس تاریخ کی تشریح کرنے والوں نے ہذلی اور عیسیٰ بن موسیٰ سے سنا جس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب عبداللہ بن سوار شہید ہوئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ کوئی ماہر مدبر سپہ سالار سندھ کی طرف روانہ کرو جو حالات کو سنبھالیں۔ جواب میں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ میرے پاس اس کام کے لیے دو آدمی ہیں، ایک احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اور دوسرا حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ، اب آپ رضی اللہ عنہ کی مرضی کہ کس کو بھیجوں؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جوب لکھا کہ احنف بن قیس کو میں دونافرمانیوں میں سے کس کا انعام دوں؟

ام المؤمنین (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے بے وفائی کا یا پھر جنگ صفین کے دن ہمارے خلاف کوشش کرنے کا؟[276] اس لیے حضرت سنان بن سلمہ کو روانہ کرو۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے پھر لکھ بھیجا کہ احنف

[276] دراصل ابھی حال ہی میں مسلمانوں میں جنگ صفین اور جنگ جمل جیسی دو عظیم جنگیں ہوئی تھیں، ان جنگوں میں ظاہر ہے کہ صحابہ کرام طرفین میں منقسم ہوئے تھے۔ ایک طرف سالار حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے تو دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

www.besturdubooks.net

بن قیس، شرف عقل اور قیادت کے اس درجے پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں نہ کوئی حکومت اسے فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ برطرفی اسے کوئی نقصان۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ مکران چلے گئے اور فتوحات حاصل کرنے کے بعد دو سال اور ایک ماہ تک وہاں ٹھہرے رہے[277]۔ خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں؛

سنة ثَمَان وَأَرْبَعِين قَالَ أَبُو الْيَقظَان لما قتل عَبْد اللَّهِ بْن سوار كتب مُعَاوِيَة إِلَى زِيَاد انْظُر رجلا يصلح لثغر الْهِنْد فوجه فَوجه زِيَاد سِنَان بْن سَلمَة بْن محبق الْهُذلِيّ[278]

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سندھ آئے اور چند ہی دنوں میں ابتری دور کر کے حالت ایک دم بہتر کر دی۔ مکران، قیقان اور قندابیل کے سرکشوں کو جا دبایا، اور جنہوں نے سامنے آنے کی جرات کی، انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہاں کے نہ صرف حالات سنواریں بلکہ یہاں کی گلیاں کوچے بھی ٹھیک کرائیں۔ قریباً دو سال یہاں گزارنے کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ معزول ہو کر واپس ہونے کو تھے کہ انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ان کے جانے کے بعد حسب معمول مقامی لوگ پھر سے بغاوت کر دیں گے اس لیے انہوں نے والی بصرہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا، تب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے قیقان کے فاتح حضرت راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ عنہ کو پھر سے یہ ولایت سونپی، یاد رہے حضرت راشد رضی اللہ عنہ، حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، جیسا کہ امام بخاری نے تصریح کی ہے[279]۔ حضرت راشد رضی اللہ عنہ وہی تھے جنہوں نے 42ھ یا 43ھ میں آ کر اس علاقے کو فتح

جیسے سردار سالار لشکر تھے۔ ایک طرف گرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جلیل القدر صحابہ تھے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف داروں میں بھی حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی شخصیات موجود تھیں۔ بہر حال عرض یہ کرنا تھا کہ ان مذکور جنگوں میں چونکہ حضرت احنف بن قیس، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے، تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت زیاد بھی ابوسفیان ہی کے بیٹے تھے، حضرت زیاد نے پھر امیر معاویہ کو لکھ بھیجا کہ احنف بن قیس، شرف عقل اور قیادت کے اس درجے پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں نہ کوئی حکومت اسے فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ برطرفی اسے کوئی نقصان۔

[277] چچ نامہ، ص108

[278] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/209

[279] تاریخ الکبیر، تحت ترجمہ 2337

www.besturdubooks.net

کیا تھا۔اور بہت سارا مال و اسباب غنیمت بھی ساتھ لے گئے تھے۔بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پہلی بار جب یہاں سندھ آئے تھے تو شہید ہو گئے تھے جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے؛

ثُمَّ استعمل زياد عَلَى الثغر راشد بْن عَمْرو الجديدي منَ الأزد فأتى مكران، ثُمَّ غزا القيقان فظفر، ثُمَّ غزا الميد فقتل وقام بأمر الناس سنان بْن سلمة فولاه زياد الثغر فأقام به سنتين[280]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دو بار آئے تھے اور بلاذری کی یہ عبارت دوسری بار آنے کی ہے جیسا کہ علامہ علی محمد الصلابی لکھتے ہیں؛

فلم يدم المقام لابن سوّار طويلاً في ثغر السند فقد قتلته جماعة من الترك هناك في سنة **47** هـ وفي سنة **48** هـ اختار زياد بن أبي سفيان سنان بن سلمة بن المُحَبَّق الهذلي ليكون والياً على الاقاليم المفتوحة من ثغر السند وما أن وصل سنان إلى هناك حتى تمكن من فتح مدينة مكران(عنوّة) ومصَّرها وأقام بها وضبط البلاد. ولكن سنان لم يمكث هناك سوى سنة أو سنتان ثم عزله زياد. وولى مكانه راشد بن عمرو الأزدي، فأتى مكران ثم تقدم في بلاد القيقان، فظفر، ثم اتجه نحو الميد، فقتل هناك [281]

خلیفہ ابن خیاط، بلاذری، حموی، ابن اثیر، ابن عماد، یافعی اور ذہبی سمیت تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی مرتبہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہاں مقاتلہ کر کے خوب مال غنیمت حاصل کیا تھا اور جب دوبارہ آئے تو یہاں شہید ہوئے۔[282]

حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ عرب کے بہت ہی شریف خاندان میں سے تھے اور اس کے ساتھ وہ ذاتی لیاقت اور خوبیوں سے آراستہ بھی تھے۔کم سنی ہی میں اس نے شجاعت کے جوہر بھی دکھائے تھے جب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو واپس بلا کر راشد رضی اللہ عنہ کو سندھ بھیجنے جا

---

[280] فتوح البلدان، 1/418

[281] علی محمد الصلابی، معاویہ بن ابی سفیان، 1/443، دار الاندلس مصر 1429ھ

[282] تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/205، تاریخ ابن اثیر 1/36، تاریخ الاسلام 4/10، مرآۃ الجنان للیافعی 1/97، معجم البلدان 3/179، شذرات الذہب 1/271، الدولۃ الامویہ 1/39

www.besturdubooks.net

رہے تھے، ان دنوں اتفاق سے یہ بہادر بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کیا گیا اور اس کے تمام اوصاف امیر معاویہ پر ظاہر کئے گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان اوصاف پر اس کی یہاں تک قدر کی کہ اپنے برابر سریر خلافت پر بٹھایا۔ اس کے بعد تمام افسرانِ فوج کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا کہ راشد ایک بے مثل شخص ہے، تم سب لوگوں کو چاہیے کہ اس کی اطاعت کرو اور اسے معرکہ کارزار میں تن تنہا نہ چھوڑو۔ یہ کہنے کے بعد امیر معاویہ نے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا کہ وہ جا کے مہم سندھ سر انجام دیں[283]۔ اس کے ساتھ ہی سندھ میں موجود حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے راشد کو سندھ روانہ کر دیا ہے۔ یہ پہنچے تو باہر آ کر ان کا استقبال کرنا اور پھر انہیں وہاں کے حالات سے آگاہ کر دینا۔ حضرت راشد جب مکران پہنچے تو حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا اور پھر اپنے ساتھ کافی دیر تک بٹھا کر تمام تر حالت سے انہیں خبر دار کیا۔ حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد حضرت راشد رضی اللہ عنہ جب مجلس سے اٹھے تو انہوں نے حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو صائب الرائے سالار اور دور اندیش رہنما پا کر بے اختیار اور برملا اعتراف کیا کہ " خدا کی قسم ! سنان ایک عظیم انسان ہیں اور وہ حقیقت میں سرداری کے مستحق ہیں۔" پھر حضرت راشد رضی اللہ عنہ نے سندھ کے سرحدی بلاد پر فوج کشی شروع کر دی۔ کوہ پایا والوں سے خراج وصول کر کے قیقان پر حملہ کیا۔ وہاں سے موجودہ اور آئندہ دو سال کا خراج وصول کیا اور بھی بہت سارا مال غنیمت اور لونڈی غلام ان سے قبضہ کیئے۔ ایک برس قیام کے دوران میں یہ سب کارروائیاں کر کے وہ براہ سیستان واپس ہوئے۔ مندر اور بہرج کی پہاڑیوں تک پہنچے تھے کہ کوہستانی لوگوں نے جو مید کہلاتے تھے، پچاس ہزار آدمیوں کے لشکر سے ان پر حملہ کر دیا، ادھر یہ تعداد میں بھی بہت کم تھے اور دوسری بات یہ کہ ان پر اچانک حملہ ہوا، پھر بھی مجاہدین نے بڑی بے جگری سے لڑائی کی اور صبح سے لیکر شام تک باوجود قلت کے، دشمن کے وار خطا کر دیئے۔ خوب

---

[283] اس وقت یہی اصول مروج تھا کہ تقریباً ہر دو سال بعد یہاں کے والی کو تبدیل کیا جاتا تھا، اس لیے حضرت سنان بن سلمہ کئی بار یہاں آئے اور واپس چلے گئے۔ حتی کہ 75ھ میں آخری بار آ کر شہید ہوئے۔

www.besturdubooks.net

مقابلہ کرنے کے بعد بالآخر مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ سالار لشکر حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ اس میدان کارزار میں شہید ہو گئے[284]۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

جیسا کہ عرض ہوا کہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ سندھی قوم "مید" سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اسی مید قوم کے متعلق مسلمانوں کے اولیں اور مستند جغرافیہ داں ابن خرداذبہ (م280ھ) نے لکھا ہے کہ اس مید قوم کا تعلق سندھ سے ہے جو سندھ کے ساحلی علاقہ میں مقیم ہے تاہم یہ لوگ عرب میں بھی موجود ہیں[285]۔ اصطخری (م346ھ) نے بھی اسی طرح لکھا ہے؛

والكفّار فی حدود بلد السند انّما هم البدهة وقوم يعرفون بالميد[286]

سندھ کی اس بڑی قوم کا مذہب بودھ مت تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان کو مید اس لیے کہتے تھے کہ یہ لوگ سمندری ڈاکو یعنی قزاق تھے اور ان کا علاقہ بھی سندھ کا ساحلی علاقہ تھا جیسا کہ قاضی اطہر مبارک پوری صاحب نے اپنی کتاب "عرب وہند عہد نبوی میں" اور سید سلیمان ندوی نے "عرب وہند تعلقات" میں اس قوم پر تفصیلی و تحقیقی بحث لکھی ہے۔ الحاصل یہ اس وقت جٹ (زط) قوم کی طرح سندھ کی ایک بڑی قوم تھی جو نہ صرف یہاں سندھ بلکہ عرب میں بھی جابجا آباد تھی۔[287]

بہر حال 50ھ میں جب حضرت راشد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے[288]، تو مجبوراً حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو پھر سے فوجی قیادت اپنے ہاتھ میں لینا پڑی اور جب تک والی بصرہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو پتہ چلتا، تب تک آپ رضی اللہ عنہ نے واپس آکر دشمن سے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کا انتقام لے لیا تھا۔

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو جب خبر ملی تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت سنان

---

284 چچ نامہ، ص106 -107

285 المسالک والممالک للخرداذبہ، ص62

286 المسالک والممالک للاصطخری، ص176

287 عرب وہند عہد نبوی میں، ص76

288 تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/211

www.besturdubooks.net

بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے کا حکم نامہ جاری کر دیا تھا۔[289]

حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہاں سندھ میں کئی ایک عجیب واقعات پیش آئے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ لشکر آراستہ لے کر کافروں کے مقابلے کے لیے جارہے تھے کہ راستے میں آپ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ پیغمبر ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کو فرمارہے ہیں کہ تیرا باپ تیری مردانگی پر ناز کرتا تھا، آج تیرا دن ہے۔ بہت سی ولایتیں تیرے قبضے میں آئیں گی اور ان کی اصلاح ہوگی[290]۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور سندھ کے بعض ممالک مکران، قندابیل، ارزابیل وغیرہ اپنے قبضے میں لے کر قیقان جا پہنچے۔ اسی طرح کا ایک عجیب واقعہ جسے خلیفہ ابن خیاط اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں خود ان حضرات کے الفاظ یہ ہیں " لہ خبر عجیب فی الهند " ۔ واقعہ کو خلیفہ بن خیاط نے خلیفہ النھیال اور انہوں نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ابو یمان سے روایت کیا ہے[291]، فرماتے ہیں کہ ہم سنان کے ساتھ قیقان کی لڑائی میں شریک تھے کہ دشمن کی بہت بڑی فوج سے ہمارا آمنا سامنا ہوا۔ سنان رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر ہمیں مخاطب کیا؛

"تم لوگوں کے لیے خوشخبری ہے کہ دونوں طرف عظیم نعمتیں ہیں۔ ایک طرف جنت ہے (اگر تم شہید ہو گئے) اور دوسری طرف مال غنیمت ہے (اگر تم غازی بن گئے)۔" بعد ازاں انہوں نے سات (7) پتھر

---

[289] چچ نامہ میں ابن زیاد لکھا ہے جو کہ غلط ہے کیونکہ ابھی حضرت زیاد بقید حیات تھے اور اختیار انہی کے پاس تھا نہ کہ ابن زیاد کے پاس اور چونکہ یہ واقعہ 50ھ کا ہے۔ جبکہ حضرت زیاد جب 53ھ میں طاعون کے ہاتھوں فوت ہوئے تب جاکر ابن زیاد خراسان کے والی بنے۔

خلیفہ ابن خیاط لکھتے ہیں؛

سنة ثَلَاث وَخمسين

فِيهَا مَاتَ زِيَاد بن أَبِي سُفْيَان بِالْكُوفَةِ واستخلف عَلَى الْبَصْرَة سَمُرَة بن جُنْدُب وعَلى الْكُوفَة عَبْد اللَّهِ بْن خَالِد وفيهَا ولى مُعَاوِيَة عبيد اللَّه ابْن زِيَاد خُرَاسَان مَاتَ زِيَاد وَهُوَ ابْن ثَلَاث وَخمسين (211/1)

[290] چچ نامہ، ص108

[291] ابو یمان جس کا نام معلی بن راشد بصری ہے، یہ حضرت سنان بن سلمہ کے غلام تھے اور ان کے شاگرد بھی تھے۔
(العقد الثمین، ص108)

www.besturdubooks.net

زمین سے اٹھائے اور قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب تم مجھے دیکھو کہ میں دوران جنگ پتھر اٹھا رہا ہوں تو تم بھی میری تقلید کر کے پتھر اٹھاؤ جو تعداد میں سات ہو، پھر جب سورج بالکل سر کے اوپر ہو جائے دوپہر کا وقت ہو جائے تو تم ایک پتھر دشمن کی جانب پھینک کر تکبیر پڑھو۔ پھر اسی طرح ایک ایک پھینکتے رہو حتیٰ کہ چھٹا بھی پھینک چکو، پھر ساتواں اس وقت پھینک دینا جب سورج وسط آسمان سے (مغرب کی جانب) ڈھل جائے (یعنی سہ پہر کے وقت)۔ پھر سنان رضی اللہ عنہ نے حٰمٓ لا ینصرون تلاوت کی، تکبیر پڑھی اور ہاتھ میں تلوار لے کر میدان میں کود پڑے۔ ہم نے بھی تلواریں سونت لیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے اور (یوں) ہم نے دشمن کے صف در صف واصل جہنم کیے۔ (جنگ جیت کر) ہم چار فرسخ (تقریباً تیس کلومیٹر) آگے گئے تھے کہ (دریں اثناء وہاں ہمیں) ایک قوم نظر آئی جسے ہم نے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ (اس قوم کے آدمی) عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے، (ان کے سروں پر) سفید پگڑیاں بندھی ہوئی تھی اور وہ ناشنا لوگ تھے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ (تمہارا کیا خیال ہے کہ جنگ تم نے لڑ کر جیتی ہے؟ نہیں بلکہ) اصل میں جنگ تم لوگوں نے نہیں کی، بلکہ انہوں نے کی کہ جو تمہیں نظر تو نہیں آرہے تھے لیکن تھے تمہارے ساتھ ہی۔ (جواب میں) ہم نے کہا کہ (ہاں یقیناً) یہ تو اللہ کی مدد تھی (جو ہمارے ساتھ شامل حال رہی)۔ پھر ہم واپس آئے (اور واقعی وہ اللہ کی خاص مدد تھی کہ دشمن کے بڑے لشکر کا ہم نے صفایا کیا اور) ہمارا صرف ایک آدمی شہید ہوا[292]۔ اور ہم نے جب اس کا ذکر حضرت سنان سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے جس طرح کیا (کہ پتھر اٹھا کر دشمن پر پھینکے، یہ دراصل ہم نے سنت کی پیروی کی کہ) رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے (چونکہ ہم نے اتباع رسول ﷺ کی تبھی تو اللہ کی مدد ہماری طرف متوجہ ہوئی)۔[293]

قیقان پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہ وہاں پر دو سال تک مقیم رہے۔ اللہ کا کرنا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ سندھ میں موجود ہوتے، نہ کوئی شر و فساد ہوتا اور نہ ہی کسی کو بغاوت و سرکشی کرنے کی جرات ہوتی تھی۔ اور سب سے عجیب بات یہ کہ اسلامی لشکر سے بھی کوئی بھاگنے اور فرار کرنے کی جرات نہ کرتا جس طرح اس سے پہلے

---

[292] اس واحد مجاہد کا نام علامہ ذہبی نے عبداللہ بن عباس لکھا ہے جو یہاں شہید ہوا۔ (تاریخ اسلام، 4/8)

[293] تاریخ خلیفہ، 1/212

www.besturdubooks.net

ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کے حل کے لیے ایک عجیب ترکیب سوچی تھی جو نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ جب حضرت سنان رضی اللہ عنہ یہاں سندھ آئے تو یہاں کے حالات کا بغور جائزہ لیا اور نہ صرف یہاں کے مقامی لوگوں کے مزاج سے اپنے آپ کو بخوبی آگاہ کیا بلکہ اپنے لشکر کا بھی خوب جائزہ لیا، آپ رضی اللہ عنہ نے محسوس کر لیا کہ ہمارے لشکر میں بھی ایک خامی ہے کہ یہ جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کی فوج غلبہ حاصل کر رہی ہے تو یہ میدان لشکر سے بھاگ جاتے ہیں۔ گرچہ بعض اوقات بھاگنا بھی بہادری ہے لیکن تسلسل کے ساتھ ایسا کرنا بالکل درست نہیں بلکہ اسلامی تشخص کے خلاف ہے اور یہ بھی یہاں کے لوگوں کی ایک چال تھی جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا تھا کہ چوکنا رہنا کیونکہ یہاں کے لوگ بڑے چالباز اور دھوکہ باز ہیں، اپنی مخصوص چالوں کے ذریعے مخالف لشکر کو منقسم کر کے انہیں میدان سے بھگانے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کے حل کے لیے ایک بہت ہی عجیب حل نکال لیا۔ اپنے لشکر کو جمع کیا اور ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے ان سے ایک حلف لیا کہ جو بھی شخص میدان جنگ سے بھاگ گیا تو اس کی منکوحہ بیوی اس پر طلاق ہو گی۔ شاعر نے اسی عجیب و غریب رسم کے قیام پر کیا خوب کہا تھا:

رأيت هذيلا أحدثت في يمينها　　طلاق نساء ما يسوق لها مهرا

لهان عَلَى حلفة ابن محبق　　إذا رفعت أعنا قها حلقا صفرا[294]

ترجمہ: "میں نے ہذیل (یعنی حضرت سنان بن سلمہ ہذیلی رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی قسم کھانے میں مہر ادا کیے جو عورتوں کو طلاق دینے کی نئی قسم کی ایجاد ہے۔ مگر مجھے ابن محبق (یعنی حضرت سنان بن سلمہ بن محبق) کی قسم !(یہ قسم کھانا ان کے لیے) آسان ہے جبکہ عورتیں گردنیں اٹھا اٹھا کر سونے کی بالیاں دکھائیں۔"

آپ رضی اللہ عنہ کی یہ چال کام کر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی نصرت سے نہ صرف قیقان بلکہ آس پاس کے تمام علاقے اپنے زیر کیے[295]۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بے مثال شجاعت و بسالت،

---

[294] فتوح البلدان، ص418

www.besturdubooks.net

فقاہت و سیاست، تدبر و تفکر اور قائدانہ صلاحیت کے مالک تھے۔ خلیفہ، بلاذری، طبری، ذہبی، ابن حجر، ابن اثیر سمیت تمام مؤرخین نے آپ رضی اللہ عنہ کی علمیت اور سیاست کی تعریف کی ہے۔[296]

اس بار حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے علاقے میں مکمل امن و امان نافذ کر دیا اور ہر قسم کے باغیوں کا گلا گھونٹ دیا۔ اور مدت قلیل میں وہاں فلاح و بہبود کے بہیترے کام کیئے۔ ایک طرف آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی قائدانہ صلاحیت کے بل بوتے پر دشمنان اسلام کی بیخ کنی کی تو دوسری طرف اپنی علمیت، پرہیز گاری اور فراست و بصارت سے متاثر کرا کر لوگوں کے دل جیت لیے، اس لیے جب تک آپ رضی اللہ عنہ وہاں رہے، ہر طرف شانتی رہی اور ایسے میں اکثر مجاہدین یوں ہی بیٹھے بیٹھے بیزار ہو جاتے، تبھی تو مکران میں موجود ایک شاعر اعشی ہمدانی نے اس وقت کہا تھا:

وأنت تسير إِلَى مكران　　فقد شحط الورد والمصدر
و لم تك حاجتي مكران　　ولا الغزو فيها و لا المتجر
و حدثت عنها و لم آتها　　فما زالت من ذكر آخر
بأن ا لكثير بها جائع　　و أن القليل بها معور[297]

ترجمہ: "اور تو مکران جاتا ہے، فرود گاہ اور وطن میں بڑا فاصلہ ہو گیا۔ اے مکران! مجھے کچھ تیری حاجت نہیں کہ جہاں نہ جہاد ہے اور نہ تجارت۔ اور میں نے اس کا حال سنا تھا، وہاں آیا تھا اور ہمیشہ اس کے ذکر سے بھاگتا تھا، اس لیے کہ وہاں اکثر لوگ تو بھوکے ہیں اور بعض مقامات وہاں کے خوفناک ہیں۔"

53ھ میں دو سال گزارنے کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ ایک بار پھر معزول ہوئے اور قدرت کا کرنا کہ اسی سال گورنر خراسان و والی بصرہ حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی طاعون کے ہاتھوں فوت ہوئے[298]۔

---

295 ایضاً

296 تاریخ اسلام، 4/3

297 فتوح البلدان، ص418

www.besturdubooks.net

یہاں ایک اہم سوال جو ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ حضرت سنان کیوں بار بار معزول اور تعینات کیے جاتے حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کے یہاں ہونے سے حالات کافی ٹھیک ٹھاک ہوتے ؟ تو میرے خیال میں اُس وقت شاید یہ یہاں کے لیے ایک قانون ہوتا تھا کہ از حد دو سال تک ایک والی اور سپہ سالار یہاں سندھ میں رہ سکتا تھا کیونکہ مسلسل دو سال تک لڑنا اور گھر بار چھوڑ کر دور پردیس میں رہنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ حکمت اور عقل کو ملحوظ خاطر رکھ کر ان کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہو۔ حضرت سنان سے قبل حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ اور حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی دو بار یہاں آچکے تھے، اور ان کے بعد حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ بھی دوسری بار آکر جام شہادت نوش کر گئے تھے جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

سن 53ھ میں چونکہ بصرہ کے گورنر حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تھے اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود حضرت ابو حرب عباد بن زیادؒ کو سندھ اور سجستان کی طرف بھیجا[299]، ان کے ساتھ اس وقت کا مشہور شاعر ابن مفرغ بھی تھا۔ جس نے یہاں سندھ میں وارد ہو کر کہا تھا؛

کم بالجروم وأرض الهند من قدم

و من سرائنك قتلى لا هم قبروا [300]

ترجمہ: بہت سارے گرم ممالک ہیں اور سرزمین ہند (سندھ) میں بہت سے نقش قدم ہیں اور بہت سے سرہنگان قوم (بہادر سردار) ہیں جو شہید تو ہوئے لیکن دفن تک نہ کیے گیے۔

حضرت منذر بن جارودؓ کی ولایت

53ھ میں حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد 54ھ میں ان کا بیٹا عبید اللہ بن زیاد خراسان کا نیا گورنر منتخب ہوا، تاہم حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے قبل ہی حضرت منذر

---

[298] تاریخ ابن اثیر، 40/3

[299] تہذیب التہذیب، 93/5

[300] فتوح البلدان، ص418

www.besturdubooks.net

بن جارود رضی اللہ عنہ کو سندھ کی ولایت سونپی تھی۔اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کو ابن زیاد نے برقرار رکھا۔یہاں آتے ہی آپ نے کمال بہادری سے ہر سو اسلام کا پھریرا فخر سے لہرایا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قیقان، قندابیل، خضدار اور مکران وغیرہ علاقے پھر سے فتح کیے اور یہاں سے بہت سے لونڈی غلام اور مال غنیمت حاصل کر کے وطن بھیج دیے تھے۔بلاذری آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں؛

ثُمَّ ولى زياد المنذر بْن الجارود العبدي ويكنى أَبَا الأشعث ثغر الهند، فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبث السرايا في بلادهم، وفتح قصدار وسباها، وكان سنان قَدْ فتحها إلا أن أهلها انتقضوا [301]

بلاذری کا یہ کہنا کہ حضرت زیاد نے آپ رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے بھیجے گئے آخری والی سندھ تھے، کیونکہ اس کے بعد وہ پھر دنیا میں نہ رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ علاقے جنہیں آپ رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت سنان رضی اللہ عنہ فتح کر چکے تھے لیکن وہ پھر سے باغی ہو چکے تھے، انہیں پھر سے فتح کیا اور وہاں سے کافی مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا۔ دو سال یہاں رہنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ 55ھ میں واپس ہوئے۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ؛

ولّى زياد ابن أبيه المنذر بن الجارود العبدي، ويكنى بأبي الأشعث، ثغر الهند فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا، ثم ولّى عبيد الله بن زياد بن حرّيّ الباهلي ففتح الله تلك البلاد على يده وقاتل به قتالا شديدا، وقيل: إن عبيد الله ابن زياد ولّى سنان بن سلمة بن المحبّق الهذلي وكان حرّيّ بن حرّيّ معه على سراياه، وفي حريّ يقول الشاعر

لولا طعاني بالبوقان ما رجعت منه سرايا ابن حرّيّ بأسلاب [302]

یاقوت حموی کی اس عبارت سے لگتا ہے کہ ابو الاشعث منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کو جب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے سندھ بھیج دیا تو وہاں بوقان وقیقان وغیرہ علاقوں کو فتح کرنے کے بعد ایک عرصہ تک رہ کر

---

[301] فتوح البلدان، ص418

[302] معجم البلدان، ص510

www.besturdubooks.net

واپس ہوئے اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے حری بن حری رضی اللہ عنہ کو یہاں روانہ کیا، یعنی 55ھ میں جب حری رضی اللہ عنہ یہاں آئے تو دو سال وہ یہاں رہے اور یہ جو قیل کی بات کی ہے، اصل میں 57ھ حضرت حری رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک بار پھر سندھ کی ولایت سونپی گئی اور اس بار آپ رضی اللہ عنہ 60ھ تک یہاں رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا تو اس کے دور میں حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جو سندھ آئے اور ایسے آئے کہ پھر واپس کبھی نہیں گئے، ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ تاہم 61ھ میں حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ سندھ آئے تھے، اور اسی سال جبکہ کربلا جیسا جانکاہ واقعہ پیش آیا، آپ رضی اللہ عنہ ابھی بصرہ میں تھے کیونکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں ایک خط بھیجا تھا۔ اس خط کے الفاظ یہ ہیں؛

بسم الله الرحمن الرحيم، من الحسين بن علی الى مالك بن مسمع، والأحنف ابن قيس، والمنذر بن الجارود، ومسعود بن عمرو، وقيس بن الهيثم، سلام عليكم، اما بعد، فانى ادعوكم الى احياء معالم الحق وأماته البدع، فان تجيبوا تهتدوا سبل الرشاد، والسلام.

فلما أتاهم هذا الكتاب كتموه جميعا الا المنذر بن الجارود، فانه أفشاه [303]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے کیونکہ امام دینوری (م282ھ) نے اس خط سے قبل لکھا ہے کہ؛

وقد كان الحسين بن علی رضی الله عنه كتب كتابا الى شيعته من اهل البصره

اور دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہ ابھی بصرہ میں تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا کے پیش آنے سے قبل ہی بسوئے سندھ روانہ ہو چکے تھے۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اگر وہاں موجود ہوتے تو شاید یہ قیامت خیز حالات پیدا نہ ہوتے کہ آپ رضی اللہ عنہ نہ تو کسی سے ڈرنے والے تھے حتی کہ آپ رضی اللہ عنہ یزید کو بھی کھری کھری سناتے تھے، کہ رشتے میں خلیفہ یزید آپ رضی اللہ عنہ کا داماد تھا اور وہ آپ

---

[303] الاخبار الطوال، ص231

www.besturdubooks.net

رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر کرتا تھا۔[304] اور جب یہ خط جسے سب نے چھپا دیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ کہیں ابن زیاد ہمیں چکمہ نہ دے رہا ہو، اپنے ایک قاصد کو دے کر ہدایت دی کہ اسے لے جا کر ابن زیاد کو دکھائے کہ یہ کیا ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ اس خط کع دیکھتے ہی ابن زیاد نے طیش میں آکر اس قاصد کو قتل کر دیا؛

فكل من قرأ ذَلِكَ الكتاب من أشراف الناس كتمه، غير المنذر بن الجارود، فإنه خشي بزعمه أن يكون دسيسا من قبل عُبَيْد اللَّهِ، فجاءه بالرسول من العشية[305]

میرے خیال میں انہی دنوں میں آپ رضی اللہ عنہ سندھ کے لیے نکل چکے تھے تبھی تو آپ رضی اللہ عنہ کے قاصد کو قتل کیا گیا ورنہ آپ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان کو ایسا کرنے کی جرات قطعاً نہیں ہو سکتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ سندھ تشریف لائے اور مسلسل فتوحات کرنے کے بعد ایک سال یا اس سے کم و بیش تک یہاں مقیم رہے اور اسی سال 61ھ میں یا 62ھ میں یہاں ایک معرکے میں شہید ہوئے۔ علامہ خلیفہ ابن خیاط بصری (م240ھ)، امام طبری اور علی محمد صلابی نے آپکی شہادت کی تاریخ سن 62ھ لکھا ہے[306]۔ جبکہ صاحب چچ نامہ، امام ابن اثیر، امام ذہبی اور امام اصفہانی وغیرہ حضرات نے 61ھ لکھا ہے[307]۔ یاقوت حموی کی اس عبارت کو بغور پڑھیے؛

وولى زياد المنذر بن الجارود العبدي، ويكنّى أبا الأشعث، ثغر الهند فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبثّ السرايا في بلادهم وفتح قصدار وشتّى بها، وكان سنان بن سلمة المحبّق الهذلي فتحها قبله إلا أن أهلها انتقضوا وبها مات:

اس میں حموی نے دونوں بار آنے کو یکجا ذکر کیا ہے کیونکہ پہلی بار انہیں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے 53ھ میں سندھ ضرور بھیجا تھا لیکن پھر اسی برس حضرت زیاد رضی اللہ عنہ دنیا سے چل بسے تھے، جبکہ حضرت منذر

---

[304] تاریخ طبری، ص5/318

[305] ایضاً، ص5/357

[306] تاریخ خلیفہ 1/236، تاریخ طبری 6/343، الدولۃ الامویہ 1/391

[307] چچ نامہ ص108، تاریخ ابن اثیر 3/202، تاریخ اسلام 5/256، البستان الجامع 1/116،

www.besturdubooks.net

بن جارود رضی اللہ عنہ جیسا کہ عرض ہوا کہ 61ھ یا 62ھ میں شہید ہوئے۔ اب جگہ پر بھی اختلاف ہے کیونکہ خلیفہ بن خیاط نے آپکی جائے شہادت سرحد قندابیل لکھا ہے[308] جبکہ امام حمویؒ کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ خضدار میں شہید ہوئے[309]۔ حالانکہ دونوں ایک ہی ہیں کیونکہ خضدار بھی قندابیل ہی کی سرحد پر واقع ہے۔

حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ قصدار (خضدار) میں داخل ہوا اور وہیں قیام کیا یہاں تک کہ داعی اجل نے انہیں آغوش لحد کے خواب نشین میں سلادیا۔ اور یوں منذر بن جارود رضی اللہ عنہ تا قیامت خضدار میں سو گئے۔ شاعر ان ہی کے مرثیہ میں کہتا ہے؛

حلّ بقصدار فأضحى بها　　　في القبر لم يقفل مع القافلين

لله قصدا ر و أ عنا بها　　　أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين![310]

ترجمہ اشعار: وہ یعنی حضرت منذر قصدار میں داخل ہوا اور پھر جب دیکھا تو قبر میں تھا۔ مجاہدین کے لشکر کیساتھ واپس نہ آیا۔ اللہ اللہ! قصدار اور اس کی وادی نے کیسے جوان دنیا و دین کو قبر کے سپرد کر دیا۔

حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سن کر آپکے بیٹے حضرت حکم بن منذر نے یزید بن امیر معاویہ کو لکھا کہ مجھے اپنے والد کی جگہ سندھ کی ولایت تفویض کی جائے، اس وقت حکم کرمان میں تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے جب حضرت منذر بن کی موت کا سنا تو بے حد غمزدہ ہو کر بے اختیار رونے لگا اور اس کے بیٹے حضرت حکم کے لیے تیس ہزار درہم[311] کا اعلان کر دیا۔ اور پھر اسے بطرف سندھ روانہ کر دیا[312]۔

---

308 تاریخ خلیفہ 1/236

309 معجم البلدان، ص510

310 ایضا، ص510۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اشعار حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لکھے گئے ہیں جیسا کہ جناب شرر مرحوم صاحب نے اپنی کتاب " تاریخ سندھ " میں حضرت سنان کے متعلق لکھے ہیں۔ لیکن دراصل یہ منذر کے مرثیے میں کہے گئے اشعار ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ آگے آپ پڑھیں گے۔

311 اور چچ نامہ میں لکھا ہے کہ تین لاکھ درہم دئے تھے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

312 جمہرۃ الانساب ص296، معارف ص256، تاریخ خلیفہ ص287، منہاج الدین ص84، العقد الثمین 113

www.besturdubooks.net

سنان کی تیسری بار آمد

اور جب حضرت حکم سے بھی بات نہ بنی تب ایک بار پھر 62ھ میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی ضرورت محسوس کی گئی اور انہیں سندھ آنا پڑا۔ یہاں آکر انہوں نے حالات ٹھیک کر کے واپسی اختیار کرلی تھی[313]۔ آپ رضی اللہ عنہ کی 62ھ میں یہاں آنے کا تذکرہ صرف خلیفہ بن خیاط نے کیا ہے، فرماتے ہیں؛

سنة اثْنَتَيْنِ وَسِتِّينَ فِيهَا غزافيهاولى عبيد الله بْن زِيَاد الْمُنْذر بْن الْجَارُود ثغرقندابيل فَمَاتَ الْمُنْذربالثغر فَخرج الحكم بْن الْمُنْذر بْن الْجَارُود فغلب عَلَى قندابيل فَبعث ابْن زِيَاد سِنَان بْن سَلمَة فَفتح الموقان ثمَّ بعث إِلَيْهَا يزِيد بْن مُعَاوِيَة بعد ذَلِكَ عَبْد الرَّحْمَن بْن يزِيد[314]

اس بار آپ رضی اللہ عنہ یہاں کم مدت لے لیے آئے تھے اور میرے خیال میں اسی لیے خلیفہ کے علاوہ کسی اور مؤرخ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اب اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا وجہ تھی، اس بار جلدی واپس ہونے کی تاہم اسی برس یعنی 62 ھ میں آئے اور اسی سال واپس بھی لوٹے۔ اور جب حضرت حکم بن منذر سے بھی بات نہ بنی تب ایک بار پھر 62ھ میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سندھ آئے تھے اور یہاں کے حالات ٹھیک کر کے گئے تھے[315]۔ چچ نامہ میں بعنوانِ " ولایت منذر بن جارود " کے تحت لکھا ہے؛

" پھر یہ ملک (سندھ) منذر بن جارود بن بشر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ جب خلیفہ کے حکم سے حضرت منذر رضی اللہ عنہ خلعت گورنری پہن کر 61ھ میں جنگ پر روانہ ہوئے تو ان کا جامہ ایک ابھری ہوئی لکڑی سے الجھ کر پھٹ گیا۔ اس پر عبید اللہ بن زیاد نے غمگین ہو کر کہا کہ منذر کی فال اچھی نہیں ہوئی۔ جب وہ اسے وداع کر کے واپس آیا تو رو کر کہنے لگا کہ منذر اس سفر سے واپس نہ آئے گا اور قتل کیا جائے گا۔ ابن زیاد سے عبد العزیز نے کہا مال ضائع ہو رہا ہے اور تم کسی کو مقرر نہیں کرتے؟ اس نے کہا کہ منذر کو بھیجا ہے جس سے جنگ اور شجاعت میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو مقصد میں کامیابی حاصل کر کے

---

[313] تاریخ خلیفہ ص236

[314] تاریخ خلیفہ، 236/1

[315] تاریخ خلیفہ ص236

www.besturdubooks.net

واپس آئے گا۔ منذر جب وہاں سے روانہ ہو کر دشمنوں کے ملک میں پہنچا تو دریائے پورالی کے قریب بیمار ہوا، اور جان خدا کے حوالے کی۔ (اس وقت) اس کا بیٹا حکم بن منذر کرمان میں تھا، اس کے پاس (منذر نے علالت کے دوارن اپنی بیماری کا حال) لکھ بھیجا تھا۔ حجاج بن یوسف نے کہا تھا کہ عرب کے امراء ورؤساء میں سے ایک نے خدا کی راہ میں جان دی ہے۔ جب حکم بن منذر آیا ار عبید اللہ کو اس واقعہ کی خبر دی تو وہ رونے لگا اور بے حد غمگین ہوا۔ پھر اس کے بیٹے حکم بن منذر کو بلا کر تین لاکھ درہم بخشش میں دیے۔ اس کے بعد چھ مہینے تک سندھ کی گورنری اس کے حوالے رہی۔"[316]

حضرت حکم بن منذر نے چھ ماہ تک یہاں سندھ میں باغیوں سے برسرپیکار رہے۔ اس مدت میں انہوں نے اپنی لیاقت و بہادری ظاہر کر دی، خصوصاً ان کی سخاوت کافی مشہور تھی جس پر کئی شعراء نے شاعری کی، چچ نامہ میں وہ اشعار درج ہیں۔[317]

حضرت حکم کے بعد ابن زیاد نے ایک دوسرے لائق فائق سردار حری بن جری باہلی[318] کو والی سندھ بنا کر بھیجا۔ حضرت حری باہلی کے ہاتھوں اللہ نے مسلمانوں کو بہت سے فتوحات پر فخر دینے کا موقع دیا۔ بہت سارا مال غنیمت بھی ان کے ذریعے مسلمانوں کے ہاتھوں آیا۔ الغرض حضرت حری جہاں بھی جاتا، فتح ان کے قدم چھومتی اور کیوں نہ ہوتا ایسا کہ ان کی تربیت حضرت سنان جیسے جری اور مدبر سالار لشکر نے کی تھی۔ حضرت حری نے ایک عرصہ یہاں گزار کر واپس وطن کی راہ لی، پھر اسی طرح تابعین آتے رہے حتی کہ 75ھ میں ایک بار پھر سے سندھ مسلمانوں کے ہاتھوں نکلنے لگا تو مجبوراً حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی ایک بار پھر ضرورت محسوس ہوئی اور یوں آپ رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کر دیا گیا، حالانکہ 72ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کو گورنر بصرہ وبحرین مقرر کر دیا گیا تھا[319]۔

---

316 چچ نامہ، ص108

317 ایضاً، ص109

318 بعض کتابوں یہ نام میں جری بن جری لکھا گیا ہے۔

319 طبقات ابن سعد، 7/ 89

www.besturdubooks.net

لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے شاید عہدہ چھوڑدیا ہو یا پھر آپ رضی اللہ عنہ کو معزول کیا گیا، واللہ اعلم۔

بہر حال پھر جب حجاج بن یوسف 75ھ میں عراق کا گورنر بنا تو اس نے پھر سے حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر کیا۔ اللہ کا کرنا کہ ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ حجاج کے پاس خبر آئی کہ سندھ کے حالات روز بروز ابتر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لیے حجاج نے وقت ضائع کیے بغیر آپ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور صورتحال سامنے رکھدی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ پہلے بھی اللہ کی رضا کے لیے لڑ چکا ہوں اور اس بار بھی وہی ارادہ ہے اور یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ یہ مہم آپ رضی اللہ عنہ کے بغیر سر کرنا محال نہ سہی مشکل ضرور ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے سندھ کی راہ لی اور آکر ایک طرف مسلمانوں کو خوشی دی تو دوسری طرف دشمن پر پھر سے قیامت برپا کردی۔ دشمن بڑا حیران و پریشان تھا اور اپنی روایتی منافقت سے کام چلا کر اس بار حضرت سنان رضی اللہ عنہ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا، اس لیے دشمن نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو خضدار میں خیر اواہ[320] نامی ایک جگہ یہ کہکر بلا لیا کہ وہ آکر انہیں اسلام کی دعوت دیدیں۔ حضرت سنان رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور گمان کیا کہ شاید اب وہ اسلام کی طرف راغب ہو چکے ہیں، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ چلے آئے اور یہاں یہ روایتی اور وراثتی منافق لوگ گھات لگائے بیٹھے تھے، جونہی حضرت سنان رضی اللہ عنہ آئے، تو قبل اس سے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ اس چال کو سمجھ کر جوابی کارروائی کر لیتے۔ ان ظالموں نے آپ رضی اللہ عنہ پر پے در پے وار کر کے آپ رضی اللہ عنہ کو بے دردی سے وہیں پر شہید کر دیا[321]۔ جہاں پر آپ رضی اللہ عنہ کو پھر دفن کیا گیا۔

---

[320] اس جگہ کو شاید اس وقت کوئی دوسرا نام لیا جاتا تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور تدفین کے بعد اس جگہ کو خیر اوا کہا جانے لگا۔ مقامی زبان براہوی میں اس کے معنی اچھی جگہ کے ہیں کہ عظیم صحابی کی وجہ سے یہ جگہ یقیناً خیر والی بنی۔ یہ بات راقم کو خضدار کے مولانا سید شجاع الحق صاحب نے بتائی۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی خضداری نے تبھی تو اس جگہ کو اپنی کتاب میں " خیر آباد" لکھا ہے۔ گرچہ مولانا موصوف نے ڈاکٹر صاحب کے اس نام "خیر آباد" سے اتفاق نہیں کیا۔ مگر اصل میں ڈاکٹر صاحب نے "خیر اوا" کا اردو ترجمہ "خیر آباد" لکھا ہے جو بالکل درست ہے۔

[321] چچ نامہ، ص108، تاریخ سندھ، ص108

www.besturdubooks.net

حضرت سنان بن سلمہؓ

اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سب سے زیادہ متعدد بار پاکستان (سندھ) آنے کی سعادت اس عظیم صحابی رضی اللہ عنہ کو ملی کہ آپ تقریباً چار بار یہاں آئے اور سندھ میں اصحاب رسول ﷺ میں سے سب سے آخر میں آکر شہادت کے اعلیٰ رتبہ پر بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی فائز ہوئے۔ البتہ آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ واحد صحابی ہیں جن کی نہ صرف تاریخ شہادت کے بارے میں مؤرخین شش و پنج میں مبتلا ہیں بلکہ آپ کی شہادت اور موت کے علاوہ، جائے تدفین کے بارے میں بھی لوگ پریشان ہیں۔ اب اللہ ہی بہتر جانے کہ اس میں کیا حکمت ہے بہر حال آپ کی جائے شہادت اور تاریخ شہادت کے بارے میں بہت ہی عجیب اور متضاد روایات اور بیانات ملتے ہیں۔ آپ کی مکمل سوانح عمری گرچہ تیسرے باب میں درج ہے تاہم یہاں پر آپ کی جائے شہادت اور تاریخ شہادت کے بارے میں مختصر سی بحث بمع حوالہ جات درج کرتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت کے بارے میں 45ھ سے لیکر 93ھ تک کے اقوال پائے جاتے ہیں، اسی طرح جائے تدفین کے بارے میں بھی کئی اقوال موجود ہیں۔ اس باب میں عراق، بصرہ، بدھا، قندابیل، پشاور اور خضدار میں ہونے کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ امام خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ عراق میں فوت ہوئے[322]۔ امام ابن سعد بھی یہی کہتے ہیں[323]۔ امام ابن حبان کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بصرہ میں فوت ہوئے[324]۔ اور چچ نامہ کی روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ بدھ کے مقام پر شہید ہوئے[325]۔ جبکہ عبدالحلیم شرر[326]، ڈاکٹر محمد اسحاق، ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی[327] اور ڈاکٹر

---

[322] ایضاً، 7/ 159

[323] طبقات ابن سعد، 1/ 329

[324] مشاہیر علماء الامصار، 1/ 71

[325] چچ نامہ، ص108

[326] تاریخ سندھ، ص108

[327] ڈاکٹر عبدالرحمٰن خضداری، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں؛ ص126

www.besturdubooks.net

فصیح الدین(ڈی آئی جی) آپ رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت خضدار بتاتے ہیں[328]۔اور قاضی عبدالحلیم اثر افغانی کا خیال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پشاور کے نواحی گاؤں چغرمٹی کے مقام پر ایک معرکے میں شہید ہوئے اور پھر یہیں پر دفن بھی ہوئے[329]۔جہاں پر آج کل "اصحاب بابا" کے نام سے مزار واقع ہے۔

قاضی عبدالحلیم اثر افغانی نے اپنی کتاب" روحانی رابطہ " میں صفحہ 62 آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات سن 45ھ بتائی ہے۔جو کہ پشاور میں چغرمٹی کے مقام پر واقع" مزار اصحاب بابا" پر لکھا گیا ہے۔اور خضدار میں واقع خراواہ کے مقام پر حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے منسوب مزار پر تاریخ سن 53ھ مرقوم ہے۔اور بلاذری اور حموی وغیرہ مؤرخین کے بیانات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ 50ھ تا60ھ کے دوران ادھر سندھ میں شہید ہوئے۔جبکہ دیگر مشاہیر علماء سے اس بارے میں دو اقوال منقول ہیں۔حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف جو75ھ تا95ھ(694ء تا714ء) بیس سال تک عراق کا گورنر رہا،اس کے اول دور ولایت میں یا آخری دور گورنری میں فوت ہوئے۔

حافظ ابن سعد بصری(م230ھ) اور حافظ خلیفہ بن خیاط بصری(م240ھ) کا ایک قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حجاج کے دور گورنری کے شروع میں فوت ہوئے۔طبقات ابن سعد میں ترجمہ 1520 کے تحت اور طبقات خلیفہ میں 1/329پر توفي في اول ولاية الحجاج بن يوسف درج ہے اور طبقات ابن سعد میں ترجمہ 3086 کے تحت اور تاریخ خلیفہ میں 1/308پر اس کے برعکس توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف لکھا گیا ہے۔اور پھر اسی دوسرے قول کو دیکھ کر بعد والے تمام علماء سیر وتراجم نے توفي في آخر ولاية الحجاج ہی لکھا۔ان میں چند ایک ہم یہاں پیش کرتے ہیں؛

ابن حبان نے ثقات ابن حبان میں 3/178 اور مشاہیر علماء الامصار میں 1/71پر، علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں 2/657 پر، ابن اثیر نے اسد الغابہ میں 2/560 پر، امام مزی نے تہذیب الکمال میں

---

[328] جناب فصیح صاحب سے انٹرویو بتاریخ 27جولائی 2017ء بمقام کمانڈنٹ بنگلہ،ہنگو

[329] روحانی رابطہ، ص62

www.besturdubooks.net

12/149 پر، علامہ صفدی نے الوافی بالوافیات میں 15/286 پر، علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ اور تہذیب التہذیب میں 4/241 پر، علامہ بدرالدین عینی نے مغانی الاخیار میں 3/520 پر، علامہ ساعدی یمنی نے خلاصہ تہذیب الکمال میں 1/156 پر، فالوفی اثری نے المعجم الصغیر میں 1/224، امام بری نے الجوہرۃ فی نسب النبی میں 1/229 پر یہی لکھا ہے۔اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں 9/95 پر حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات 93ھ لکھا ہے۔

مؤرخ سندھ عبدالحلیم شرر فرماتے ہیں؛

حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے بعد فتح قصدار (خضدار) وہیں قیام کیا یہاں تک کہ داعی اجل نے انہیں آغوش لحد کے خواب نوشین میں سلادیا۔شاعران ہی کے مرثیہ میں کہتا ہے؛

حلّ بقصدار فأضحى بها   في القبر لم يقفل مع القافلين

لله قصدار و أعنابها   أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين![330]

ترجمہ اشعار: وہ یعنی حضرت سنان قصدار میں داخل ہوا اور پھر جب دیکھا تو قبر میں تھا۔ مجاہدین کے لشکر کیساتھ واپس نہ آیا۔ اللہ اللہ! قصدار اور اس کی وادی نے کیسے جوان دنیاودین کو قبر کے سپرد کردیا۔[331]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پر مستقل تحقیقی مقالہ تیسرے باب میں موجود ہے، وہاں پڑھ کر خوب تسلی کرلیں۔

---

[330] معجم البلدان، ص510

[331] تاریخ سندھ، ص108۔ لیکن جناب شرر صاحب کی یہ بات درست نہیں کیونکہ ایک تو انہوں خود یہ اشعار ایک بار حضرت منذر بن جارود کے بارے میں ذکر کئے ہیں اور یہ چونکہ انہوں نے بلاذری سے لیے ہیں۔بلاذری نے ان اشعار کے بعد لکھا ہے کہ حضرت منذر کے بعد حضرت حری آئے اور ایک روایت کے مطابق سنان آئے۔ تو کیسے سنان کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ ان اشعار میں مخاطب سنان ہیں۔بلاذری لکھتے ہیں؛

ثُمَّ ولي عُبَيْد بْن زياد بْن حرى الباهلي، ففتح الله تلك البلاد عَلَى يده وقاتل بها قتالا شديدا فظفر وغنم، وقال قوم: أن عُبَيْد الله بْن زياد ولي سنان ابن سلمة،

www.besturdubooks.net

باب سوم

پاکستان میں وارد
صحابہ کرامؓ کے سوانح

یہ کتاب صرف ثواب کی خاطر شیئر کی جارہی ہے۔
اسے کسی قسم کے ذاتی مالی فائدے کے لیے استعمال کرنے کی قطعا
اجازت نہیں۔ مصنف

www.besturdubooks.net

حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفیؓ

حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ وہ پہلے صحابی رسول ﷺ تھے جنہوں نے سب سے پہلے پاکستان (سندھ) میں قدم رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ حاکم بحرین حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دوسرے بھائیوں میں ابو امیہ، حکم اور حفص تھے[332]۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ایک بہن تھی جن کا نام بابہ بنت ابی العاص تھا جو بصرہ میں رہتی تھیں[333]۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب عورت تھیں، جو پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت کے وقت موجود تھیں[334]۔ محدثین آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی روایت نقل کرتے ہیں؛

شهدت ولادة النبي صلّى الله عليه وآله وسلّم حين وضعته أمه آمنة، وكان ذلك ليلا، قالت: فما شيء انظر إليه من البيت إلا نور، وإني لأنظر إلى النجوم تدنو حتى أني لأقول ليقعن عليّ.[335]

بلاذری نے لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو آپ کے بھائی حضرت عثمان بن ابی العاصیؓ نے اس سے پہلے فارس بھیجا تھا[336]۔ آپ کو مؤرخین کبھی مغیرہ بن ابی العاص اور کبھی مغیرہ بن ابی العاصی لکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ابو العاصیؓ، ثقفی ہیں، ایک اور ابو العاصی اموی ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ دونوں کے بیٹے عثمان، حکم اور مغیرہ ہیں۔ جو مغیرہ بن ابی العاصی اموی ہے، وہ بدر سے پہلے کافر ہو کر مرا تھا، اس کی بیوی بسرہ مشہور صحابیہ

---

332 ان کے گھر بصرہ میں "شط عثمان" کے مقام پر ان کے ناموں پر موسوم تھے یعنی حکم کا گھر حکمان، حفص کا گھر حفصان، امیہ کا گھر امیتان اور مغیرہ کا گھر مغیرتان کہلاتا تھا۔ (فتوح البلدان، 1/435)

333 جمہرۃ انساب العرب لابن حزم (م456ھ)، ص266

334 اس اہم واقعہ کا تذکرہ اکثر مؤرخین اور اہل سیر نے کیا ہے۔ مثلاً محدث عبد الحق دہلوی نے مدارج النبوۃ، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب اور مولانا ادریس کاندھلوی کی سیرۃ مصطفی ملاحظہ ہو۔

335 اسد الغابہ تحت ترجمہ 7189، الاستیعاب 3568، الاصابہ 11603

336 فتوح البلدان، ص400

www.besturdubooks.net

ہیں جن سے ام کلثوم بنت عقبہ، مروان بن الحکم اور سعید بن المسیب نے احادیث روایت کی ہیں [337]۔ اس کے بیٹے معاویہ کو غزوہ احد کے چند دنوں بعد رسول اللہ ﷺ نے قتل کروایا تھا اور اس کی بیٹی عائشہ، مروان بن الحکم کی بیوی تھی جن کے بطن سے عبد الملک بن مروان پیدا ہوئے [338]۔

گرچہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بھی سندھ آئے تھے جیسا کہ قاضی اطہر مبارک پوری اور مولانا محمد اسحاق صاحب نے لکھا ہے لیکن مجھے ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس میں یہ لکھا ہو، سوائے ان دونوں کے جنہوں نے بغیر کسی حوالے کے اپنی طرف سے لکھ لیا ہے۔ لہٰذا حضرت عثمان کا یہاں آنا کہیں ثابت نہیں ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو یہاں دیبل (پاکستان) بھیجا تھا۔ جس کا ثبوت تمام تر مستند کتابوں اور بنیادی ماخذوں سے ملتا ہے [339]۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ بھی یہاں آئے تھے جیسا کہ ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی نے لکھا ہے [340] لیکن در حقیقت حضرت عامر بن کریز موجودہ افغانستان کے فاتح تھے [341] اس کے علاوہ انہوں نے کرمان، اصفہان، حلون، فارس اور خراسان فتح کیے تھے [342] اور پھر بعد میں آپ تمام مشرقی ممالک کے والی تھے جس میں موجودہ پاکستان بھی شامل تھا [343] لیکن آپ کا یہاں آنا ثابت نہیں، اس سلسلہ میں راقم نے درجنوں عربی کتب کا مطالعہ کیا تب معلوم ہوا۔

---

337 الجوہرۃ فی نسب النبی ﷺ للامام البری (546ھ)، 1/61، دار الرفاعی ریاض، 1403ھ

338 ابو عبد اللہ زبیری (م 236ھ)، نسب قریش، 5/173، دار المعارف قاہرہ، 1401ھ

339 چچ نامہ؛ ص 101، جمہرۃ انساب العرب؛ ص 266، فتوح البلدان؛ ص 93، منہاج الدین؛ ص 73

340 ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی، بلوچستان میں صحابہ کرام، براہوی اکیڈمی کوئٹہ 2004ء، ص 72

341 طبقات ابن سعد، ت 618

342 الاستیعاب، ت 1587

343 فتوح البلدان، ص 416

www.besturdubooks.net

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نہایت ہی عقیل و فہیم اور دور اندیش انسان تھے۔ اپنے بھائی کی طرح آپ رضی اللہ عنہ ایک مدبر و مفکر سیاست دان بھی تھے۔ علاوہ ازیں وہ ایک اعلیٰ جنگجو اور بہت ہی دلیر آدمی بھی تھے۔ جنگی صلاحیتوں سے آگاہ اور انتظامی مسائل کے حل و کشود سے بہرہ ور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی انہی خداداد استعداد اور فطری صلاحیات کو دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے 15 ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کو سندھ کے ساحلی شہر دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مؤرخین اور مترجمین مختلف الرائے ہیں کہ کیا آپ یہاں سے فتح مند ہو کر لوٹے تھے یا پھر یہیں پر شہید ہو گئے تھے۔ صاحب چچ نامہ نے لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ 15 ھ میں جب دیبل آئے تو یہاں شہید ہو گئے تھے [344] جبکہ بلاذری نے اس کے برعکس لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ شہید نہیں بلکہ کامیاب ہوئے تھے [345]۔ فتح نامہ سندھ کی روایت کے مطابق حضرت عثمان نے 15 ھجری میں آپ کو دیبل بھیجا تھا جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے دشمن سے مقابلہ کیا اور نہایت بہادری اور جرات مندی سے لڑ کر جام شہادت نوش کیا [346]۔ اور رہا یہ قول کہ آپ رضی اللہ عنہ یہاں دیبل میں شہید نہیں بلکہ فتح مند ہو گئے تھے جیسا کہ بلاذری فرماتے ہیں؛

ولى عُمَر بْن الخطاب رضى الله عنه عُثْمَان بْن أَبِي العاصي الثقفي البحرين وعمان سنة خمس عشرة فوجه أخاه الحكم إِلَى البحرين ومضى إِلَى عمان فأقطع جيشا إِلَى تانه، فلما رجع الجيش كتب إِلَى عُمَر يعلمه ذلك، فكتب إليه عُمَر: يا أخا ثقيف حملت دودا عَلَى عود وإني أحلف بالله لو أصيبوا لأخذت من قومك مثلهم، ووجه الحكم أيضا إِلَى بروص، ووجه أخاه المغيرة بْن أبي العاصي إِلَى خور الديبل، فلقي العدو فظفر -- [347]

---

[344] چچ نامہ، ص101

[345] فتوح البلدان، ص416

[346] چچ نامہ، ص101

[347] فتوح البلدان، ص416

www.besturdubooks.net

تو آپ رضی اللہ عنہ کامیاب ضرور ہوئے تھے لیکن شہادت پا کر نہ کہ غازی بن کر جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام ساتھ لے کر بحرین سے براہ سمندر سندھ کی اہم بندر گاہ دیبل پر حملہ کیا تھا۔ 15ھ میں جب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ یہاں دیبل آئے تو انہوں نے لشکر کی قلت کے باوجود کمال بہادری دکھائی لیکن چونکہ ایک تو مجاہدین اسلام تعداد میں بہت کم تھے اور دوسری بات یہ کہ انہوں نے کوئی خاص منصوبہ بھی تیار نہیں کیا تھا کیونکہ دیبل ایک ساحلی شہر تھا۔ یہاں اترتے ہی ایک خاص منصوبہ کے تحت حملہ کرنا ہی کامیابی کا ضامن ہو سکتا تھا، اور ایک اہم وجہ جو میں سمجھتا ہوں، تمام وجوہ پر بھاری تھی کہ صحابہ کرام کا یہ لشکر گرچہ خاص اللہ کی رضا کی خاطر سمندر پار آیا تھا لیکن امیر اور خلیفہ وقت کی اجازت اور اطاعت بھی بہر حال ضروری تھی۔ اور اس مہم میں خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بالکل بے خبر رکھا گیا تھا کیوں کہ وہ بحری مہم کے خلاف تھے جیسا کہ دوسرے باب میں تفصیلاً گزر گیا۔ اس لیے یہ تمام تر مجاہدین اسلام یہاں دیبل میں شہید ہو گئے۔ امیر لشکر حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے گو کہ اپنی لشکر کو حمیت دلاتے ہوئے ہر ممکن کوشش کی اور انہیں اس بات پر اکسایا کہ وہ کسی طرح بھی شکست کو فتح میں تبدیل کر لیں لیکن وہ پھر بھی ناکام رہے کیونکہ دیبل کے حاکم سامہ بن دیوائج نے مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ اس آنے والے لشکر کا مقابلہ کیا اور یوں سب کے سب جام شہادت نوش کر گئے۔ گرچہ اس معرکے میں آنے والے تمام تر صحابہ کرام شہید ہوئے تاہم اتنا ضرور ہوا کہ سندھ (پاکستان) کی سرزمین میں اولیں صحابہ کرام ہونے کے ناتے انہوں نے اپنے مبارک اور مقدس خون سے اسلام کا پیغام پہنچا کر حق ادا کر دیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

اگرچہ مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ [348] نے یہاں شہادت کی بجائے کامیابی حاصل کی تھی جیسا کہ بلاذری فرماتے ہیں؛

[348] یاد رہے اس نام پر ایک اور شخص مغیرہ بن ابی العاصی بن امیہ ہیں، جو کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں، اور اس کے بیٹے معاویہ کو رسول اللہ ﷺ نے قتل کروایا تھا جیسا کہ ابھی گزر گیا۔ بہر حال یہ اموی تھا اور حضرت مغیرہ بن ابی العاصی بن بشر بن دھمیان جو دیبل پر حمل آور ہوئے تھے، وہ ثقفی ہیں جن اپنا وطن مالوف طائف تھا۔ (جمہرة الانساب لابن حزم، 1/ 87)

www.besturdubooks.net

ووجه أخاه المغيرة بْن أبي العاصي إِلَى خور الديبل، فلقي العدو فظفر[349]

قاضی اطہر مبارک پوری اور ڈاکٹر محمد اسحاق نے بھی بلاذری کی اقتداء میں ایسا ہی لکھا ہے[350] جبکہ بقول صاحب چچ نامہ کے ایسا نہیں ہوا بلکہ حضرت مغیرہ شہید ہوئے تھے۔[351]

تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو بلاذری کی اس عبارت میں کامیابی کے الفاظ درست نہیں ہے کیونکہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تو اس معرکے میں شہید ہوئے تھے۔ وگرنہ مؤرخین آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت حکم رضی اللہ عنہ کی ممبئ سے واپسی کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کرتے۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ واپس ہی نہیں ہوئے تھے تبھی تو ان کا نام اس جنگ کے بعد ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتا کہ بعد ازاں وہ تھے ہی نہیں تو۔ ہاں البتہ یاقوت حموی اور بلاذری نے لکھا ہے کہ 29ھ کے لگ بھگ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں اپنی ملکیت " شط عثمان " سے اپنے سارے بھائیوں کو جدا جدا زمینیں دی تھیں جہاں وہ اپنے لیے الگ الگ مکانات تعمیر کر کے رہ سکیں۔ انہوں نے اپنے ناموں سے یہاں مکانات آباد کیے اور وہاں رہنے لگے۔ بلاذری کہتے ہیں؛

وقال القحذمي شط عُثْمَان اشتراه عُثْمَان بْن أبي العاصي الثقفي من عُثْمَان ابن عَفَّان بمال له بالطائف، ويقال أنه اشتراه بد ار له بالمدينة فزادها عُثْمَان ابن عَفَّان في المسجد وأقطع عثمان بن أبي العاصي أخاه حفص بن أبي العاصي حفصان، وأقطع أبا أمية بن أبي العاصي أخاه أميتان، وأقطع الحكم بن أبي العاصي حكما، وأقطع أخاه المغيرة مغيرتان، قَالَ: فكان نهر الأرحاء لأبي عمرو بن أبي العاصي الثقفي[352]

---

[349] ایضاً

[350] قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، ص 101، س ط ن،
ڈاکٹر محمد اسحاق کا پی ایچ ڈی مقالہ " علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ " ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 2013ء، ص 25

[351] چچ نامہ، ص 101

[352] فتوح البلدان، 1/352

www.besturdubooks.net

بلاذری کے علاوہ امام حموی بھی اس کے متعلق لکھتے ہیں؛

شط عثمان: ينسب إلى عثمان بن أبي العاصي الثقفي، وقد ذكرته، فأقطع عثمان أخاه حفصا حفصان وأخاه أميّة أميّتان وأخاه الحكم حكمان وأخاه المغيرة مغيرتان.[353]

"شط عثمان" دراصل حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی بصرہ میں ملکیت تھی۔اسی شط عثمان کے بارے میں یاقوت حموی فرماتے ہیں؛

وشط عثمان: موضع بالبصرة كانت سباخا ومواتا فأحياها عثمان بن أبي العاصي الثقفي، وكتب عثمان بن عفان، ﷺ، إلى عبد الله بن عامر ابن كريز وهو والي البصرة من قبله: أن أقطع عثمان بن أبي العاصي الثقفي ما كتب له بالشط، وكان نسخة الكتاب: بسم الله الرحمن الرحيم– هذا كتاب عبد الله عثمان أمير المؤمنين لعثمان بن أبي العاصي– إني أعطيتك الشط لمن ذهب إلى الأبلة من البصرة والمقابلة قرية الأبلة والقرية التي كان الأشعري عمل فيها وأعطيتك ما كان الأشعري عمل من ذلك وأعطيتك براح ذلك الشط أجمة وسبخة فيما بين الخرّارة إلى دير جابيل إلى القبرين اللذين على الشط المقابلين للأبلة وأعطيتك ما عملت من ذلك أنت وبنوك، إن واحدا تعطيه شيئا من ذلك من إخوتك فاعتمله عن عطيتك، وأمرت عبد الله بن عامر أن لا يمنعكم شيئا أخذتموه ترون أنّكم تستطيعون عمله من ذلك فما كان فيه بعد ما عملتم واخترتم من فضل لا ترونكم ما عملتموه فليس لكم أن تتحوّلوا دونه لمن أراد أمير المؤمنين أن يعمل فيه حجة له، وأعطيتك ذلك عوضا عن أرضك التي أخذت منك بالمدينة التي اشتراها لك أمير المؤمنين عمر بن الخطّاب ﷺ، وما كان فيما سميت فضل عن تلك الأرضين فإنها عطية أعطيتك إياها إذ عزلتك عن العمل، وقد كتبت إلى عبد الله ابن عامر أن يعينك في عملك ويحسن لك العون،

---

[353] معجم البلدان للحموی، 1/435

www.besturdubooks.net

فاعمل باسم الله وعونه وامسك، شهد المغيرة بن الأخفش والحارث بن الحكم بن أبي العاصي وفلان بن أبي فاطمة، وكتب تاريخه لثمان بقين من جمادى الآخرة سنة 29.[354]

خلاصہ کلام یہ کہ طائف میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہ ایک جائیداد تھی جسے یا تو انہوں نے خریدا تھا اور یا پھر انہیں یہ جائیداد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دی تھی اس مکان کے بدلے جسے خلیفہ ثالث نے مسجد نبوی کی توسیع میں استعمال کیا تھا جیسا کہ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے۔ اس قطعہ ارضی کو " شط عثمان " کہا جاتا تھا۔ یہ چونکہ ایک بڑا رقبہ تھا اور حضرت عثمان کے استعمال سے زیادہ تھا لہٰذا آپ نے اپنے بھائیوں کو بھی اس سے مکان بنانے کے لیے حصہ دے دیا تھا جس میں حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بھی مکان بنانے کے لیے جگہ ملی تھی اور یہ سن 29 ہجری کا تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ 29 ہجری تک موجود تھے۔ اسی بنا پر ڈاکٹر محمد اسحاق نے چچ نامہ کے اس قول کی تردید کی ہے جس میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو شہید لکھا گیا ہے[355]۔ تاہم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اولاد کو یہ اراضی عطا کی ہو کہ وہ ہی دراصل ان کے والد تھے کہ انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو مشن دیبل پر بھیجا تھا اور اب جبکہ حضرت مغیرہ موجود نہیں تھے تو " العم صنو الاب " کے تحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی آپ کی اولاد کے سرپرست اور والد جیسے تھے۔ آپ کی اولاد میں بڑے صاحب شرف لوگ گزرے ہیں جیسا کہ امام ابن حزم نے ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔[356]

چچ نامہ یعنی فتح نامہ سندھ جو کہ تقریباً 150 ہجری کے لگ بھگ لکھی گئی سندھ کی تاریخ پر اولیں اور مستند کتاب ہے، اس میں مسلمانوں کی اس اولیں حملہ کے بارے میں یوں لکھا گیا ہے؛

---

354 معجم البلدان، 3/344

355 ڈاکٹر محمد اسحاق، " علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ " ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 2013ء، ص25

356 جمہرۃ الانساب لابن حزم، 1/87

www.besturdubooks.net

" ان خبروں کے راویوں اور ان روایتوں کے جاننے والوں نے اسی طرح بیان کیا ہے کہ ہند اور سندھ کے شہروں میں لشکر اسلام کی پہلی جنگ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے پندرہ سال بعد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عثمان بن ابی العاص نے حضرت مغیرہ کی سرداری میں سمندر کی راہ سے بحری بیڑہ بحرین بھیجا تاکہ وہ اس راستے سے دیبل روانہ ہوں۔ اس وقت سندھ کا راجہ چچ بن سیلائج تھا اور چچ کی طرف سے سامہ بن دیوائج دیبل کا حاکم تھا۔ دیبل کے باشندے تاجر تھے۔ اس وقت راجہ چچ کی حکومت کو 35 برس ہو چکے تھے۔ اور جب اسلامی لشکر شہر دیبل پہنچا تو اس (شہر کے مقامی لوگوں) نے قلعے سے باہر (نکل کر) جنگ کی۔ ثقفیین میں سے ایک آدمی بیان کرتا ہے [357] کہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر بسم اللہ اور فی سبیل اللہ کہتے ہوئے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس آدمی سے پوچھا گیا کہ تم تو جنگ کر رہے تھے تو تمہیں یہ خبر کیسی معلوم ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ میں ہاتھوں سے جنگ کر رہا تھا، دل اور کانوں سے یہ حال سن رہا تھا۔"[358]

لہٰذا فتوح البلدان اور اس کے بعد والے عرب مؤرخین و مصنفین نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کامیاب ہو کر لوٹے تھے، اس لیے صحیح نہیں کہ ایک تو اس واقعہ کے بعد حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ کا نام تک پوری تاریخ میں نہیں ملتا سوائے ایک جگہ جس کی تفصیل ابھی گزر گئی کہ

---

[357] یہ آدمی مقامی لگتا ہے جو کہ اس جنگ کا عینی شاہد تھا، اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک، چونکہ یہ غیر مسلم تھا اس لیے اس نے عام مستعمل الفاظ بسم اللہ اور فی سبیل اللہ یاد کر لیے اور باقی وہ اشعار جو صحابہ نے رجز میں پڑھے تھے، وہ اس کو اس لیے یاد نہ ہو سکے کہ وہ عربی میں تھے اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ ابھی عربی زبان سے ناشنا تھے۔ دوم، یہ صحابہ تعداد میں بہت زیادہ نہ تھے کیونکہ ایک عام آدمی کو بھی سالار لشکر کا نہ صرف پتہ تھا بلکہ وہ اسے لڑتے اور رجز پڑھتے دیکھ اور سن رہا تھا، یا پھر ایسا بھی ممکن ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سالار لشکر ہو کر سب سے آگے لڑ رہے تھے، سوم، اس آدمی کی یہ گواہی کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، اس بات پہ دال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت فتح سے ضرور بہرہ مند ہوئی تھی لیکن وہ فتح معنوی تھی یعنی شہادت۔

[358] چچ نامہ، ص 101

www.besturdubooks.net

آپ کی اولاد کو آپ کے بھائی نے بصرہ میں ایک مکان بنام " مغیر تان " دیا تھا۔ دوم، چونکہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو حضرت عمر رضی اللہ کے غصے اور جلال کا پتہ تھا کہ انہوں نے اِس سے پہلے واقعہ پر انہیں تنبیہ دی تھی کہ اگر کوئی ایک مجاہد بھی ضائع ہو گیا تو میں بدلہ تمہارے خاندان سے لوں گا، غرض سختی سے منع کیا تھا، اس لیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہی بھائیوں کا انتخاب کیا کہ پھر خلیفہ کو کوئی شکایت کا موقع ہی نہ ملے۔ سوم، اس معرکے کے عینی شاہد نے ان کی شہادت کی گواہی دی۔ چہارم، اس واقعہ کے بعد جب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا ارادہ چھوڑ دیا۔ اور پھر اس کے بعد جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندہ تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر کبھی بحری سفر خصوصاً سندھ پر فوجی مہم کے بارے میں منہ نہیں کھولا۔ اور اس بات کی خبر بھی حضرت امیر المؤمنین کو نہیں دی کہ ان کے پاس اِس بار عذر کے لیے بھی کچھ نہیں بچا تھا۔ یہ تو جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عراق پر حاکم مقرر ہوئے تو انہوں نے حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو یہاں سندھ بھیج دیا، اور پھر یہاں آکر انہیں معلوم ہوا کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص شہید ہو گئے ہیں، چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت خلیفہ کے ڈر سے اس بات کو چھپائے رکھا تھا اور یہی بات ظاہر ہے کہ عرب میں تو کسی اور کو معلوم تھی نہیں، اور سندھ سے عرب تب جا کر پہنچی جب یہاں چند سال بعد عرب آگئے، تو حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو سندھی لوگوں نے بتا دیا کہ ہم نے جس طرح تم سے پہلے حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا حال کیا تھا، تم لوگوں کا بھی وہی حشر کر دیں گے، یہ بات چچ نامہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو باخبر کر دیا کہ ان لوگوں نے حضرت مغیرہ بن ابی العاصی کو شہید کر دیا ہے اور وہاں کے حاکم بہت متکبر اور سرکش ہو گئے ہیں لہٰذا آپ سندھ پر حملہ کی اجازت دیجئے تاکہ ہم ان کے دماغ سے سرکشی دور کر دیں اور اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاصی کا بدلہ بھی لیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے

www.besturdubooks.net

منع کر دیا[359]۔ نیز جب راجہ داہر نے محمد بن قاسمؒ کو خط لکھا تو اس موقع پر بھی راجہ داہر نے یہی کچھ کہا تھا کہ تم عرب لوگ اپنے ارادے سے باز آجاؤ ورنہ تمہاری درگت بھی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی طرح بہت بُری ہو گی۔

راجہ داہر کے خط کے الفاظ یہ تھے؛

"یہ خط ہے سندھ کے بادشاہ، ہند کے راجہ، بر و بحر کے حاکم راجہ داہر بن چچ کی طرف سے مغرور اور فریب زدہ محمد بن قاسم کی طرف کہ جو قتل عام اور جنگ کا اتنا شوقین اور بے رحم ہے کہ خود اپنے لشکر پر رحم نہیں کرتا اور سب کو بربادی کے غار کی طرف دھکیل دیا ہے۔اس سے پہلے ایک دوسرے شخص مغیرہ بن ابوالعاص[360] کے سر میں بھی ایسا ہی غرور پیدا ہوا تھا اور سیاست کا تیر لے کر آیا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ سودا تھا کہ میں سندھ اور ہند فتح کر کے اپنے قبضے میں کر دوں گا لیکن ہمارے ایک ادنیٰ درجے کے ٹھاکر جو دیبل شکار کرنے گیا تھا، نے اسے وہاں قتل کر دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خود کو غرور میں مبتلا نہ کرو ورنہ ہم تمہاری حشر بھی بُدیل[361] کی طرح کریں گے، کہ تم لوگوں میں ہم سے مقابلے کی سکت نہیں ہے۔"[362]

---

[359] چچ نامہ، ص 101

[360] جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی کہ یہاں پر بعض نسخوں میں یہ نام شاید غلط لکھا گیا ہو یا پھر شاید راجہ داہر کو صحیح نام یاد نہ ہو اور صاحب چچ نامہ نے اس کے خط کو من و عن یعنی لفظ بہ لفظ نقل کیا ہو، بعد میں سرسری مطالعہ کرنے والوں نے سمجھا کہ چونکہ ابوالعاص بن الحکم تو ہیں نہیں البتہ اس سے مراد حکم بن ابوالعاص ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ حضرت حکم اس وقت سندھ آئے نہیں تو یہاں شہید کیسے ہوئے؟ اور مزے کی بات یہ کہ یہ تو بعد میں فتح ایران، افغانستان اور خراسان میں شامل تھے، 50ھ میں خراسان کے والی مقرر ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ بلاذری کے الفاظ یہ ہیں؛

وكان عفيفا وله صحبة وإنما قال لحاجبه قيل ايتني بالحكم وهو يريد الحكم بن أبي العاصي الثقفي، فلما رآه تبرك به، وقال رجل صالح من أصحاب رسول الله ﷺ فولاه خراسان فمات بها في سنة خمسين وكان الحكم أول من صلى من وراء النهر. (فتوح البلدان، ص374)

[361] حضرت بدیل بن طہفہ بجلی کو حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم سے پہلے سندھ پر حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا تھا لیکن وہ دیبل کے مقام پر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ ان کا آمنا سامنا راجہ داہر کے بیٹے جیسینہ کے ایک بڑے لشکر سے ہوا تھا، ان کے ساتھ صبح سے لے کر شام تک لڑتے رہے اس دوران انہوں نے کئی کافر واصل جہنم کیے اور آخر میں خود بھی جام شہادت نوش کیا۔ (چچ نامہ، ص 117)

www.besturdubooks.net

اس عبارت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ آیا اسلامی لشکر نے فتح حاصل کی تھی کہ ہزیمت اٹھائی تھی، تاہم اشارتاً معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں مسلم سپہ سالار کی شہادت کی وجہ سے اسلامی عسکر ناکام ہوا تھا۔ واللہ اعلم

مؤرخ سندھ مولانا عبدالحلیم شررؒ کو بھی لگتا ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ یہاں دیبل میں شہید ہو گئے تھے۔ اپنی کتاب " تاریخ سندھ " میں لکھتے ہیں؛

"معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاصی شہر دیبل کی لڑائی میں واصل بحق ہوئے تھے۔"[363]

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی تاریخ سندھ کے حاشیہ میں بحوالہ چچ نامہ اسی بات کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ دیبل میں شہید ہوئے تھے[364]۔

مشکل یہ ہے کہ سوائے بلاذری اور صاحب چچ نامہ کے اور کسی مؤرخ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یعنی خلیفہ، طبری، مسعودی، حموی، دینوری، مقدسی، یعقوبی، ابن اثیر، ابن کثیر، امام ذہبی، ابن خلکان، ابن خلدون، سیوطی وغیرہ جیسے مستند مؤرخین میں سے کسی نے بھی اس واقعہ کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ کچھ اس قسم کے خیالات کا اظہار ڈاکٹر عبداللہ مبشر طرازی نے بھی اپنے عربی مقالہ " موسوعۃ التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیہ) فی عہد العرب " میں کیا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو؛

" مؤرخین نے بعض نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ دیبل میں جیش اسلامی نے فتح پائی لیکن انہوں نے تھانہ (بمبئی) سے عمان کی طرف واپسی کی طرح ذکر نہیں کیا ہے۔ اور صاحب چچ نامہ نے ہزیمت اور فتح کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے بلکہ صرف سپہ سالار کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ یعقوبی، مسعودی، طبری اور ابن خلدون میں کسی نے بھی اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔"[365]

---

[362] چچ نامہ، ص134

[363] تاریخ سندھ از شررؒ، ص84

[364] تاریخ سندھ از سلیمان ندویؒ، ص27

[365] الدکتور عبداللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، عالم المعرفۃ جدہ السعودیۃ، 1403ھ/1983ء، ص132

www.besturdubooks.net

ایک طرف صاحب چچ نامہ (م225ھ) ہیں جو حضرت مغیرہ کو شہید کہتے ہیں اور دوسری طرف بلاذری (م279ھ) ہیں جو آپ کو فاتح قرار دیتے ہیں ایسے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کیا ہوا۔ اگر دیکھا جائے تو بلاذری 29ھ میں مکان مغیرہ کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ آپ کے بھائی حضرت عثمان بن ابی العاص نے آپ کو بصرہ میں مکان بنانے کے لیے جگہ دی تھی، بنانے کے بعد اس مکان کو " مغیرتان " کہا جاتا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ شہید نہیں ہوئے تھے لیکن اگر قرب کی وجہ سے دیکھا جائے تو صاحب چچ نامہ کی بات درست لگتی ہے کہ وہ زمان و مکان کے اعتبار سے بلاذری سے مقدم و مقرب ہیں اور پھر راجہ داہر کے خط میں بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر اس بات کا ثبوت ہے کہ واقعی آپ شہید ہوئے تھے۔

ڈاکٹر عبد الرحمٰن لکھتے ہیں کہ آپ کی اولاد ابھی تک سندھ اور بلوچستان میں "مغیری" کہلاتی ہے [366]۔ اب حقیقت کا علم تو صرف اللہ کی ذات کو ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہاں اور کب شہید یا کہ فوت ہوئے۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ادھر دیبل ہی میں شہید ہوئے تھے کیونکہ اس کے بعد پوری تاریخ میں سوائے آپ کے مکان کے، آپ رضی اللہ عنہ کا ذکر تک نہیں ملتا۔ جہاں تک مکان کا تعلق ہے تو جیسا کہ پہلے عرض ہوا کہ وہاں پر صراحت موجود نہیں ہے کہ واقعی مغیرہ کو دیا تھا یا ان کی اولاد کو۔

حضرت ربیع بن زیاد حارثیؓ

حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ تھے [367]۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں یوں درج ہے۔

ربيع بْن زياد بْن الربيع الحارثي من بني الحارث بْن كعب، كذا نسبه أَبُو عمر.

وقال غيره: الربيع بْن زيد بْن أنس بْن الديان، واسمه يزيد بْن قطن بْن زياد بْن الحارث بْن مالك بْن ربيعة بْن كعب بْن الحارث بْن كعب بْن الحارثي.نسبه أَبُو فراس، فعلى هذا النسب

---

[366] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 95

[367] الوافی بالوافیات للامام صفدیؒ؛14/55، اسد الغابہ للامام ابن اثیر؛ تحت ترجمہ 1625

www.besturdubooks.net

يكون ابن عم عبد الحجر بْن عبد المدان، واسمه عمرو بْن الديان، واسمه يزيد.والحارث بْن كعب من مذحج.[368]

آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت خرشب تھا[369]۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ سے حفصہ بنت سیرینؒ اور مطرف بن شخیر روایت کرتے ہیں[370]۔یاد رہے ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کے نام سے دو اور صحابہ بھی ہیں۔ایک ان میں ربیع بن زیاد خزاعی ہیں[371]، اور دوسرا ربیع بن زیاد عبسی ہیں[372]۔اور ایک ربیع بن یزید سلمی ہیں جنہیں امام مغلطائی نے آپ ہی کا دوسرا نام لکھا ہے[373]۔واللہ اعلم

آپ اپنے جد امجد حارث کی نسبت سے "حارثی" مشہور ہیں[374] تاہم اپنے ایک دوسرے جد مذحج کی نسبت سے "مذحجی"[375] اور بصرہ میں قیام کرنے کی وجہ سے بصری بھی کہلاتے ہیں[376]۔چونکہ آپ دور نبوی میں پیدا ضرور ہوئے لیکن آپ کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی بلکہ آپ دور فاروقی میں مدینہ تشریف لائے تھے اس لیے امام بخاری، ابن ابی حاتم اور ابن حاتم نے آپ کو تابعی لکھا ہے تاہم امام قرطبی، ابن اثیر، خلیفہ، ابن حجر، ذہبی وغیرہ دیگر تمام حضرات نے آپ کو مدرک صحابی ہی لکھا ہے۔[377]

---

[368] اسد الغابہ للامام ابن اثیر؛ تحت ترجمہ 1625

[369] المعارف، 1/82

[370] الوافی بالوافیات للامام صفدیؒ، 14/55

[371] معجم الصحابہ للبغوی، 2/403

[372] الکامل فی التاریخ، 1/576

[373] اکمال فی تہذیب الکمال، تحت ترجمہ 1541

[374] اسد الغابہ تحت ترجمہ 1625

[375] الجرح والتعدیل، 1/562

[376] الاستیعاب، 1/181

[377] أسد الغابہ ت(1625)، الاستیعاب ت(753)، التاریخ الکبیر 915، الجرح والتعدیل 2073، العبر 1/ 53، التجرید 1/ 177، شذرات الذهب 1/ 55، تهذیب الکمال 9/ 78، الطبقات الکبری لابن سعد 6/202۔

www.besturdubooks.net

علی بن حامد کوفی فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص کے بعد حضرت ربیع بن زیاد پہلے آدمی ہیں جو سندھ آئے تھے۔[378]

آپ رضی اللہ عنہ کو گورنر عراق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے 17ھ میں مکران کی طرف روانہ کیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے یہاں آکر فتوحات کی ابتدا کی تھی[379]۔ اور پھر 23ھ میں آپ کو ممالک مشرقیہ کی طرف بھیجا گیا جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے بیروذ اور اھواز فتح کیے[380]۔ اور اسی دور فاروقی میں آپ رضی اللہ عنہ نے سبی (سندھ) اور عنوہ بھی اسلامی سلطنت میں شامل کر لیے[381]۔ اور جب آپ رضی اللہ عنہ نے سبی فتح کر لیا اور سندھ میں مزید آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو اس وقت سندھ کے راجہ چچ نے آپ رضی اللہ عنہ کو خبر دار کیا کہ اگر اس نے مزید ایسی کسی کارروائی کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام بھی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی طرح برا ہی ہوگا[382]۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے گورنر عراق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا، انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صورتحال سے خبر دار کیا، جنہوں نے سندھ میں مزید پیش قدمی کرنے سے انہیں روکا۔

دور عثمانی میں 30ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے سجستان بھی فتح کر لیا[383]۔ اور دور علوی میں آپ رضی اللہ عنہ نے زالق پر بھی اسلامی پرچم گاڑ دیا[384]۔ 50ھ میں والی خراسان حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب ان پر والی بصرہ زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھی تو آپ رضی اللہ عنہ کو

---

378 منہاج الدین، ص 73

379 العقد الثمین، ص 58

380 الکامل فی التاریخ، 2/425

381 تاریخ الطبری 4/184، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر 2/488

382 چچ نامہ، ص 101

383 تاریخ خلیفہ، 1/164

384 ایضاً، 1/180

www.besturdubooks.net

اس کے بعد والی خراسان مقرر کر کے بھیج دیا[385]۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت خاکسار طبیعت والے تھے، گورے رنگ کے دبلے پتلے کمزور جسم کے مالک تھے۔ طبقات ابن سعد میں آپؓ کے بارے میں لکھا ہے؛

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو أَبُو مَعْمَرٍ الْمِنْقَرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ الْمُعَلِّمِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ فِي حَدِيثٍ رَوَاهُ وَصَفُ فِيهِ الرَّبِيعَ ابن زِيَادٍ الْحَارِثِيَّ قَالَ: رَجُلٌ أَبْيَضُ خَفِيفُ اللَّحْمِ خَفِيفُ الْجِسْمِ۔[386]

آپ رضی اللہ عنہ کی خاکسارانہ طبیعت اور عجیب شان وشوکت کے بارے میں ایک عجیب بات مشہور ہے جسے اکثر مترجمین نے نقل کیا ہے، امام ابن اثیر فرماتے ہیں؛

وللربيع صحبة وهو الذي قال فيه عمر: دلوني عَلَى رجل إذا كان في القوم أميرًا فكأنه ليس بأمير، وَإذا كان في القوم وليس بأمير فإنه أمير بعينه.

فقالوا: ما نعرف إلا الربيع بْن زياد الحارثي.

قال: صدقتم. وكان خيرًا متواضعًا [387]

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ مجھے ایسے شخص کے بارے میں بتاؤ کہ جب وہ قوم کے منصب امارت پر فائز ہو تو ایسا معلوم ہو کہ وہ امیر نہیں ہیں اور جب وہ اس منصب پر فائز نہ ہو تو انہیں امیر سمجھا جانے لگے؟

لوگوں نے کہا کہ ایسے اوصاف کا حامل تو ہمارے نزدیک صرف ربیع بن زیادؓ ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا؛ تم لوگوں نے صحیح کہا۔

الحاصل آپ رضی اللہ عنہ بڑے متواضع اور لوگوں کے خیر خواہ انسان تھے۔ آپ سپہ سالار ہو کر بھی اپنی سواری کبھی ساتھیوں سے آگے نہیں کرنے دیتے اور ہمیشہ مال غنیمت میں دوسروں کے برابر حصہ لیا۔[388]

---

[385] فتوح البلدان، 384/1

[386] طبقات الکبریٰ، 202/6

[387] اسد الغابہ، 255/2

[388] فتوح البلدان، ص379

www.besturdubooks.net

آپ رضی اللہ عنہ نے زرنج، زالق، کابل، سیستان، کرمان، مکران اور سبی کی جنگوں میں شرکت کی اور بہادری وجوانمردی دکھاکر فتحیاب رہے۔36ھ میں ایران کے علاقہ بست میں راجہ رتبیل کو شکست ہوئی تو وہ بھاگ کر سندھ کے علاقہ بدھیہ آگیا۔ آپ اس کے تعاقب میں یہاں چلے آئے اور اسے جالیا۔ مکران، کرمان، سیستان کے بعد خراسان کے گورنر بھی رہے[389]۔ آپ کسی ضرورت کے بغیر گورنر عراق کو خط نہیں لکھتے تھے۔ تبھی حضرت زیاد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ربیع بن زیاد جیسے خط کسی کے نہیں دیکھے کہ وہ حصول نفع یا دفع ضرر کے متعلق ہوتے ہیں، آپ کے کاتب حضرت حسن بصری تھے؛

وكان لايكتب قط إِلَى زيادإلا في اختيار منفعة أو دفع مضرة وكان الحسن البصري كاتبه[390]۔

آپ رضی اللہ عنہ کے شیوخ حدیث میں حضرت ابی بن کعب اور حضرت کعب احبار ممتاز ہیں اور آپ کے تلامذہ میں ابو مجلز، مطرف بن عبد اللہ بن شخیر، حفصہ بنت سیرین قابل ذکر ہیں[391]۔

اسی سال جس سال حجر بن عدی شہید ہوئے یعنی 51ھ میں آپ نے بھی وفات پائی۔امام طبری " وفات ربیع بن زیاد" کے تحت لکھتے ہیں؛

وَفَاةُ الرَّبِيعِ بْنُ زِيَادٍ الْحَارِثِيُّ، وَهُوَ عَامِلُ زِيَادٍ عَلَى خُرَاسَانَ.

(ذكر الخبر عن سبب وفاته:) حَدَّثَنِي عُمَرُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: ولي الربيع بن زياد خُرَاسَان سنتين وأشهرا، ومات فِي العام الَّذِي مات فِيهِ زياد، واستخلف ابنه عَبْد اللَّهِ بن الربيع، فولي شهرين، ثُمَّ مات عَبْد اللَّهِ قَالَ: فقدم عهده من قبل زياد عَلَى خُرَاسَان وَهُوَ يدفن، واستخلف عَبْد اللَّهِ بن الربيع عَلَى خُرَاسَان خليد بن عَبْدِ اللَّهِ الحنفي.قَالَ علي: وأخبرني مُحَمَّد بن الفضل، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: بلغنى ان الربيع ابن زياد ذكر يَوْمًا بخراسان حجر بن عدي، فَقَالَ: لا تزال العرب تقتل صبرا بعده، ولو نفرت عِنْدَ قتله لم يقتل رجل مِنْهُمْ صبرا، ولكنها أقرت فذلت، فمكث بعد هَذَا الكلام جمعة، ثُمَّ خرج فِي ثياب بياض فِي يوم

---

389 تاریخ طبری،5/291

390 اسد الغابہ،ت1625

391 الاستیعاب ت(753)، التاریخ الکبیر 915، الجرح والتعدیل 2073، العبر 1/ 53، التجرید 1/ 177، شذرات الذھب 1/ 55

www.besturdubooks.net

جمعة، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، إني قَدْ مللت الحياة، وإني داع بدعوة فأمنوا ثُمَّ رفع يده بعد الصَّلاة، وَقَالَ: اللهم إن كان لي عندك خير فاقبضني إليك عاجلا وأمن الناس فخرج، فما توارت ثيابه حَتَّى سقط فحمل إِلَى بيته، واستخلف ابنه عَبْد اللَّهِ، ومات من يومه۔[392]

ایک طرف آپ رضی اللہ عنہ اپنے دوست حضرت حجر بن عدی کے قتل پر سخت غمزدہ تھے اور دوسری طرف والی عراق زیاد کی من مانیوں سے تنگ آگئے تھے اس لیے آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب میں اپنی زندگی سے بیزار ہوچکا ہوں اور اپنے رب کے حضور دعا کی کہ اب تو اپنے پاس بلا ہی دے۔ مشہور ہے کہ اللہ اپنے خاص بندوں کی دعا کبھی رد نہیں کرتا، اللہ نے آپؓ کی سن لی اور اسی برس آپ انتقال کر گئے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں؛

لَمَّا بلغ الربيع بن زياد مقتل حُجْر بن عدي، دعا فَقَالَ: اللَّهم إن كَانَ للربيع عندك خير، فاقبضه إليك وعجل، فزعموا أَنَّهُ لَمْ يبرح من مجلسه حَتَّى مات [393]

اس دعا کے بعد ابھی آپ رضی اللہ عنہ اس مجلس سے اٹھے بھی نہیں تھے کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

حضرت سعد بن ہشام انصاریؓ

آپ رضی اللہ عنہ بنو نجار کے چشم و چراغ تھے۔ آپؓ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

سعد بن هِشَام بن عَامِر بن أمية بن زيد بن الحسحاس بن مالك بن عَامِر بن غنم بن عدي بن النجار الأنصاري [394]

آپؓ کے دادا حضرت عامر بن امیہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شریک ہوئے اور شہید بھی ہوئے[395]۔

---

[392] ایضاً،

[393] تاریخ الاسلام، 480/2

[394] اسد الغابہ، 377/5

[395] یاد رہے کہ ایک عامر بن ابی امیہ، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے اور وہ مخزومی تھے۔ (اسد الغابہ، ت 2682)

www.besturdubooks.net

ابو نعیم، امی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں؛

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «نِعْمَ الْمَرْءُ كَانَ عَامِرًا، أُصِيبَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ [396]

حضرت عامر رضی اللہ عنہ یوم احد شہید ہوئے تو وہ بھی بقیہ شہداء احد کے ساتھ مقام احد میں دفن کئے گئے۔

عامر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت ہشام روایت کرتے ہیں؛

أخبرنا أَبُو الفضل المنصور بْن أَبِي الحسن الطبري الفقيه، بِإِسْنَادِهِ إِلَى أَبِي يعلى أحمد بْن عَلِيٍّ، قال: حدثنا شيبان بْن فروخ، حدثنا سليمان بْن المغيرة، حدثنا حميد بْن هلال، عن هشام بْن عامر قال: جاءت الأنصار يَوْم أحد، فقالوا: يا رَسُول اللَّهِ، بنا قرح وجهد، فكيف تأمرنا؟ قال احفروا، وأوسعوا، واجعلوا الرجلين والثلاثة في القبر الواحد فقالوا من تقدم؟ قال قدموا أكثرهم قرآنًا "قال: فقدم أَبِي بين يدي اثنين من الأنصار، أو قال: واحد من الأنصار [397]

حضرت سعد کے والد کا دور جاہلیت کا نام " شہاب " تھا لیکن اسے رسول اللہ ﷺ نے تبدیل کر کے "ہشام" کر دیا تھا[398]۔ ابن اثیر لکھتے ہیں؛

شهاب والد سعد بْن هشام.أتى النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال: " ما اسمك؟ " قال: شهاب، قال: " أنت هشام "[399]

ہشام اور ان کے والد عامر کے بارے میں تو صراحت سے ثابت ہے کہ یہ دونوں حضرات شرف ملاقات سے سرفراز ہوئے تھے البتہ حضرت سعد بن ہشام کے بارے میں کسی بھی نے صراحت سے نہیں لکھا ہے تاہم

---

396 معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 1478/3

397 اسد الغابہ، ت 2681

398 معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، ت 3746

399 اسد الغابہ، 541/2

www.besturdubooks.net

قرائن سے ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ حضرت سعد بھی صحابی رسول ﷺ ہیں کیونکہ آپ کی شہادت مکران[400] میں 23ھ میں ہوئی[401]۔ اب ظاہر ہے کہ شہادت کے وقت ان کی عمر کم از کم اٹھارہ انیس برس تو ہوگی، یعنی جس وقت رسول اللہ ﷺ وصال فرمارہے تھے اس وقت سعد آٹھ، نو برس کے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعد کا شمار گرچہ صغار صحابہ میں آتا ہے، تاہم صحابی رسول ﷺ کہلانے کا شرف رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھے کہ بنو نجار مدینہ میں رہتے تھے، ہاں حضرت ہشام نے بعد میں بصرہ کوچ کیا تھا[402] اور وہیں وفات پائی[403]۔ امام بخاریؒ اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

سَعْد بْن هشام بْن عامر الْأَنْصَارِيّ ابْن عم أنس، عَنْ أنس وَسَمِعَ عَائِشَةَ، روى عَنْهُ الْحَسَن وزرارة، قَالَ لنا أَبُو الوليد حَدَّثَنَا حصين بْن نافع سَمِعَ الْحَسَن: قتل سَعْد فِي أرض مكران على أحسن حال[404]

امام بخاریؒ کے بقول حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ نے مکران میں بہترین حالت میں جام شہادت نوش کیا۔ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں وہ "احسن حال" کیا تھا؟

حضرت سعدؓ گرچہ براہ راست رسول اللہ ﷺ سے راویت نہیں کرتے لیکن امی عائشہ، اپنے والد ہشام، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، سمرہ بن جندب اور ابوہریرہ رضوان اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ

---

400 مکران میں شہید ہوئے، اس کا ثبوت تو امام بخاری کی "التاریخ الکبیر" سے ملتا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تاہم جہاں تک آپ کی تاریخ شہادت کی بات ہے تو امام ذہبی نے 81ھ تا 90ھ لکھا ہے (التاریخ الاسلام، 2/937) تبھی تو محمد اسحاق بھٹی نے آپ کا شمار تابعین میں کیا ہے (فقہائے ہند، 1/50، لاہور 1974ء)، جبکہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن (ڈبل پی ایچ ڈی) نے اپنی کتاب "بلوچستان میں صحابہ کرام" کے ص 50 پر لکھا ہے کہ حضرت سعد صحابی رسول ﷺ تھے اور ان کی شہادت دور فاروقی میں 23ھ کو مکران (پاکستان) میں ہوئی۔

401 ڈاکٹر عبدالرحمٰن، بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 50

402 جیسا کہ پہلے عرض ہوا ہے کہ بصرہ شہر کی بنیاد 14ھ میں رکھی گئی تھی اس لیے اگر حضرت ہشام بصرہ چلے بھی گئے ہونگے تو 14ھ کے بعد جس کا مطلب یہ ہے کہ وصال نبی ﷺ تک مدینہ میں موجود تھے۔

403 اسد الغابہ، ت 5379

404 التاریخ الکبیر للبخاری، ت 1980

www.besturdubooks.net

ایک مشہور حدیث کے راوی ہیں۔ جب آپؓ نے امی عائشہ سے اخلاق نبوی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے آپؓ کو جواب دیا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا کہ قرآن ہی " خلق نبوی " ہے۔ یعنی جو قرآن میں مکتوب ہے، نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ اس کی عملی تفسیر ہے۔

امام ابن سعد " الطبقات الکبریٰ" میں رویت کرتے ہیں؛

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ. أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَنْبِئِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ:أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ قُلْتُ: بَلَى. قَالَتْ: فَإِنَّ خُلُقَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنُ [405]

امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں جاننا ہو تو وہ قرآن اٹھا کر دیکھ لیں۔ اس کے علاوہ ایک اور حدیث بھی کافی مشہور ہے؛

أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ. أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حُرَّةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوضَعُ له السواك من الليل. وكان اسْتَأْنَفَ السِّوَاكَ فَكَانَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ اسْتَاكَ. ثُمَّ تَوَضَّأَ. ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ.ثُمَّ صَلَّى ثَمَانِي رَكَعَاتٍ. ثُمَّ أَوْتَرَ [406]

آپ کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں امام حسن بصری، حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفی اور حمید بن عبد الرحمٰن حمیری شامل ہیں۔ [407]

ابن حجر عسقلانی" تہذیب التہذیب" میں لکھتے ہیں؛

سعد بن هشام بن عامر الأنصاري المدني بن عم أنس. روى عن أبيه وعائشة وابن عباس وأبي هريرة وسمرة بن جندب وأنس رضي الله عنهم وعنه حميد بن هلال وزرارة بن أبي أوفى وحميد بن عبد

---

[405] طبقات ابن سعد، 1/273

[406] ایضاً، 1/374

[407] تاریخ الاسلام لامام ذہبی، 2/937

www.besturdubooks.net

الرحمن الحميري والحسن البصري قال النسائي ثقة وذكر البخاري أنه قتل بأرض مكران على أحسن أحواله قلت قال أبو بكر الحازمي "مكران" بضم الميم بلدة بالهند وقال ابن سعد كان ثقة إن شاء الله تعالى وذكره ابن حبان في الثقات وقال قتل بأرض مكران غازيا. وقرأت في كتاب الزهد لسيار بن حاتم بسند له أن سعد بن هشام استشهد هو في غزاة لهما[408]

حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ

حضرت حکم بن عمرو تعلبی (ثعلبی) غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ علماء متقدمین نے ان کا ذکر بطور صحابی کیا ہے۔ آپ کا شجرہ نسب طبقات ابن سعد میں یوں درج ہے؛

الحكم بن عمرو بن مجدع بن حذيم بن الحارث بن نعيلة بن مليك بن ضمرة ابن بكر بن عبد مناة بن كنانة ونعيلة أخو غفار وصحب الحكم بن عمرو النبي ﷺ [409]

آپ رضی اللہ عنہ گرچہ غفاری نہیں تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ غفار کے بھائی نعلیہ ثعلبہ کی اولاد میں سے تھے، تاہم شہرت آپ رضی اللہ عنہ کی غفاری سے ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ مدینہ میں مقیم تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ رحلت فرماگئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بصرہ جا کر قیام کیا اور یوں آپؓ کی اولاد بھی وہی پھلی بڑھی[410]۔

یاد رہے کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے نام سے تین اور صحابہ بھی ہیں؛

جن میں ایک حکم بن عمرو ثمالی رضی اللہ عنہ ہیں[411]، دوسرے حکم بن عمرو ثقفی رضی اللہ عنہ ہیں[412] اور تیسرے حکم بن عمرو شرید رضی اللہ عنہ ہیں[413]۔

---

[408] ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ت900

[409] طبقات ابن سعد؛ تحت ترجمہ 2843

[410] ایضاً، الترجمہ 3622

[411] الاستیعاب، 1/360

[412] ایضاً، 1/361

[413] اسد الغابہ، 2/51

www.besturdubooks.net

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں 23 ہجری میں حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو مکران کی طرف بھیجا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک اعلیٰ درجے کے قابل سیاستدان تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے جاکر علاقے کا خوب سروے کیا اور جب آپ رضی اللہ عنہ علاقہ بھر سے بخوبی آگاہ ہوئے تو اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کے مزاج سے آگاہی ضروری سمجھی۔ بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کی چال ان پر چلائی کہ ان کے اندر اس قدر بددلی اور مایوسی پھیلادی کہ ان میں اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی الغرض ان میں باہمی پھوٹ ڈال کر تقسیم کر دیا اور یوں بآسانی ان پر حملہ کرکے پورے مکران کو اپنے زیر کر دیا اور مکران کے والی مقرر ہوئے۔ گرچہ آپ رضی اللہ عنہ سے قبل بھی حضرت ربیع بن زیاد یہاں آکر کامیاب ہو چکے تھے لیکن وہ کامیابی مستقل نہیں تھی کیونکہ یہ لوگ منافق قسم کے لوگ تھے، کبھی بھی اپنے قول کا پاس نہیں رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی رحمدلی دیکھ کر سر اطاعت خم کر دیتے تھے اور پھر موقع دیکھ کر بغاوت پر اتر آتے تھے۔ لیکن اس بار حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایسی یلغار کر دی کہ مکرانی چکرا گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے جاکر مال غنیمت پہنچا کر خوشخبری سنائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور حضرت صحار عبدی سے یہاں کے حالات دریافت کیے۔ حضرت صحار رضی اللہ عنہ کے جواب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سندھ میں مزید پیش قدمی سے منع فرمایا۔ مکران کا یہ حصہ موجودہ بلوچستان میں شامل تھا۔ اس وقت یہاں کا حکمران راجہ راسل تھا۔ مکران اس وقت ملک سندھ کا ایک اہم صوبہ تھا۔

44 ھ میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو عراق اور خراسان کا والی مقرر کیا تو انہوں نے حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو خراسان کی ولایت سونپی جہاں آپ اپنی وفات تک مقیم رہے۔ امام قرطبی نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے؛

حَدَّثَنَا أحمد، حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَبْد الله، حَدَّثَنَا بقي، حَدَّثَنَا أبو بكر بن أَبِي شيبة، حَدَّثَنَا ابن علية، عن هشام، عن الحسن، قَالَ: كتب زياد إلى الحكم ابن عمرو الغفاري وهو على خراسان أن أمير المؤمنين كتب أن يصطفى له الصفراء والبيضاء، فلا تقسم بين الناس ذهبًا

www.besturdubooks.net

ولا فضة. فكتب إليه الحكم: بلغني أن أمير المؤمنين كتب أن يصطفي له البيضاء والصفراء، وإني وجدت كتاب الله قبل كتاب أمير المؤمنين، وإنه والله لو أنّ السّماوات والأرض كانتا رتقًا على عَبْد، ثم اتقى الله جعل له مخرجًا، والسلام عليكم.

ثم قال للناس: اغدوا على ما لكم فغدوا فقسمه بينهم، وقال الحكم:

اللّهمّ إن كان لي عندك خير فاقبضني إليك. فمات بخراسان بمرو -[414]

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی تو اللہ نے قبول کرلی اور اسی سال بلکہ انہی دنوں میں حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کیا گیا تھا، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے حضور دعا کی کہ اے اللہ! اب مجھے اٹھالے لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے 51ھ میں مرو میں وفات پائی۔[415]

آپ سے تین روایات منقول ہیں؛

1- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ خُزَاعِيِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيُّ بِالْبَصْرَةِ، نا ابْنُ عَائِشَةَ، نا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ يُونُسَ، وَحُمَيْدٍ، وَحَبِيبٍ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: لَقِيَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ الْحَكَمَ بْنَ عَمْرٍو الْغِفَارِيَّ فَقَالَ: أَمَا تَذْكُرُ يَوْمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ» ، قَالَ: نَعَمْ

---

[414] الاستیعاب 1/356

[415] طبقات ابن سعد: 7 / 28، 366، وتاريخ يحيى برواية الدوري: 2 / 126، وتاريخ خليفة 211، وطبقاته: 32، 175، 321، ومسند أحمد: 4 / 212، 5 / 66، وتاريخ البخاري الكبير: 2 / الترجمة 2646، وتاريخه الصغير: 140، والمعرفة ليعقوب: 3 / 25، وتاريخ الطبري: 5 / 224، 225، 229، 250، 251، 285، 286، 6 / 320، وثقات ابن حبان: الورقة 99 (3 / 84 من المطبوع) ، ومشاهير علماء الامصار، الترجمة 415، والمعجم الكبير للطبراني: 3 / 247، ومستدرک الحاكم: 3 / 441، وجمهرة ابن حزم: 186، ورجال البخاري للباجي: الورقة 49 والاستيعاب: 1 / 356، وإكمال ابن ماكولا: 7 / 223، والجمع لابن القيسراني: 1 / 102، وأنساب السمعاني: 9 / 165، ومعجم البلدان: 1 / 282، 4 / 511، والكامل لابن الاثير: 3 / 452، 455، 470، 489، وأسد الغابة: 2 / 36، وأسماء الرجال للطيبي: الورقة 12، وتذهيب الذهبي: 1 /168، وسير أعلام النبلاء: 2/ 474، والكاشف: 1 / 246، وتجريد أسماء الصحابة: 1 / 136، وتاريخ الاسلام: 2 / 220، وإكمال مغلطاي: 1 / الورقة 280، ومجمع الزوائد: 9 / 410، وتهذيب التهذيب: 2/ 436 - 437، والاصابة: 1 / 343، وخلاصة الخزرجي: 1 / الترجمة 1557، وراجع تحفة الاشراف للمؤلف: 3 / 72.

www.besturdubooks.net

2- حَدَّثَنَا إِدْرِيسُ بْنُ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْحَدَّادُ، نا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ، نا قَيْسٌ ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَوَادَةَ بْنِ عَاصِمٍ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سُؤْرِ الْمَرْأَةِ»

3- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شَاذَانَ الْجَوْهَرِيُّ، نا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ الْمَرْوَزِيُّ، نا ابْنُ الْمُبَارَكِ، نا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ، عَنْ دُلْجَةَ بْنِ قَيْسٍ، أَنَّ الْحَكَمَ بْنَ عَمْرٍو الْغِفَارِيَّ قَالَ لِرَجُلٍ: أَتَذْكُرُ يَوْمَ «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيرِ؟» قَالَ: نَعَمْ وَأَنَا شَاهِدٌ عَلَى ذَلِكَ [416]

حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاریؓ

حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں[417]۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ، حضرت سہیل رضی اللہ عنہ، حضرت حارث رضی اللہ عنہ اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں[418]۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائیوں سمیت جنگ احد میں بھی شرکت کی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صحابی رسول ﷺ تھے وگرنہ اس کے علاوہ آپ کی صحابیت پر کوئی صراحت موجود نہیں ہے۔ تبھی تو ڈاکٹر محمد اسحاق اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ

"India's Contribution to study of Hadith Literature"

میں " حضرت سہل بن عدی " کے متعلق لکھتے ہیں؛

---

416 معجم الصحابہ لابن قانع، 1/209

417 مترجمین نے آپ کو بدری لکھا ہے تاہم قاضی محمد سلیمان سلمان پوری نے جو " اصحاب بدر " کے نام سے کتاب لکھی ہے اور مشتاق بک کارنر لاہور میں چھپی ہے اس میں انہوں نے جن 313 اصحاب بدر کے بارے میں تفصیل لکھی ہے ان ناموں میں حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ شامل نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

418 بعض حضرات نے آپ کا نام سہل کے بجائے سہیل لکھا ہے حالانکہ سہیل آپ کے بھائی تھے اور وہ یہاں نہیں آئے تھے بلکہ حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ یہاں وارد ہوئے تھے۔

www.besturdubooks.net

Of his Suhbat (Companioinship) with the Prophet Muhammad (S.w.w), we have no direct evidence, but thus Sahal bin Adi fought in battle of Uhad.[419]

آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے؛

سهل بْن عدي بْن مالك بْن حرام بْن خديج بْن معاوية بْن عوف بْن الخزرج [420]

آپ رضی اللہ عنہ کے ایک ہم نام حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاری اور بھی ہیں جو خزرج کے بنو اشہل سے تعلق رکھتے تھے، اور جنگ احد میں شہید ہوئے تھے [421]۔ جبکہ آپ رضی اللہ عنہ بنو عوف میں سے تھے۔ اور ایک دوسرے حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ بھی ہیں لیکن وہ تمیمی ہیں [422]، جو جنگ یمامہ میں شہید ہوگئے تھے [423]۔

حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ نے چونکہ جنگ احد میں بڑی بہادری دکھائی تھی اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نظر آپ رضی اللہ عنہ پر بہرحال تھی اور پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو عراق کا گورنر بنایا تو 17ھ میں امیر المؤمنین نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ اهواز کی مہم کے لیے ایک لشکر تیار کرلو جس کی امارت حضرت سہیل بن عدی کے بھائی حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہو۔ اور اس کے ساتھ براء بن مالکؓ، حضرت

---

[419] **Dr Muhammad Ishaq, India's contribution to study of Hadith Literature, Decca 1955, p.5**

[420] اسد الغابہ، الترجمہ 2302

[421] الاستیعاب، الترجمہ 1098

[422] ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی نے نام میں مشابہت کی وجہ سے دونوں کو ایک سمجھتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیفہ بن خیاط سے غلطی ہوئی ہے کہ انہیں جنگ یمامہ میں شہید لکھا ہے حالانکہ غلطی خود ڈاکٹر صاحب کر رہے ہیں کہ سہل بن عدی خزرجی اور سہل بن عدی تمیمی کو ایک سمجھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن، بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 54

[423] اسد الغابہ، الترجمہ 2304

www.besturdubooks.net

عاصم بن عمرو، مجزاۃ بن ثور، کعب بن سور، عرفجہ بن ھرثمہ، حذیفہ بن محصن، عبدالرحمٰن بن سہل، حصین بن معبد اور ابو سبرہ بن ابی رھم ضرور شامل ہو[424]۔

وہاں سے کامیابی کے بعد آپ رضی اللہ عنہ واپس کرمان آ گئے، کیونکہ دارالخلافت سے کرمان پر بھی حملہ کرنے کا حکم آیا تھا[425]۔ کرمان کی فتح کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے سندھ کے صوبہ مکران کے بعض علاقوں پر بھی یلغار کی اور حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکران کو بھی فتح کر لیا[426]، جس کی ولایت پھر حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کہاں، کب اور کیسے ہوئی؟ اس بارے میں بہت کھوج لگانے کے بعد کچھ نہ ہاتھ آیا، بعد میں معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک راجن پور میں ہے[427]۔ راجن پور کے جنوب مغربی پہاڑ پر ایک مزار واقع ہے جس کے بارے میں مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار ہے۔ اس بابت وہ بڑے وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ بہتر جانے کہ حقیقت کیا ہے تاہم چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی موت، شہادت اور جائے تدفین کے بارے میں تاریخ نے چپ سادھ لی ہے، اس لیے مذکور مزار سے انکار نہیں کیا جا سکتا، گرچہ یہ تحقیق ابھی تشنہ لب ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ یہاں کیسے اور کب آئے؟

اولئک آبائی فجئنی بمثلہم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

---

[424] تاریخ طبری، 84/4

[425] الاصابہ، الترجمہ 3555

[426] ایضاً،

[427] آپ یہاں کب کیسے آئے اور شہید ہوئے کہ فوت ہوئے؟ اور کیا حقیقت میں آپ رضی اللہ عنہ یہاں موجود بھی ہیں کہ نہیں؟ کسی کتاب میں اس بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے، ہاں وہاں کے عوام کا کہنا ہے کہ یہ حضرت سہل خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 1970ء میں بڑے بڑے علماء یہاں آئے تھے اور انہوں نے بذریعہ کشف اس بات کی تصدیق کی تھی کہ یہیں پر حضرت سہل رضی اللہ عنہ مدفون ہیں، تب جا کر اس کی قبر مبارک پر یہ عمارت بنائی گئی۔ واللہ اعلم بالحقیقۃ

www.besturdubooks.net

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ

یہ تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فاتح کابل ہیں لیکن شاید یہ کم ہی لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ فاتح بلوچستان بھی ہیں۔ جیسا کہ آگے تفصیل میں آرہا ہے۔ قبل از اسلام آپ کا اپنا نام عبدالکعبہ یا عبد کلال تھا، مسلمان ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے نام تبدیل کرکے " عبدالرحمٰن " رکھ دیا[428]۔ آپ مکہ کے ممتاز قبیلہ قریش کے چشم و چراغ تھے۔ آپؓ کا شجرہ نسب چوتھی پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جاملتا ہے۔

ابن سعد نے آپ کا شجرہ یوں لکھا ہے؛

عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ بْنِ حَبِيبِ بْنِ عَبْدِ شَمْسِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيٍّ [429]

اور والدہ کا نام اروٰی تھا۔ جن کا شجرہ نسب یہ ہے؛

وَأُمُّهُ أروى بِنْتُ أَبِي الْقُرْعَةِ وَهُوَ حَارِثَةُ بْنُ قَيْسِ بْنِ أَعْيَا بْنِ مَالِكِ بْنِ عَلْقَمَةَ بْنِ فِرَاسِ بْنِ غَنْمِ بْنِ مَالِكِ بْنِ كِنَانَةَ [430]

آپؓ کی کنیت ابو سعید تھی [431]۔ آپؓ 8 ھ میں فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے [432]۔ اور اسی روز رسول اللہ ﷺ نے آپ کا نام تبدیل کرکے عبدالرحمٰن رکھ دیا تھا۔ آپ نے غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حصہ لیا اور پھر جنگ موتہ میں میں شریک ہوئے، اس کے علاوہ فتوحات عراق میں بھی آپ نے بھرپور شرکت کی [433]۔ پھر 33ھ میں حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بسوئے سجستان، خراسان، کابل اور زابلستان روانہ کیا۔ جہاں آپؓ نے مسلسل تین سال تک جہاد کرکے فتوحات

---

[428] الاصابہ، 310/4

[429] الطبقات الکبریٰ، 176/1

[430] ایضاً، 260/7

[431] الطبقات لخلیفۃ، 41/1

[432] الطبقات الکبریٰ؛ 176/1، تقریب التہذیب؛ 203/1

[433] الاصابہ، 310/4

www.besturdubooks.net

حاصل کیں۔اس دوران آپ نے سندھ کے علاقہ دادر (ڈھاڈر) جو کہ بدھ مت کا مرکز تھا اور جہاں ان کا ایک مندر تھا جس میں سونے کا ایک بت تھا جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں۔ آپ نے اس علاقے پر حملہ کیا اور قبضہ کرنے کے بعد سیدھے اس مندر میں جا پہنچے۔اس بت کے متعلق چونکہ آپ پہلے سن چکے تھے کہ یہاں کے لوگوں کا عقیدہ اس بت پر ہے اس لیے آپ نے اس بت کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر مجاور اور دیگر موجود لوگوں کو مخاطب کیا کہ گرچہ ہمیں ان دنیوی مال و دولت کی چنداں ضرورت نہیں ہے تاہم تم لوگوں کو دکھانا تھا کہ یہ بت کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے[434]۔

پنجابی کے مشہور شاعر ملک طاہر جھنگوی نے کیا خوب کہا ہے؛

بت ڈھا کے دیتی مندر روچ اذان صحابہ

محبوب نبی پاک تے ذیشان صحابہ

اس معرکہ میں مسلم عسکر کو کافی مال غنیمت ہاتھ آیا۔اسلامی فوج چار ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی اور ان میں سے ہر ایک کے حصے میں چار ہزار درہم آئے[435]۔ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی نے لکھا ہے کہ یہ بت خانہ قلات میں کہیں واقع تھا[436]۔اس طلائی بت کا نام تاریخ میں زور، زون اور زورک ذکر ہے۔

اس واقعہ کو ڈاکٹر محمد اسحاق نے اپنے انگریزی پی۔ایچ۔ڈی مقالہ میں بھی درج کیا ہے۔محمد اسحاق بھٹی نے لکھا ہے کہ ڈھاڈر (کچھی) کو فتح کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے وہاں کے لوگوں کو جبل الزور میں محصور کر لیا اور بعد میں صلح کر کے ان کو رہا کر دیا[437]۔

ڈھاڈر کے متعلق بلوچستان کے نامور مؤرخ ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی لکھتے ہیں؛

---

434 فتوح البلدان، ص 473، معجم البلدان؛ 3/ 153

435 بعض حضرات مثلاً ابن حجر وغیرہ نے اس واقعہ کو حضرت مجاشع بن مسعود سے منسوب کیا ہے، تاہم ممکن ہے کہ وہ الگ واقعہ ہو یا پھر شاید مؤرخین کو اشتباہ ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم

436 بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 115

437 فقہائے ہند، 1/ 28

www.besturdubooks.net

" واضح رہے کہ عرب مؤرخین نے داور / داد ھر /ڈھاڈر کو "داور" لکھا ہے۔ ڈھاڈر بلوچستان کے علاقہ کچھی اور موجودہ ضلع بولان کا ایک تاریخی مقام ہے۔ اس زمانے میں یہ ایک وسیع علاقہ تھا جو خان گڑھ (جیکب آباد سے آگے تک پھیلا ہوا تھا)۔ اس کا صدر مقام "تل " تھا جسے اب "ٹل / ٹھل" کہا جاتا ہے جو جیکب آباد کے قریب واقع ہے۔" [438]

42ھ میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر کیا تو انہوں نے آپ کو دوبارہ ان مشرقی ممالک کی ولایت سونپتے ہوئے اس طرف بھیج دیا تھا۔ آپ کے ساتھ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصریؒ بھی شامل تھے۔ آپ نے 44ھ تک کابل، زابلستان، سیستان، خراسان یعنی موجودہ افغانستان، ایران اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں پھر سے اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ [439]

آپ رضی اللہ عنہ سے کئی ایک راوایات مروی ہیں، جن میں چند مشہور احادیث یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ مسند میں روایت کرتے ہیں؛

1- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُيَيْنَةَ، حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: خَرَجْتُ فِي جَنَازَةِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: فَجَعَلَ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِهِ يَسْتَقْبِلُونَ الْجَنَازَةَ فَيَمْشُونَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ، وَيَقُولُونَ: رُوَيْدًا بَارَكَ اللهُ فِيكُمْ، قَالَ: فَلَحِقَنَا أَبُو بَكْرَةَ مِنْ طَرِيقِ الْمِرْبَدِ، فَلَمَّا رَأَى أُولَئِكَ، وَمَا يَصْنَعُونَ حَمَلَ عَلَيْهِمْ بِبَغْلَتِهِ، وَأَهْوَى لَهُمْ بِالسَّوْطِ، وَقَالَ" خَلُّوا، فَوَالَّذِي كَرَّمَ وَجْهَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَقَدْ رَأَيْتُنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّا لَنَكَادُ أَنْ نَرْمُلَ بِهَا "، وَقَالَ يَحْيَى مَرَّةً: لَقَدْ رَأَيْتُنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [440]

---

[438] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص115

[439] طبقات ابن سعد؛ 7/ 68، الاصابہ؛ 4/ 70، الاستیعاب؛4/ 68

[440] مسند احمد؛20400، الاسناد وحسنہ الترمذي، وقال باثرہ: روي ھذا الحدیث عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مرسلاً وأخرجہ البخاري(1912)، ومسلم(1089) (32)، والبزار(3624)، وأبو عوانہ، والبيهقي4/250، والبغوي(1717) من طريق إسحاق بن سويد، والبزار(3625) من طريق عبد الرحمن بن إسحاق الكوفي، كلاھما عن عبد الرحمن بن أبي بكرة بہ

www.besturdubooks.net

2ـ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ، وَيُونُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ، إِذَا آلَيْتَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ[441]

3ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ حَيَّانَ بْنِ عُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ، قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا أَتَرَامَى بِأَسْهُمِي فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاللهِ إِذْ كُسِفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهُنَّ، وَسَعَيْتُ أَنْظُرُ مَا أَحْدَثَ كُسُوفُ الشَّمْسِ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِذَا هُوَ " رَافِعٌ يَدَيْهِ يُسَبِّحُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَيَحْمَدُ، وَيُهَلِّلُ، وَيُكَبِّرُ، وَيَدْعُو، فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى حُسِرَ عَنِ الشَّمْسِ، فَقَرَأَ سُورَتَيْنِ، وَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ "[442]

4ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ، لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ، أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ "[443]

5ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي لَبِيدٍ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ كَابُلَ، فَأَصَابَ النَّاسُ غَنَمًا فَانْتَهَبُوهَا، فَأَمَرَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ،

---

441 إسناده صحيح على شرط الشيخين. الحسن: وهو البصري صرح بالتحديث عن عبد الرحمن بن سمرة في "الصحيحين" وغيرهما. هُشيم: هو ابن بشير، ومنصور: هو ابن زاذان، ويونس: هو ابن عبيد البصري وأخرجه مسلم (1652) ، وأبو داود (3277) ، والبزار في "مسنده" (2278) ، والنسائي 7/11. وابن خزيمة في السياسة كما في "إتحاف المهرة" 10/605، وابن حبان (4479) ، والدارقطني في "جزء أبي الطاهر الذهلي" (56) ، والبيهقي 10/36 و100 من طريق هشيم، بهذا الإسناد. وقرن مسلم وابن خزيمة وأبو عوانة وابن حبان والدارقطني والبيهقي بمنصور ويونس حميدًا الطويل.

442 مسند احمد 20617 وأخرجه ابن أبي شيبه 2/469، ومسلم (913)

443 مسند احمد 20618، وأخرج شطره الأول فقط النسائي 8/225، والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" (59) من طريق إسماعيل ابن علية، بهذا الإسناد. وأخرجه الدارمي (2347) ، والبخاري (7147) ، ومسلم ص 1456 (13) ، وأبو داود (2929) ، والترمذي (1529) ووكيع في "أخبار القضاة" 1/64، وأبو عوانة 4/405 و406، وابن حبان (4348) ، والبيهقي 10/53

www.besturdubooks.net

مُنَادِيًا يُنَادِي: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا، فَرُدُّوا هَذِهِ الْغَنَمَ "، فَرَدُّوهَا، فَقَسَمَهَا بِالسَّوِيَّةِ [444]

6- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: " وَجَدْتُ فِي كِتَابِ أَبِي بِخَطِّ يَدِهِ، وَأَكْبَرُ عِلْمِي أَنِّي قَدْ سَمِعْتُهُ مِنْهُ "، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا نَاصِحُ بْنُ الْعَلَاءِ أَبُو الْعَلَاءِ، مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ أَبِي عَمَّارٍ، مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، أَنَّهُ مَرَّ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، وَهُوَ عَلَى نَهَرِ أُمِّ عَبْدِ اللهِ يَسِيلُ الْمَاءُ، مَعَ غِلْمَتِهِ وَمَوَالِيهِ، فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ: يَا أَبَا سَعِيدٍ: الْجُمُعَةَ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَقُولُ: " إِذَا كَانَ يَوْمُ مَطَرٍ وَابِلٍ، فَلْيُصَلِّ أَحَدُكُمْ فِي رَحْلِهِ "[445]

7- حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، وَلَا بِالطَّوَاغِيتِ "[446]

اور سب سے مشہور حدیث جو آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، امام بخاری سمیت تمام محدثین نے جسے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے؛

حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنِ الحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ، لاَ تَسْأَلِ الإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ، وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ»"[447]

---

444 مسند احمد 20619، وأخرجه الدارمي (1995) ، والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" (1311) من طريق وهب بن جرير، وأبو داود (2703) ، وابن قانع في " معجم الصحابة" 2/167-168 من طريق سليمان بن حرب

445 مسند احمد 20618 وأخرجه ابن خزيمة (1862) ، وابن المنذر في "الأوسط" 4/25، والحاكم 1/292-293 من طرق عن ناصح بن العلاء، بهذا الإسناد

446 وأخرجه النسائي 7/7، وابن الجارود (923) ، والبيهقي 10/29 من طريق يزيد بن هارون، بهذا الإسناد. وأخرجه مسلم (1648) ، وابن ماجه (2095) من طريق عبد الأعلى، عن هشام بن حسان

447 صحیح بخاری، 7146، مسلم 1652

www.besturdubooks.net

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن! کبھی امارت نہیں مانگنا کیونکہ اگر مانگنے پر تمہیں امارت مل گئی تو اللہ تعالیٰ تم سے اپنی مدد اٹھالے گا اور اگر زبردستی تمہیں امارت سونپی گئی تو پھر اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

اور جب تم کسی بات پر قسم کھالو اور پھر اس کے خلاف کرنے میں خیر دیکھو تو قسم کا کفارہ ادا کرو اور جو کام بہتر معلوم ہو اسے کرو۔"

اس کے علاوہ ایک اور طویل حدیث، جسے ابن شاہین بغدادی (م385ھ) نے اپنی کتاب "الترغیب" میں ذکر کی ہے، وہ بہت ہی عجیب اور اعمال کے فضائل میں بہت مفید حدیث ہے، لہٰذا ملاحظہ کیجئے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، بِالْبَصْرَةِ , ثنا عُمَرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُقَدَّمٍ أَبُو مُحَمَّدٍ، حَدَّثَتْنَا حَمَادَةُ بِنْتُ شِهَابِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَخْنَسِ الْأَسَدِيَّةُ أُمُّ بَدْرٍ الْجَوْهَرِيَّةُ، قَالَتْ: حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْمَدَنِيُّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنِّي رَأَيْتُ الْبَارِحَةَ عَجَبًا، رَأَيْتُ مِنَ أُمَّتِي رَجُلًا نَزَلَ بِهِ عَذَابُ الْقَبْرِ فَجَاءَهُ وُضُوءُهُ فَاسْتَنْقَذَهُ مِنْ ذَلِكَ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي احْتَوَشَتْهُ الشَّيَاطِينُ فَجَاءَهُ ذِكْرُ اللَّهِ فَخَلَّصَهُ مِنْ أَيْدِيهِمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي قَدِ احْتَوَشَتْهُ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَجَاءَتْهُ صَلَاتُهُ فَاسْتَنْقَذَتْهُ مِنْ أَيْدِيهِمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي يَتَلَهَّفُ عَطَشًا فَكُلَّمَا قَصَدَ حَوْضًا مُنِعَ , فَجَاءَ صِيَامُهُ شَهْرَ رَمَضَانَ فَاسْتَنْقَذَهُ وَأَرْوَاهُ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي وَالنَّبِيُّونَ حِلَقًا حِلَقًا كُلَّمَا دَنَا إِلَى حَلْقَةٍ طُرِدَ , فَجَاءَهُ اغْتِسَالُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَأَجْلَسَهُ إِلَى جَنْبِهِمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي أَحَاطَتْ بِهِ الظُّلُمَاتُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَتَحَيَّرَ فِيهَا فَجَاءَتْهُ حَجَّتُهُ وَعُمْرَتُهُ فَاسْتَخْرَجَاهُ مِنَ الظُّلُمَاتِ وَأَدْخَلَاهُ النُّورَ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي يُكَلِّمُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يُكَلِّمُوهُ فَجَاءَتْهُ صِلَةُ الرَّحِمِ، فَقَالَتْ: يَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِينَ كَلِّمُوهُ فَقَدْ كَانَ وَاصِلًا لِرَحِمِهِ فَكَلَّمَهُ الْمُؤْمِنُونَ وَصَافَحُوهُ وَكَانَ مَعَهُمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي يَتَّقِي حَرَّ النَّارِ وَشَرَرَهَا بِيَدِهِ وَوَجْهِهِ فَجَاءَتْ صَدَقَتُهُ فَصَارَتْ ظِلًّا عَلَى رَأْسِهِ وَسِتْرًا عَلَى وَجْهِهِ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي احْتَوَشَتْهُ الزَّبَانِيَةُ فَجَاءَهُ أَمْرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُهُ عَنِ الْمُنْكَرِ

www.besturdubooks.net

فَاسْتَنْقَذَهُ مِنْ أَيْدِيهِمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي جَاثِيًا عَلَى رُكْبَتَيهِ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ حُجُبٌ فَجَاءَ حُسْنُ خُلُقِهِ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَأَدْخَلَهُ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي قَدْ هَوَتْ صَحِيفَتُهُ إِلَى شِمَالِهِ فَجَاءَ خَوْفُهُ مِنَ اللَّهِ فَأَخَذَ صَحِيفَتَهُ فَجَعَلَهَا فِي يَمِينِهِ , وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي قَائِمًا عَلَى شَفِيرِ جَهَنَّمَ فَجَاءَهُ وَجَلُهُ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَنْقَذَهُ مِنْ ذَلِكَ وَمَضَى , وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي خَفَّ مِيزَانُهُ فَجَاءَهُ أَفْرَاطُهُ فَثَقَّلُوا مِيزَانَهُ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي هَوَى فِي النَّارِ فَجَاءَهُ دُمُوعُهُ الَّذِي سَالَ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ فَاسْتَنْقَذَهُ مِنْ ذَلِكَ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي قَائِمًا عَلَى الصِّرَاطِ يُرْعِدُ كَمَا يُرْعِدُ السَّعَفُ فِي يَوْمِ رِيحٍ عَاصِفٍ فَجَاءَهُ حُسْنُ ظَنِّهِ بِاللَّهِ فَكَفَّ عَنْهُ رُعْبَتَهُ وَمَضَى عَلَى الصِّرَاطِ , وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي يَزْحَفُ أَحْيَانًا وَيَنْطَلِقُ أَحْيَانًا فَجَاءَتْهُ صَلَاتُهُ عَلَيَّ فَأَقَامَتْهُ عَلَى رِجْلِهِ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي انْتَهَى إِلَى أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَغُلِّقَتْ دُونَهُ فَجَاءَتْ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَفَتَحَتْ لَهُ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ فَوَلَجَ "[448]

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کل رات ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ دیکھا کہ میری امت میں سے ایک شخص کے لیے عذاب قبر کا اہتمام کیا گیا ہے کہ اتنے میں اس کے وضو نے آکر اسے بچا لیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ شیاطین نے اسے ہر طرف سے جکڑ کر رکھا ہے کہ اس کے پاس اللہ کا ذکر آیا اور اسے ان شیاطین کے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔

ایک شخص کے پاس عذاب کے فرشتے آئے کہ اس کی نماز نے آکر اسے خلاصی دی۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیاس سے نڈھال ہو کر ہلاک ہونے کو ہے کہ وہ جب حوض کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دھتکارا جاتا ہے، اتنے میں رمضان کے روزوں نے آکر اسے پانی سے سیر ابی دی۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ انبیاء کی محفل میں بیٹھنے سے روکا جارہا ہے لیکن غسل جنابت نے آکر ان کی محفل میں اسے بٹھا دیا۔

---

[448] ابن شاہین عمر بن احمد بن عثمان البغدادی (م 385ھ)، الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذالک، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، 1424ھ/2004ء، 151/1

www.besturdubooks.net

ایک شخص کو دیکھا کہ ہر طرف سے اسے اندھیروں نے گھیر رکھا ہے اور وہ بڑا پریشان دکھائی دے رہا ہے، اسی وقت اس کے حج وعمرہ نے آکر اس کو تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں میں داخل کر دیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مومنوں سے بات چیت کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، دریں اثناء صلہ رحمی نے آکر ان سے کہا؛

"اے مومنو! اس شخص سے کلام کرو کہ یہ صلہ رحمی کرنے والا تھا"

پس ایماندار لوگ اس سے بات کرنے لگے اور ساتھ ہاتھ بھی ملانے لگے۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جہنم کی آگ اور تپش سے ڈرے جا رہا ہے کہ اتنے میں صدقہ آئی اور اس کے سر پر چھاؤں کر کے اس کو آگ سے دور کر دیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ اسے جہنم کے فرشتے پکڑ کر لے جا رہے ہیں کہ فوراً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نے آکر اسے ان سے آزاد کر دیا۔

ایک شخص کو دیکھا جو گھٹنوں کے بل پڑا ہے اس حال میں کہ اس کے اور اللہ کے مابین پردے حائل ہیں، پس حسن خلق نے آکر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے اللہ کے حضور لے گیا۔

ایک شخص کو دیکھا جسے بائیں ہاتھ میں عمل نامہ پکڑایا جا رہا تھا، اتنے میں خدا خوفی نے آکر اسے عمل نامہ دائیں ہاتھ میں پکڑا دیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جہنم کے کنارے کھڑا ہے قریب ہے کہ وہ اس میں گر جائے، اسی اثناء میں اللہ سے امیدی نے آکر اسے بچا لیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے نیکیوں کا پلڑا کم ہوتا جا رہا ہے کہ عین اسی وقت اس کے افراط (یعنی اس کے فوت شدہ نابالغ اولاد) نے آکر اس کا پلڑا بھاری کر دیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ اسے جہنم کی آگ میں الٹا لٹکایا جا رہا ہے کہ خدا کے خوف سے نکلے آنسوؤں نے آکر اسے بچا لیا۔

www.besturdubooks.net

ایک شخص کو دیکھا جو پل صراط پر اس حال میں کھڑا ہے کہ اس کے پاؤں ایسے لڑکھڑا رہے ہیں جیسا کہ تیز آندھی میں چیزیں ڈگمگاتی ہوں کہ اس دوران اللہ کی ذات پر حسن ظن نے آکر اسے پل کے اس پار لے گیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دو قدم جا کر گر جاتا ہے اور گھسیٹتے گھسیٹے چلا جا رہا ہوتا ہے کہ پھر سے اٹھ کر چلنے ہی لگتا ہے کہ دوبارہ گر جاتا ہے، مجھ پر درود نے آکر اس کے پاؤں مظبوط کر کے اس کے قدم جما لیے اور اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت کے دروازوں پر کھڑا ہے مگر ابواب سارے بند ہیں، اتنے میں کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت نے آکر اس کے لیے تمام ابواب کھول دیے اور یوں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"[449]

علاوہ ازیں بہت ساری احادیث آپ سے مروی ہیں لیکن خوف طوالت کی وجہ سے وہ یہاں درج نہیں کی جا سکتیں۔ آپ انتہائی خاکسار مزاج اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار انسان تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جب بارش ہوتی تو آپ برساتی پہن لیتے اور پھاوڑا لے کر راستہ صاف کرنے میں لگ جاتے تھے۔

وكان متواضعًا، فإن كَانَ اليوم المطير ليس برنسًا وأخذ المسحاة يكنس الطريق[450]

آپ بصرہ میں جس محلہ میں رہائش پذیر تھے وہ آپ کی نسبت سے " محلہ ابن سمرہ" سے مشہور تھا۔ آپ نے وہیں پر 50ھ میں وفات پائی اور حضرت زیاد نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ گرچہ آپ کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے "مرو" میں وفات پائی لیکن ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اصح یہ ہے کہ آپ نے بصرہ میں وفات پائی۔ ابن سعد فرماتے ہیں؛

رَجَعَ إِلَى الْبَصْرَةِ، فَمَاتَ بِهَا سَنَةَ خَمْسِينَ، وَصَلَّى عَلَيْهِ زِيَادُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ[451]

خلیفہ[452] اور ابن عساکر[453] نے بھی 50ھ لکھا ہے جبکہ ابن عبد البر نے آپ کی تاریخ وفات 51ھ لکھی ہے؛

---

[449] گرچہ یہ ایک طویل حدیث ہے لیکن انتہائی افادیت کے پیش نظر اس سے صرف نظر نہ کر سکا اور درج کر دیا۔

[450] اسد الغابہ، 3/450

[451] الطبقات الکبریٰ، 7/366

[452] تاریخ خلیفہ بن خیاط ص211

www.besturdubooks.net

ثم رجع إلى البصرة فسكنها وإليه تنسب سكة ابن سمرة بالبصرة، وتوفي بها سنة إحدى وخمسين [454] ۔

امام مزیؒ تحریر کرتے ہیں کہ آپؓ کی اہلیہ کا نام ہند بنت ابی العاصؓ تھا اور اس کے علاوہ آپؓ کے بیٹوں کے نام بھی لکھے ہیں؛

فولد عَبْد الرَّحْمَن بْن سَمُرَة: عَبد الله وعُبَيد الله، وعثمان، ومُحَمَّدا، وعبد الملك، وشعيبا، وأمهم هند بنت أَبِي العاص بْن نوفل بْن عَبْد شمس [455]

حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ انصاریؓ

حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان اموی انصاری رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے عالی مرتبت صحابی تھے۔ بڑے دلیر، نہایت شجاع اور بہت ہی بہادر آدمی تھے۔ فن حرب کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف اور اس میدان کے ماہر انسان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ مدینہ کے اشرافیہ میں سے ایک تھے [456]۔ آپ رضی اللہ عنہ پھر کوفہ چلے گئے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایران اور عراق کے محاذوں پر بھیجنے کا فیصلہ کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی امارت حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے کی۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچ گئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ کوفہ کے منصب امارت پر کس کو مقرر کر کے آئے ہو؟ حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ انصاری کو یہ عہدہ سونپا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے [457]۔

---

[453] تاریخ دمشق، 418/34

[454] الاستیعاب، ت1422

[455] تہذیب الکمال، 159/17

[456] الاصابہ، الترجمہ 4808

[457] ایضاً، 135/4

www.besturdubooks.net

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اصفہان کی گورنری پر مامور فرمایا۔ جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام کا بول بالا کیا اور وہاں کے لوگ مجبور ہو گئے جزیہ ادا کرنے پر۔ بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ نے فارس کے ایک مقام "جی" پر دشمنان اسلام سے مقابلہ کیا، دشمن پہلے تو بہت غرور میں تھا لیکن جب اس نے اہل عرب کی جوانمردی اور بہادری دیکھی تو ششدر رہ گئے اور صلح نامہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ صلح نامہ دور فاروقی میں سن 23ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے ہی لکھا تھا[458]۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کرمان چلے آئے اور یہاں پر حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ اور حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی خوب اعانت کر کے نہ صرف کرمان بلکہ مکران بھی فتح کر لیا تھا[459]۔

اللہ نے آپ کو قابل رشک جنگی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اس باب میں آپ الگ مزاج رکھتے تھے یعنی ان لوگوں سے لڑنا پسند فرماتے تھے جو انانیت میں مغرور ہوتے تھے، آپ ان کا غرور خاک میں ملاتے تھے۔

حضرت شہاب بن مخارق تمیمیؓ

حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب بن قیس مازنی تمیمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مدرک صحابی تھے[460]۔ آپ رضی اللہ عنہ بنو جندب کے مشہور شاعر تھے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ شاعر بن شاعر تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد بھی بڑے اچھے شاعر تھے[461]۔

طبری نے اپنی تاریخ میں 16ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ لوگوں نے ایک ایرانی شہسوار سے کہا کہ عرب لوگ ایران میں داخل ہو گئے ہیں تو اس نے کوئی توجہ نہیں دی لیکن جب وہ دیہاتیوں کے پاس گیا تو اس نے دیکھا کہ لوگ سامان باندھ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اہل عرب

---

458 اسد الغابہ، الترجمہ 3043

459 العقد الثمین، ص62

460 مدرک صحابی سے مراد وہ صحابی رسول ﷺ ہیں، جس نے زمانہ رسول ﷺ تو پایا ہو مگر ملاقات نصیب نہ ہوئی ہو، اسلام گرچہ حیات رسول ﷺ میں قبول کیا ہو یا بعد از وصال ﷺ۔

461 ایضاً، ص63

www.besturdubooks.net

نے حملہ کر دیا ہے اس پر ایرانی شہسوار نے گیلی مٹی دیوار پر لگا کر اپنی غلیل سے مٹی کی کچی گولیاں دیوار پر مارنا شروع کیں۔ اس کے بعد اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ سامنے آنے والے شخص نے اس پر نیزے سے حملہ کر دیا اور کہا تم مزہ چکھو، جس سے وہ مر گیا۔ اس شخص نے حملہ کرتے وقت کہا تھا؛

خذها وأنا ابن المخارق!

امام طبری کے الفاظ یہ ہیں؛

كَتَبَ إِلَيَّ السَّرِيُّ، عَنْ شُعَيْبٍ، عَنْ سَيْفٍ، عن عطية وعمرو ودثار أبي عمر، قالوا: كان فارس من فرسان العجم في المدائن يومئذ مما يلي جازر، فقيل له: قد دخلت العرب وهرب أهل فارس، فلم يلتفت إلى قولهم، وكان واثقا بنفسه، ومضى حتى دخل بيت أعلاج له، وهم ينقلون ثيابا لهم، قال: ما لكم؟ قالوا: أخرجتنا الزنابير، وغلبتنا على بيوتنا، فدعا بجلاهق وبطين، فجعل يرميهن حتى ألزقهن بالحيطان، فأفناهن وانتهى إليه الفزع، فقام وأمر علجا فأسرج له، فانقطع حزامه، فشده على عجل، وركب، ثم خرج فوقف ومر به رجل فطعنه، وهو يقول: خذها وأنا ابن المخارق! فقتله ثم مضى ما يلتفت إليه. كَتَبَ إلي السري، عن شعيب، عن سيف، عن سعيد بْن المرزبان بمثله، وإذا هو ابن المخارق بْن شهاب [462]

امام طبریؒ اور امام ابن اثیرؒ نے آپ رضی اللہ عنہ کی سن 17ھ میں جہادی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی مکران میں آکر حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کی معاونت میں مصروف جہاد رہ کر کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت مستقل مزاج اور بدرجہ غایت پختہ ارادے کے مالک تھے۔ اپنے وقت کے بہترین شہسوار اور ایک مسلّم شاعر تھے۔ کئی جنگوں میں شرکت کر کے بہادری کے جوہر دکھائے۔ علاوہ ازیں آپ رضی اللہ عنہ ہمدردی خلائق اور خدمت مخلوق میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے 23ھ میں سندھ کے اہم علاقے مکران آکر جہاد کیا۔[463]

---

[462] تاریخ طبری، 15/4

[463] تاریخ طبری؛ 184/4، تاریخ ابن اثیر؛ 424/2

www.besturdubooks.net

آپ رضی اللہ عنہ کی شاعری باوجود ہزار سعی کے مل نہ سکی البتہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا ایک شعر ہاتھ آیا جو آپ رضی اللہ عنہ کے والد مخارق بن شہاب نے اپنے ایک چچازاد کے لیے کہا تھا جسے امام انباری نے اپنی کتاب الاضداد میں ذکر کیا ہے؛ وقالَ مُخارق بن شهاب المازنيّ لابن عمٍّ له مازِنِيّ:

وَ إِنِّي لَمَوْ لاَ كَ ا لَّذي لَكَ نَصْرُهُ

إِذا بُرْطِمَتْ تحْتَ السِّبَالِ العَنَافِقُ [464]

حضرت صحار بن عباس عبدیؓ

آپ رضی اللہ عنہ قبیلہ عبدالقیس کے نامور سردار تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی اپنے قبیلہ کے وفد میں آکر اسلام سے فیضیاب ہوئے اور صحابیت کے مرتبہ عالی کو پہنچے[465]۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت تھے۔ رنگ لعل تھا، تبھی تو لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو "احمر" کہا کرتے تھے[466]۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کو " ارزق" کہا کرتے تھے[467]۔ شکل و صورت کے علاوہ اللہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اور بھی کئی صلاحیات سے نوازا تھا۔ آپؓ بڑے عالم، فاضل، عابد، زاہد اور پیکر خیرات و حسنات تھے۔ اپنی بلا کی خطابت، فصاحت اور بلاغت کی وجہ سے لوگوں میں "أخطب الناس " سے مشہور تھے[468]۔ علم انساب اور علم جغرافیہ کے بھی بہت بڑے ماہر اور مایہ ناز عالم تھے۔ تبھی تو آپ رضی اللہ عنہ جب 23ھ میں حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ سندھ میں

---

[464] ابو بکر انباری (م328ھ)، الاضداد، 1/ 48، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ

[465] وفد بنی عبد القیس کے بارے میں ابن سعد، خلیفہ، طبری، ابن ابی حاتم، ابن حبان، ابونعیم، ابن اثر، ابن عبد البر، ذہبی، امام بخاری اور ابن حجر عسقلانی تمام حضرات نے لکھا ہے۔

[466] أسد الغابة ت 2483، الثقات 3/ 194، تجريد أسماء الصحابة 1/ 263- رجال السند والهند 2/ 335- حسن المحاضرة 1/ 209، ذيل الكاشف 666- العقد الثمين 64- التاريخ الكبير 4/ 327- الأعلام 3/ 201، الجرح والتعديل 4/ 2006، 2007- تلقيح فهوم أهل الأثر 372- كتاب الطبقات 85، 61، الطبقات الكبرى 5/ 562، 7/ 87- تبصير المشتبه 3/ 902- بقي بن مخلد 284.

[467] المعارف، 1/339

[468] ایضاً،

www.besturdubooks.net

مکران کی مہم میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے، تو حضرت حکمؓ نے آپ رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت دے کر حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیجا تاکہ انہیں خوشخبری سنا کر خوش کردیں۔ اور جب آپ رضی اللہ عنہ مدینہ جا پہنچے تو واقعی خلیفہ وقت کو اس فتح سے بہت خوشی ملی۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ رضی اللہ عنہ کی علمیت اور تجربے و مشاہدے کا بھرپور احساس تھا۔ اس لیے انہوں نے آپؓ سے یہاں کے حالات دریافت کرنا چاہے، چونکہ آپ رضی اللہ عنہ خطابت کے بے تاج بادشاہ تھے اس لیے آپؓ نے ایک ہی جملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کا ایسا ادیبانہ جواب دیدیا کہ سامعین ششدر رہ گئے، فرمایا؛

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَرْضٌ سَهْلُهَا جَبَلٌ ، وَمَاؤُهَا وَشَلٌ ، وَثَمَرُهَا دَقَلٌ ، وَعَدُوُّهَا بَطَلٌ وَخَيْرُهَا قَلِيلٌ، وَشَرُّهَا طَوِيلٌ ، وَالْكَثِيرُ بِهَا قَلِيلٌ ، وَالْقَلِيلُ بِهَا ضَائِعٌ ، وَمَا وَرَاءَهَا شَرٌّ مِنْهَا.

فَقَالَ عُمَرُ: أَسَجَّاعٌ أَنْتَ أَمْ مُخْبِرٌ؟ فَقَالَ: لَا، بَلْ مُخْبِرٌ، فَكَتَبَ عُمَرُ إِلَى الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو أَنْ لَا يَغْزُوَ بَعْدَ ذَلِكَ مُكْرَانَ، وَلْيَقْتَصِرُوا عَلَى مَا دُونَ النَّهْرِ۔[469]

فرمایا؛ مکران (سندھ) کی ہموار و نرم زمین پہاڑ ہے، اس کا پانی کم اور کھارا، اس کی کھجوریں ردی اور بے کار جبکہ اس کے دشمن بڑے جری اور بے باک ہیں۔ وہاں کا خیر قلیل اور شر طویل ہے۔ وہاں کم فوج کا بھیجنا ہلاکت اور کثرت بھی ضیاع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شعر کہہ رہے ہو کہ وہاں کا حال بتا رہے ہو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہاں کا احوال بتا رہا ہوں۔

یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو آگے بڑھنے سے سختی سے منع فرمایا۔

آپ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ آپؓ کی اولاد میں بھی بڑے بڑے علماء اور محدثین ہو گزرے ہیں۔ بقول دینوریؒ آپ رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے عبد الرحمٰن بن صحار اور ایک پوتے جعفر بن زید بن صحار اپنے زمانے کے بڑے علماء اور مجتہدین شمار ہوتے ہیں[470]۔

---

[469] الاصابہ، الترجمہ 4061، البدایہ والنہایہ 7/148

[470] المعارف، 1/339

www.besturdubooks.net

اور ابن حجر عسقلانی نے جعفر کو آپ رضی اللہ عنہ کا بیٹا لکھا ہے [471]۔ امام ابن حجر عسقلانی مزید فرماتے ہیں؛

أبو نعيم. ويقال ابن صخر بن شراحيل بن منقذ بن عمرو بن مرة العبديّ.

قال البخاريّ: له صحبة. وقال ابن السكن: له صحبة، حديثه في البصريين، وكان يكنى أبا عبد الرحمن بابنه.

وقال ابن حبّان: صحار بن صخر، ويقال له صحار بن العباس، له صحبة، سكن البصرة ومات بها،وروى أحمد وأبو يعلى والبغوي والطبراني من طريق يزيد بن الشّخير، عن عبد الرحمن بن صحار العبديّ، عن أبيه: سمعت النبي صلّى اللَّه عليه وسلم يقول: «لا تقوم السّاعة حتّى يخسف بقبائل من بني فلان وبني فلان» [472]

قال: فعرفت أنّ بني فلان من العرب، لأن العجم إنما تنسب إلى قراها. لفظ أبي يعلى. وفي رواية البغوي، عن عبد الرحمن بن صحار، وكان من عبد القيس، قال البغوي: لا أعلمه روى غير هذا.وروى ابن شاهين له بهذا الإسناد أنه أتى النبي صلّى اللَّه عليه وسلم، فقال: يا رسول اللَّه، إني رجل مسقام، فأحبّ أن تأذن لي في جرّة أنتبذ فيها. وأورد له حديثا آخر بسند ضعيف.وأخرج البغويّ من طريق خلدة بنت طلق: حدثني أبي أنه كان عند رسول اللَّه صلّى اللَّه عليه وسلم فجاء صحار عبد القيس، فقال: يا رسول اللَّه، ما ترى في شراب نصنعه في أرضنا ... الحديث.وروى عنه أيضا ابنه جعفر بن صحار، ومنصور، بن أبي منصور وجيفر بن الحكم.وقال ابن حبّان في الصّحابة: مات بالبصرة.

قلت: ولصحار أخبار حسان، وكان بليغا مفوّها، ذكر الجاحظ في الحيوان أنه قيل له: ما يقول الرّجل لصاحبه عند تذكيره إياه أياديه وإحسانه؟

---

[471] الاصابہ، الترجمہ 4061

[472] أخرجه أحمد في المسند 3/ 483 عن عبد الرحمن بن صحار العبديّ عن أبيه... الحديث. والطبراني في الكبير 8/ 87، وابن أبي شيبة في المصنف 15/ 41، والحاكم في المستدرك 4/ 445، عن عبد الرحمن بن صحار العبديّ عن أبيه بلفظه قال الحاكم صحيح الإسناد ولم يخرجاه وأقره الذهبي. وأورده الهيثمي في الزوائد 9/ 11، والمتقي الهندي في كنز العمال حديث رقم 38721، 39734، وأورده السيوطي في الدر المنثور 6/ 61

www.besturdubooks.net

قال: يقول: أما نحن فإنّا نرجو أن نكون قد بلغنا من أداء ما يجب لك علينا مبلغا مرضيا.

قال صحار: وكانوا يستحبون أن يدعوا للقول متنفسا، وأن يتركوا فيه فضلا، أن يتجافوا عن حقّ إن أرادوه، ولم يمنعوا منه.

وقال الجاحظ في كتاب البيان: قال معاوية لصحار: ما البلاغة؟ قال: الإيجاز. قال:ما الإيجاز؟ قال: ألا تبطئ ولا تخطيء.

وقال الرّشاطيّ: ذكر أبو عبيدة أنّ معاوية قال لصحار: يا أزرق. قال: القطامي أزرق. قال: يا أحمر. قال: الذّهب أحمر. قال: ما هذه البلاغة فيكم؟ قال: شيء يختلج في صدورنا فنقذفه كما يقذف البحر بزبده. قال: فما البلاغة؟

قال: أن تقول فلا تبطئ وتصيب فلا تخطيء.وقال محمّد بن إسحاق النّديم في «الفهرست» روى صحار عن النّبي صلّى الله عليه وسلم حديثين أو ثلاثة، وكان عثمانيا أحد النّسابين والخطباء في أيام معاوية، وله مع دغفل النسابة محاورات[473]

آپ چونکہ آخری وقت میں بصرہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی[474] اس لیے آپ نے امیر معاویہؓ کے آخری دور میں بصرہ میں وفات پائی۔[475]

حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ

حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے مشہور جرنیل صحابی حضرت قعقاعؓ کے بھائی تھے۔ آپ کا شجرہ نسب ابن قانعؒ نے یوں لکھا ہے؛

عَاصِمِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ بْنِ مَبْذُولِ بْنِ عَمْرِو بْنِ غَنْمِ بْنِ مَازِنِ بْنِ تَيْمِ وَهُوَ الْمَازِنِيُّ عَمُّ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ[476]

---

[473] الاصابہ، الترجمہ 4061

[474] ڈاکٹر عبدالرحمٰن، بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 54

[475] **Dr Muhammad Ishaq, India's contribution to study of Hadith Literature, Decca 1955, p.5**

[476] معجم الصحابہ، 102/2

www.besturdubooks.net

آپ رضی اللہ عنہ گرچہ تاریخ میں فاتح سجستان سے یاد کیے جاتے ہیں لیکن شاید یہ بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ رضی اللہ عنہ سندھ بھی آئے تھے اور یہاں اپنے جوہر دکھائے تھے جیسا کہ ابن کثیرؒ، ابن عبد البر اور ابن حجر نے تصریح کی ہے[477]۔ تقریباً سبھی مؤرخین اور مترجمین نے آپ رضی اللہ عنہ کے حالات متفرق لکھے ہیں۔ راقم نے کوشش کی ہے کہ ان سب کو مختصراً مگر اجمالاً بیان کر دوں تا کہ اس بطل جلیل کی اسلام کے لیے دی گئیں قربانیاں آشکارا ہو جائیں۔

9ھ میں غزوہ تبوک سے چند دن قبل قبیلہ بنو تمیم نے آکر اسلام قبول کر لیا، اسی وفد میں حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ گرچہ کسی غزوہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے حصہ نہیں لیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے بہت سی جہادی کارروائیوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مرتدین کی سرکوبی میں اول دستے میں رہے۔ پھر جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کی طرف آگے بڑھے تو آپ رضی اللہ عنہ بھی ان کے شانہ بشانہ تھے۔ شام اور مدینہ کے درمیان ایک مضبوط قلعہ تھا جہاں عیسائی سازش کرتے رہتے تھے اور ان کا ایک سرغنہ اکیدر نامی شخص تھا جسے پکڑنا یا قتل کرنا ہر حال میں ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ ہی کو اسے پکڑنے کے لیے بھیج دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کمال بہادری دکھا کر اسے رسیوں میں جکڑ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر کر لیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، اور پھر قلعہ دومۃ الجندل کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ فتح ہوتے ہی حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ قلعہ میں موجود سب قیدیوں کو قتل کر دو۔ ایسے میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا کہ نہیں ان میں بنو کلب کو امن دیا جائے کیونکہ انہوں نے ہم سے امان مانگی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی لاج رکھ لی اور بنو کلب کو امان دے دیا۔

---

[477] البدایہ والنہایہ؛7/ 148، الاستیعاب؛2/500، الاصابہ؛2/614

www.besturdubooks.net

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب خالد رضی اللہ عنہ کو ارض شام کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی تمنا تھی کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ چلے جائیں۔ لیکن مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اس پر احتجاج کیا اور بالآخر عاصم رضی اللہ عنہ رہ گئے اور ان کے بھائی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے چلیں۔ آپ رضی اللہ عنہ پھر بھی آرام سے بیٹھے والے نہ تھے اس لیے آپ رضی اللہ عنہ حضرت ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر اہل فارس کے ساتھ جہاد کے لیے چلے گئے۔ کسکر میں جا کر قتال کیا، جہاں آپ یہ رجزیہ اشعار پڑھا کرتے تھے؛

عَمْرِي وَمَا عَمْرِي عَلَيَّ بِهَيِّنٍ　　لَقَدْ صُبِّحَتْ بِالْخِزْيِ أَهْلُ النَّمَارِقِ

بِأَيْدِي رِجَالٍ هَاجَرُوا نَحْوَ رَبِّهِمْ　　يَجُوسُونَهُمْ مَا بَيْنَ دُرْتَا وَ بَارِقِ

قَتَلْنَاهُمْ مَا بَيْنَ مَرْجِ مُسْلِحٍ　　وَ بَيْنَ الْهَوَافِي مِنْ طَرِيقِ الْبَذَارِقِ[478]

اور پھر معرکہ جسر میں زبردست جنگ ہوئی۔ دشمن دریا کے اُس پار تھا اور وہاں سے برابر للکار رہا تھا۔ امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ ہم دریا پار کر کے جا کر مقابلہ کریں گے۔ بہت سارے مجاہدین اس رائے کے خلاف تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے فائدے کی امید کم اور نقصان پہنچنے کی قوی امید ہے۔ امیر کا حکم تھا اس لیے کشتیوں کا پل بنایا گیا اور جونہی مسلمان آگے بڑھے، جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے مجاہدین دشمن کے نرغے میں آگئے۔ واقعی مجاہدین بری طرح پھنس گئے تھے، بہت سارے مجاہدین شہید ہو گئے اور کئی ایک بھاگ گئے۔ ایسے میں کسی نے پل توڑ ڈالا، جس سے کئی ایک دریا میں گر گئے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ایسے میں حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر پل دوبارہ جلدی سے بندھوایا۔ اور بچی کھچی فوج کو دریا سے پار لے آئے۔ امیر لشکر حضرت ابو عبید بھی اس جنگ میں شہید ہوئے۔ نو ہزار مجاہدین میں سے صرف تین ہزار مجاہدین بچ گئے تھے۔ اور ان کا بچانا بھی آپ رضی اللہ عنہ اور حضرت مثنیٰؓ کا کارنامہ تھا، پھر جنگ بویب میں آپ رضی اللہ عنہ نے مقدمۃ الجیش کے شہسواروں کی امارت کرتے ہوئے دشمن پر وہ یلغار کر دی کہ اب کے بار وہ یا تو جان سے گئے اور یا پھر جان بچا کر بھاگ گئے۔

---

[478] تاریخ طبری، 3/497

www.besturdubooks.net

یزدجر کے بادشاہ بنتے ہی رستم اور فیروز دو بڑے پہلوانوں نے یکجا ہو کر مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست لشکر تیار کیا اور ایک نتیجہ خیز جنگ لڑنے کی ٹھان لی۔ ادھر صحابہ کرام بھی تیس ہزار کا لشکر تیار کر چکے تھے۔ مسلمانوں کے سالار لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلامی اصولوں کے مد نظر پہلے دعوت اسلام دینا ضروری سمجھا۔ لہٰذا یزدجر کے پاس جو وفد گیا، ان میں حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وفد نے خوبصورت اسلوب میں دعوت اسلام دی جسے سن کر متکبر یزدجر آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر قاصدوں کو قتل نہ کیا جاتا تو میں تمہیں ابھی قتل کر دیتا۔ پھر اسی وقت حکم دیا کہ مٹی کا ایک ٹوکرا لاؤ تاکہ اہل عرب کے ان معززین کے سر پر رکھ دوں؛

فقال: لولا أن الرسل لا تقتل لقتلتكم، لا شيء لكم عندي، وقال:

ائتوني بوقر من تراب، فقال: احملوه على أشرف هؤلاء، ثم قال: من أشرفكم؟ فسكت القوم، فقال عاصم بْن عمرو– وافتات ليأخذ التراب: أنا أشرفهم، أنا سيد هؤلاء فحملنيه، فقال: أكذاك؟قالوا: نعم، فحمله على عنقه، فخرج به من الإيوان والدار حتى أتى راحلته فحمله عليها، ثم انجذب في السير، فأتوا به سعدا وسبقهم عاصم فمر بباب قديس فطواه، فقال: بشروا الأمير بالظفر، ظفرنا إن شاء الله.

ثم مضى حتى جعل التراب في الحجر، ثم رجع فدخل على سعد، فأخبره الخبر فقال: أبشروا فقد والله أعطانا الله أقاليد ملكهم[479]

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اس ٹوکرے کو خوشی خوشی لے آئے اور لوگوں کو فتح کی نوید سنائی۔ انہیں بتایا کہ مبارک ہو! اللہ نے ان کی سلطنت کی چابیاں ہمیں دے دی ہیں۔ اس جنگ کو تاریخ "جنگ قادسیہ" کے نام سے یاد کرتی ہے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کمال بہادری دکھائی، نہ صرف خود میں بلکہ مجاہدین میں بھی رجز پڑھ کر خوب جوش وولولہ پیدا کیا۔ آپ کی زبان پر یہ اشعار تھے؛

قَدْ عَلِمَتْ بَيْضَاءُ صَفْرَاءُ اللَّبَبِ   مِثْلَ اللُّجَيْنِ إِذْ تَغْشَاهُ الذَّهَبُ

---

[479] تاریخ طبری، 3/500

www.besturdubooks.net

أَنِّيَ امْرُؤٌ لا مَنْ تَعِيبُهُ السَّبَبُ　　مِثْلِي عَلَى مِثْلِكَ يُغْرِيهِ الْعَتَبُ[480]

ایرانی ہاتھی دیکھ کر مسلمانوں کے گھوڑے بدھک گئے تو امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا؛

فَأَرْسَلَ سَعْدٌ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَمْرٍو، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ بَنِي تَمِيمٍ، أَلَسْتُمْ أَصْحَابُ الإِبِلِ وَالْخَيْلِ! أَمَا عِنْدَكُمْ لِهَذِهِ الْفِيَلَةِ مِنْ حِيلَةٍ ؟

آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیوں نہیں ہے اور پھر اپنے رفقاء کو حکم دیا کہ اپنے تیروں سے ان ہاتھیوں کو نشانہ بناؤ۔ آپ کے ساتھیوں نے ایرانی ہاتھیوں کا سامنا کر کے ان کا خوب علاج کیا اور سب کو قتل کر دیا۔

بَلَى وَاللَّهِ، ثُمَّ نَادَى فِي رِجَالٍ مِنْ قَوْمِهِ رُمَاةٍ وَآخَرِينَ لَهُمْ ثَقَافَةٌ، فَقَالَ لَهُمْ:
يَا مَعْشَرَ الرُّمَاةِ ذُبُّوا رُكْبَانَ الْفِيَلَةِ عَنْهُمْ بِالنَّبْلِ، وَقَالَ: يَا مَعْشَرَ أَهْلِ الثَّقَافَةِ اسْتَدْبِرُوا الْفِيَلَةَ فَقَطِّعُوا وضنها، وَخَرَجَ يَحْمِيهِمْ وَالرَّحَى تَدُورُ عَلَى أَسَدٍ، وَقَدْ جَالَتِ الْمَيْمَنَةُ وَالْمَيْسَرَةُ غَيْرَ بَعِيدٍ، وَأَقْبَلَ أَصْحَابُ عَاصِمٍ عَلَى الْفِيَلَةِ، فَأَخَذُوا بِأَذْنَابِهَا وَذَبَاذِبِ تَوَابِيتِهَا، فَقَطَّعُوا وُضُنَهَا، وَارْتَفَعَ عَوَاؤُهُمْ، فَمَا بَقِيَ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ فِيلٌ إِلا أُعْرِيَ، وَقُتِلَ أَصْحَابُهَا[481]

آپ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کی جرات و بہادری سے مسلمانوں نے جنگ قادسیہ میں متکبر ایرانیوں کی دوڑیں لگوائیں اور وہ وہاں سے فرار ہو کر دجلہ پار کر کے بہر سیر شہر میں چُھپ گئے۔ اسلامی لشکر اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا لیکن ایرانی تمام کشتیاں ساتھ لے گئے تھے۔ اور دریا کا پانی بھی چڑھ گیا تھا۔ دریں اثناء امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ اسلامی لشکر کے گھوڑے دریا میں گھس گئے ہیں اور دریا پار ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک زور دار تقریر کر کے لوگوں کو اس بات پر اکسایا کہ وہ کسی بھی حالت میں دریا پار کر دشمن کا کام تمام کر دیں۔ سب سے پہلے حضرت عاصمؓ تیار ہوئے اور اس کے بعد ساٹھ آدمی اور بھی تیار ہو گئے۔

---

[480] ایضاً، 536/3

[481] ایضاً، 500/3

www.besturdubooks.net

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ان سے ایک زوردار اور ایمان آفروز تقریر کرتے ہوئے فرمایا؛

فَقَالَ مَا يمنعكم من العبور إِلَّا هَذِهِ النُّطْفَة ثُمَّ أقحم فرسه فَاعْتَرضَ بِهِ دجلة ثُمَّ قَرَأَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلا بِإِذن الله فأقحم النَّاس خيولهم[482]

کیا تم پانی کے اس قطرے سے ڈرتے ہو؟ یہ کہتے ہوئے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور پھر فرمایا؛

کوئی بھی نفس اپنے وقت مؤجل سے پہلے نہیں مرتا، آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سب نے دریا میں گھوڑے ڈال دیے۔ ایرانیوں نے جب یہ دیکھا تو چلائے؛" دیوان آمدند، دیوان آمدند" اور دم دبا کر بھاگ نکلے اور یوں کسریٰ پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں جلواء، تکریت، اور نہاوند کے معرکوں میں بھی آپؓ نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ پھر حضرت عمرؓ نے آپ رضی اللہ عنہ کو سجستان کی مہم پر روانہ کیا اور آپؓ نے جا کر یہ مہم بھی اللہ کے فضل و کرم سے بخوبی سر کر لیا۔ اس دوران آپ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف سجستان فتح کیا بلکہ سندھ کا وہ علاقہ جو سجستان سے لگا ہوا تھا وہ بھی اپنے زیر کر لیا۔ یہ سن 23ھ کا واقعہ ہے[483]۔

---

[482] تاریخ خلیفہ،1/133

[483] اس مضمون کے تیار کرنے میں ان حوالوں کا سہارا لیا گیا؛

نسب قريش؛ 353و355و361، ومسند أحمد؛ 3/ 478، والمحبّر؛ 418و448، وطبقات ابن سعد 5؛/ 15، وطبقات خليفة 234، وتاريخ خليفة :267، والتاريخ الكبير؛ 6/ 477، 478رقم 3038، وتاريخ الثقات للعجلي؛ 242رقم 642، والثقات لابن حبان 5؛/ 223، والجرح والتعديل6/ 346رقم1912، والمعارف184و187و188، والعقد الفريد6/ 8و349، والمعرفة والتاريخ1/ 221، وأنساب الأشراف 1/ 427و428، ومروج الذهب (طبعة الجامعة اللبنانية) 1561، فتوح البلدان 226، معجم الشعراء للمرزباني 271، ومشاهير علماء الأمصار رقم 442، والاستيعاب 3/ 136، 137، وعيون الأخبار 1/ 322، وجمهرة أنساب العرب 152و155و333، وتاريخ الطبري 2/ 642و4/ 99و6/ 566، وربيع الأبرار 4/ 285، وتهذيب الأسماء واللغات ق1 ج1/ 255رقم 277، ووفيات الأعيان 6/ 302، 303، والكامل في التاريخ 2/ 210و3/ 54و4/ 308و5/ 59و325و394، وأسد الغابة 3/ 76، والجمع بين رجال الصحيحين 1/ 383، وتهذيب الكمال 2/ 636، والعبر 1/ 78، وسير أعلام النبلاء 4/ 97رقم 30، والكاشف 2/ 46رقم 2534، وتاريخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدين) 268، والوافي بالوفيات 16/ 570، 571رقم 604، ومرآة الجنان 1/ 271، والإصابة 3/ 56رقم 6154، وتهذيب التهذيب 5/ 52، 53رقم 83، وتقريب التهذيب 1/ 385رقم 19، وخلاصة تذهيب التهذيب 183، والنجوم الزاهرة 1/ 185، وشذرات الذهب 1/ 77، البداية والنهاية 7/132

www.besturdubooks.net

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بروہوی کی تحقیق کے مطابق 23ھ میں سیستان کی فتح کے بعد حضرت عاصم بنؓ نے موجودہ بلوچستان کے مکران، کچی اور خاران کے علاقوں میں آکر فتوحات حاصل کی تھیں۔[484]

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ

آپ رضی اللہ عنہ قبیلہ اشجع سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہونے کے ساتھ آپ ﷺ سے روایت کرنے والے بھی ہیں۔ جیسا کہ علماء متقدمین ومتاخرین نے فرمایا ہے[485]۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ ابن مندہ کا قول ہے کہ طبرانی میں یحیٰ بن مسلم، ابن واقدان[486] کے واسطے حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن بندہ نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے[487]۔ آپ رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے[488]

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ، ثنا الْحَسَنُ بْنُ الْعَبَّاسِ الرَّازِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ، ثنا أَبُو زُهَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَغْرَاءَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَقْدَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَيْرٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِذَا خَرَجَ عَلَيْكُمْ خَارِجٌ وَأَنْتُمْ مَعَ رَجُلٍ جَمِيعًا يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ وَيُفَرِّقَ جَمْعَهُمْ فَاقْتُلُوهُ»[489]

---

[484] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص72

[485] أسد الغابۃ ت(3101)، الاستیعاب ت(1642)، الجرح والتعدیل 5/ 123، تجرید أسماء الصحابۃ 1/ 326، العقد الثمین 66، تھذیب الکمال 2/ 718، الجرح والتعدیل 5/ 565، 665، التاریخ الکبیر 5/ 34.

[486] امام ابن حجر نے ابن وقدان، جبکہ ابونعیم نے اس کا نام عبداللہ لکھا ہے اور امام طبری نے اس کا نام برعکس لکھا ہے یعنی واقد بن عبداللہ۔ (تاریخ طبری 4/376، معرفۃ الصحابہ 3/1735)

[487] الاصابہ، 4/171

[488] أوردہ المتقي الهندي في كنز العمال حديث رقم 14823 وعزاہ إلى الطبراني في الكبير عن عبد اللہ بن عمر الأشجعي. قال الهيثمي في الزوائد 6/ 236

[489] معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 3/ 1735

www.besturdubooks.net

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگ کسی شخص پر (بحیثیت امیر) متفق ہو جاؤ اور اس کے بعد کوئی دعویدار آکر مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے اور ان کی طاقت توڑنے کی کوشش کرے تو ایسے شخص کو قتل کر دو۔

ابن اثیر نے آپ کا شمار اہل مدینہ میں کیا ہے اور آپ کی یہی روایت لکھی ہے کہ اگر کوئی باغی تم میں سے نکلے تو اسے قتل کر دو۔ امام طبری اور امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے 23ھ میں حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ سجستان کا جہاد کیا اور دونوں کی کوششوں سے وہ علاقہ فتح ہوا جو اس زمانے میں بلاد سجستان سے لیکر سندھ کے اندرونی حصے تک پھیلا ہوا تھا[490]۔

العقد الثمین کے مؤلف کی تحقیق کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ سندھ کے علاقوں میں آئے تھے اور یہاں پر جہادی کارروائیوں میں حصہ لیا تھا[491]۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن کا کہنا ہے کہ آپ نے مکران اور خاران میں کارروائیاں کیں[492]۔ ان کی برکت سے یہ سرزمین بابرکت ہوئی۔ اور محمد اسحاق بھٹی کی تحقیق کے مطابق آپ نے دور فاروقی میں آکر سندھ (موجودہ بلوچستان) کے کئی شہر زیر نگیں کئے اور پھر آپ کی شہادت بھی یہیں سندھ (موجودہ بلوچستان) میں ہوئی[493]۔

حضرت نسیر بن دیسم عجلیؓ

آپ رضی اللہ عنہ بحرین کے قبیلہ بنو بکر کی ذیلی شاخ بنو عجل کے چشم و چراغ تھے[494]۔ آپ رضی اللہ عنہ مخضرم[495] صحابی تھے[496]۔ آپ اپنے والد سے کم اور اپنے دادا کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ بلاذری، ابن حجر، یاقوت حموی اور ابن حزم وغیرہ نے نسیر بن ثور لکھا ہے[497]۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

---

490 تاریخ طبری؛4/181، تاریخ ابن کثیر؛7/132

491 العقد الثمین، ص 66

492 بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 54

493 فقہائے ہند، 1/15

494 امام ابو منذر کلبی (م204ھ)، نسب معد والیمن الکبیر، 1/76

www.besturdubooks.net

النسير صاحب قلعة النّسير بن ديسم بن ثور بن عريجة بن محلّم ابن هلال بن ربيعة بن ضبيعة بن عجل بن لجيم بن صعب بن علي بن بكر بن وائل [498]

آپ ؓ نے نہاوند میں ایک قلعہ فتح کیا تھا جسے قبضہ کرنا بہت مشکل تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی مستقل مزاجی اور بہادری کی وجہ سے وہ قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا، اس لیے نہ صرف اس قلعے کو آپ ؓ کی نسبت "قلعہ نسیر" کہا جانے لگا بلکہ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بھی " صاحب قلعہ نسیر " سے یاد کیا جانے لگا [499]۔ امام ابو منذر کلبیؒ (م 204ھ) نے آپ ؓ کو " قلعۃ النسیر " کہا ہے، لکھتے ہیں:

النّسَيْرُ بن دُيْسم بن ثَوْر بن عُرَيْجَةَ، الذي يُقالُ لهُ قَلْعَةَ النُسيْرِ [500]

لیکن شاید ان سے لفظ " صاحب " رہ گیا ہو یا کاتب کا سہو ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دور صدیقی اور دور فاروقی اور دور عثمانی میں کئی جنگوں میں باقاعدہ حصہ لیا۔ جنگ قادسیہ، نہروان، ھمذان، سجستان، نہاوند اور مکران وغیرہ کئی معرکوں میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے [501]۔ 23ھ میں آپ ؓ نے حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سندھ کے علاقہ قفص پر قبضہ کیا تھا، اس لشکر میں فوج کے ایک دستے کی کمان آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسی سال 23ھ میں مکران کے حاکم مرزبان کو قتل کیا تھا [502]۔ اور آگے بڑھ کر خاران پر قبضہ کیا [503]۔ اس جنگ میں حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان

---

495 مخضرم اس صحابی کو کہتے ہیں جس نے زمانہ جاہلیت پایا ہو اور زمانہ رسالت بھی لیکن کسی وجہ سے شرف ملاقات نصیب نہ ہوئی ہو۔

496 فقہائے ہند، 1/12

497 فتوح البلدان؛ 1/245، معجم البلدان، 5/33، الاصابہ؛ 3/355

498 جمہرۃ انساب العرب، 1/314

499 معجم البلدان، 5/33

500 نسب معد والیمن الکبیر، 1/76

501 فتوح البلدان؛ 1/245، تاریخ طبری؛ 2/42، 4/134، تاریخ ابن اثیر؛ 2/400

502 تاریخ ابن اثیر؛ 2/423، تاریخ ابن خلدون؛ 2/566

503 خاران اس وقت مکران کا حصہ تھا، اٹھارویں صدی عیسوی میں میر نصیر خان نوری کے عہد میں یہ قلات میں شامل کیا گیا۔ (بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 97)

www.besturdubooks.net

بھی مدد کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔35ھ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپ کو ھمذان کی ولایت سونپی تھی[504]۔الحاصل آپ رضی اللہ عنہ نہایت جری، نڈر اور دلیر سپہ سالار تھے۔علاوہ ازیں آپ رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے ایک مایہ ناز خطیب بھی تھے[505]۔اور کیوں نہ ہوتے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی پرورش فصاحت وبلاغت کے ماحول میں ہوئی تھی۔محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں؛

"مقدمۃ الجیش کے امیر کی حیثیت سے حضرت نسیر بن دیسم نے 23ھ میں بلوچستان کا کچھ حصہ فتح کیا۔"[506]

حضرت حکیم بن جبلہ عبدیؓ

آپ رضی اللہ عنہ قبیلہ عبدالقیس کے نامور سردار تھے۔آپ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

حكيم بْن جبلة بْن حصين بْن أسود بن كعب بْن عامر بْن الحارث بْن الديل بْن عمرو بْن غنم بْن وديعة بْن لكيز بْن أفصى بْن عبد القيس بْن دعمي بْن جديلة بْن أسد بْن ربيعة بْن نزار بن معد بن عدنان، العبدي البصري[507]

آپ رضی اللہ عنہ کا نام حاء کے فتحہ کے ساتھ ہے کہ ضمہ کے ساتھ؟[508]

تو امام ابن عبد البر، فتحہ اور امام ابن حجر عسقلانی، ضمہ کو ترجیح دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ تصغیر ہے[509]۔جبکہ ابن خلکان دونوں کو درست قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں؛

وأما حكيم بن جبلة المذكور في عمود هذا النسب فإنه بفتح الحاء المهملة وكسر الكاف، ويقال أيضاً بضم الحاء وفتح الكاف، ويقال جبلة وجبل[510]

---

504 تاریخ طبری؛4/330

505 ایضاً،4/422

506 فقہائے ہند، ص61

507 اسد الغابہ، الترجمہ 1233، تاریخ ابن خلکان؛7/53

508 حکیم فاء کلمہ یعنی" حاء" کے فتحہ کے ساتھ بروزن کریم، رحیم اور نسیم بھی درست ہے اور حکیم "حاء" کلمہ کے ضمہ کے ساتھ بھی درست ہے یعنی تصغیر حُکیم بروزن عبید، سہیل اور زبیر وغیرہ (وفیات الاعیان،7/59)

509 الاصابہ؛2/181

www.besturdubooks.net

اسی طرح آپ کے والد کا نام بھی مختلف فیہ ہے۔ جبل اور جبلہ دونوں مذکور ہے، تاہم امام ابن عبد البر نے "جبلہ" کو اصح مانا ہے[511]۔ اور اسی طرح ابن اثیر اور ابن خلکان نے بھی لکھا ہے یعنی حکیم بن جبلہ۔
ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ مجھے کوئی راویت نہیں ملی جس سے آپ کی صحابیت ثابت ہوتی ہو، لیکن امام زرکلی نے آپؓ کو صحابی لکھا ہے۔[512]
آپ مدرک صحابی ہیں، یعنی آپ نے زمانہ رسول ﷺ پایا ضرور لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے حیات طیبہ میں اسلام قبول کیا کہ وصال نبی ﷺ کے بعد۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں؛
أدرك النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ولا أعلم له رواية ولا خبرًا يدل عَلَى سماعه منه ولا رؤيته له[513]
آپ سے کوئی بھی روایت منقول نہیں ہے۔ خلیفہ، بلاذری، طبری، ابن عبد البر، ابن اثیر، ابن کثیر، ابن حجر اور امام ذہبی سمیت سبھی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عراق کے گورنر حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا کہ کسی دانا اور تجربہ کار آدمی کو ملک سندھ بھیج دیا جائے تا کہ وہاں جا کر مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر حالات کا خوب جائزہ لے کر جب واپس آئے تو دربار خلافت آکر ہمیں اپنے تجربات و مشاہدات سے آگاہ کر لیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم کا انتخاب کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو بسوئے سندھ روانہ کر دیا۔ آپؓ نے جا کر ملک سندھ کے حالات کا بخوبی مشاہدہ کیا اور اچھی طرح سے جائزہ لیا پھر واپس آکر دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئے اور جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے سندھ کا حال احوال دریافت کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت صحار عبدی کی طرح ایک ہی جملہ میں ادبی جواب دے دیا، کہنے لگے؛

---

510 تاریخ ابن خلکان؛ 59/7

511 الاستیعاب، 366/1

512 الاعلام، 286/2

513 اسد الغابہ، الترجمہ 1233

www.besturdubooks.net

ماؤهماوشل وثمرهادفل ولصهابطل إن قل الجيش فيها ضاعوا وإن كثروا جاعوا فقال له عُثْمَان أخابر أم ساجع قَالَ بل خابر فلم يوجه عثمان رضي اللَّه عنه إليها أحدًا حتى قتل[514]

جیسا پہلے عرض ہوا کہ ایسا ہی ایک مشاہداتی جواب اس سے پیشتر خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہو جسے بعض مؤرخین نے حضرت صحار رضی اللہ عنہ اور بعض نے حضرت حکم رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہو۔ اب یا تو حضرت حکیم نے بھی حضرت صحار رضی اللہ عنہ کی پیروی کر کے ویسا ہی جواب دیا کیونکہ دونوں ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، دونوں کا ملنا اور پھر حضرت حکیم کا اس ادبی جواب سے خبر دار ہونا کوئی بعید از قیاس بات نہیں بلکہ دونوں ہم عصر اور دونوں بصروی ہیں۔ کیونکہ اسی قسم کا جواب بعد 80ھ کے لگ بھگ میں حجاج بن یوسف کو اس کے استفسار پر حضرت ایوب بن زیدؒ نے بھی دیا تھا[515]۔

اور یا پھر یہ حضرت حکم کے اپنے الفاظ تھے۔ یعنی آپ، حضرت صحار کے بعد دوسرے سیاح ہیں جو سندھ آئے۔ خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ آپ مکران اور سندھ کے پہلے قاضی مقرر ہوئے تھے[516]۔ اور عبد اللہ بن معمر، عمیر بن عثمان اور سعید بن کندیر رضی اللہ عنہم تینوں امراء کے دور میں یہاں کے قاضی رہے۔[517]

آپ کے بارے میں ابن اثیرؒ نے جامع الفاظ میں جو لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو:

ثم إنه أقام بالبصرة، فلما قدم إليها الزبير، وطلحة، مع عائشة رضي اللَّه عنهم، وعليها عثمان بْن حنيف أميرًا لعلي رضي اللَّه عنه، بعث عثمان بْن حنيف بْن جبلة في سبعمائة من عبد القيس، وبكر بْن وائل، فلقي طلحة، والزبير بالزابوقة قرب البصرة، فقاتلهم قتالًا

---

[514] فتوح البلدان؛ 1/416، اسد الغابہ؛ الترجمہ 1233

[515] وفیات الاعیان، 1/230۔ تعجب کی بات یہ کہ ایوب بن زید ہلالیؒ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ تھے۔ کتابت کے لیے اپنے ساتھ ایک کاتب رکھتے تھے۔ سوئے قسمتی کہ حجاج بن یوسف نے انہیں 84ھ میں قتل کر دیا تھا۔

(وفیات الاعیان 1/232)

[516] تاریخ خلیفہ، 1/181

[517] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص104

www.besturdubooks.net

شديدًا، فقتل، وقيل: إن طلحة والزبير لما قدما البصرة، استقر الحال بينهم وبين عثمان بْن حنيف، أن يكفوا عن القتال إِلَى أن يأتي علي، ثم إن عَبْد اللَّهِ بْن الزبير بيت عثمان رضي اللَّه عنه، فأخرجه من القصر، فسمع حكيم، فخرج في سبعمائة من ربيعة فقاتلهم حتى أخرجهم من القصر، ولم يزل يقاتلهم حتى قطعت رجله، فأخذها وضرب بها الذي قطعها فقتله، ولم يزل يقاتل ورجله مقطوعة، وهو يقول: يا ساق لن تراعي إن معي ذراعي أحمى بها كراعي حتى نزفه الدم، فاتكأ عَلَى الرجل الذي قطع رجله، وهو قتيل، فقال له قائل: من فعل بك هذا؟ قال: وسادتي.فما رئي أشجع منه، ثم قتله سحيم الحداني.قال أَبُو عبيدة معمر بْن المثنى: ليس يعرف في جاهلية ولا إسلام رجل فعل مثل فعله قال أَبُو عمر: ولقد فعل معاذ بْن عمرو بْن الجموح يَوْم بدر، لما قطعت يده من الساعد قريبًا من هذا[518]

آپ کو جنگ جمل میں اس دن قتل کیا گیا جس دن حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ قتل ہوئے، یعنی جمعہ کے دن 10 ذی الحج 36ھ کو آپ دونوں شہید ہوئے۔ خلیفہ بن خیاط لکھتے ہیں؛

معركة الجْمل

وفيهَا كَانَت وقْعَة الجْمل بِالْبَصْرَةِ بالزاوية نَاحيَة طف الْبَصْرَة يَوْم الجْمُعَة لعشر خلون من جُمَادَى الآخِرَة سنة سِتّ وَثَلَاثِينَ حَدَّثَنَا من سمع جوَيْرِيَة بنْت أَسمَاء عَن يحيى بْن سعيد عَن عَمه أَن مَرْوَان رمى طَلْحَة بِسَهْم فَقتله وَانْحَدَرَ الزبير منصرفا فَقتل بوادي السبَاع قَتله عُمَيْر بْن جرموز الْمُجَاشِعِي وَفِي الجْمل الأولى قبل قدوم عَلِيّ قتل مجاشع بْن مَسْعُود السّلمِيّ وَحَكِيم بن جبلة الْعَبْدي -[519]

خلاصہ کلام یہ کہ آپ کے پیر کو جس نے تلوار سے کاٹا تھا، آپ نے اپنا وہی کٹا ہوا پیر اٹھا کر اسی سے اس مارنے والے شخص کو مار دیا، جس نے آپ کا پیر کاٹ دیا تھا۔ پھر اسی شخص پر تکیہ لگا کر بیٹھا رہا اور رجزیہ اشعار پڑھتا رہا۔ زیادہ خون بہنے کی وجہ سے نڈھال ہو گئے اور اسی مقتول شخص پر دراز ہو گئے۔

---

[518] اسد الغابہ؛ الترجمہ 1233

[519] تاریخ خلیفہ، 181/1

www.besturdubooks.net

اس دوران کسی نے پوچھا کہ یہ آپ کا پیر کس نے کاٹا لیا ہے؟ آپ نے جوب دیا کہ میرے تکیہ نے۔ پھر اسی حالت میں قبیلہ بنو حدان کے تمیم حدانی نے آپ کو قتل کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس طرح کا واقعہ نہ تو اسلام کی تاریخ میں کہیں ملتا ہے اور نہ ہی زمانہ جاہلیت میں سوائے غزوہ بدر میں حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے واقعے کے۔ کہ انہوں نے اپنا ہاتھ جو کہ لٹک کر جہاد کرنے میں حائل ہو رہا تھا، اس پر پاؤں رکھ کر خود سے جدا کر دیا تھا اور ایک حضرت حکیم نے اپنا پاؤں ہاتھوں میں لے کر دوسرے کے سر پہ دے مارا۔

وفیات الاعیان میں اس کے برعکس واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن حکیم بن جبلہ نے اپنی بیوی سے کہا جو قوم سے ازدی تھی، کہ میں آج تیری قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کروں گا جو لاگوں میں یاد رہے گا۔ جواب میں بیوی نے کہا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری قوم کے لوگ تیرے ساتھ وہ عمل کریں گے کہ تم خود لوگوں میں یادگار بنو گے۔ چنانچہ آپ کا سامنا سحیم نامی شخص سے ہوا جس نے ایسا وار کیا کہ آپ کا سر تن سے جدا ہو گیا، ابھی گردن کے پوست کے ساتھ لٹکا ہوا تھا کہ اس نے آپ کا سر پیچھے کی طرف گھما دیا یعنی آپ کا منہ پیچھے کی طرف ہو گیا[520]۔ الاستیعاب میں بھی اس طرح کا واقعہ لکھا گیا ہے تاہم اس میں آپ کا بیوی کے ساتھ مکالمہ موجود نہیں ہے۔ ابن عبد البر کا خیال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کا یہ واقعہ جنگ جمل میں نہیں بلکہ اس سے قبل پیش آیا تھا[521]۔

حالانکہ ابن عبد البر کے علاوہ تمام مؤرخین اور اصحاب الرجال نے اس کو "جنگ جمل" کے واقعات میں لکھا ہے۔ جو بھی ہو آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ ایک اندوہناک اور دردناک حادثہ تھا جسے تقریباً تمام تر مؤرخین نے بھی کافی وقعت دی ہے۔

---

[520] وفیات الاعیان، 1/230

[521] الاستیعاب، 1/366

www.besturdubooks.net

حضرت عبید اللہ بن معمر التیمیؓ

آپ رضی اللہ عنہ قریش کے قبیلہ تیم کے نامور فرد تھے، آپ کا شجرہ نسب امام ابن قانع نے یوں لکھا ہے؛

عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مَعْمَرِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ كَعْبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ القرشي التيمي [522]

آپ رضی اللہ عنہ مدینہ کے باسی تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ ابو نعیم نے لکھا ہے، تاہم آپ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے؛

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَ: ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي عَاصِمٍ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَجَّاجِ، ثنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مَعْمَرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ « مَا أُعْطِيَ أَهْلُ بَيْتٍ الرِّفْقَ إِلَّا نَفَعَهُمْ، وَلَا مُنِعُوهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ » رَوَاهُ هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ ، سُلَيْمَانَ بْنِ حَرْبٍ عَنْ ، حَمَّادٍ مِثْلَهُ [523]

آپ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ گرچہ اس وقت کم عمر تھے جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو صحابیت کا شرف بہر حال حاصل ہے۔ بلکہ آپؓ تو رسول اللہ ﷺ سے روایت بھی کرتے ہیں۔ عروہ بن زبیرؒ اور امام محمد بن سیرینؒ جیسے جلیل القدر تابعین اور اعلیٰ درجے کے محدثین، آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ [524]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے عصر النبی ﷺ پایا تھا اور؛

ويدل على إدراكه عصر النبيّ صلى اللَّه عليه وسلّم، وهو مميّز، ما أخرجه الزبير بن بكار عن عثمان بن عبد الرحمن أنّ عبيد اللَّه بن معمر، وعبد اللَّه بن عامر بن كريز، اشتريا من عمر بن الخطاب رقيقا من سبي، ففضل عليهما من ثمنهم ثمانون ألف درهم، فأمر بهما عمر فلزما بهما، فقضى بينهما طلحة بن عبيد اللَّه.

---

[522] معجم الصحابہ: 2/178، الاستیعاب: 3/1013

[523] معرفۃ الصحابہ، 4/1876

[524] معجم الصحابہ: 2/178

www.besturdubooks.net

وتناقض فيه أبو عمر فقال: وهم من قال له صحبة، وإنما له رؤية، ثم ذكر أيضا أنه قتل وهو ابن أربعين سنة.[525]

آپ رضی اللہ عنہ بڑے شجاع اور دور اندیش انسان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اصطخر، خراسان اور فارس کی جنگوں میں شرکت کی اور داد شجاعت دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپؓ کو فوج کا ایک دستہ دے کر مکران بھیجا گیا، جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر فتوحات حاصل کیے[526]۔ زاں بعد آپ رضی اللہ عنہ کو ان مفتوحہ علاقوں کی امارت سونپی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ بصرہ کے بھی والی رہ چکے تھے[527]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اصطخر کی مہم کے لیے اپنے بھائی کا انتخاب کیا تھا اور انہوں نے وہاں کافی جنگ بھی لڑی تھی لیکن جونہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت حکم رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت عبید اللہ بن معمر رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سپرد کی۔ امام ابن اثیر لکھتے ہیں؛

وَمَاتَ عُمَرُ. وَبَعَثَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ مَعْمَرٍ مَكَانَهُ، فَبَلَغَ عُبَيْدَ اللَّهِ أَنَّ أَرْزَنْبَانَ يُرِيدُ الْغَدْرَ بِهِ، فَقَالَ لَهُ: أُحِبُّ أَنْ تَتَّخِذَ لِأَصْحَابِي طَعَامًا وَتَذْبَحَ لَهُمْ بَقَرَةً وَتَجْعَلَ عِظَامَهَا فِي الْجَفْنَةِ الَّتِي تَلِينِي فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَتَمَشَّشَ الْعِظَامَ، فَفَعَلَ وَجَعَلَ يَأْخُذُ الْعَظْمَ الَّذِي لَا يُكْسَرُ إِلَّا بِالْفُؤُوسِ فَيَكْسِرُهُ بِيَدِهِ وَيَأْخُذُ مُخَّهُ، وَكَانَ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ، فَقَامَ أَرْزَنْبَانُ فَأَخَذَ بِرِجْلِهِ وَقَالَ: هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ! فَأَعْطَاهُ عَهْدًا. وَأَصَابَ عُبَيْدَ اللَّهِ مَنْجَنِيقٌ فَأَوْصَاهُمْ وَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ هَذِهِ الْمَدِينَةَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَاقْتُلُوهُمْ بِي سَاعَةً فِيهَا، فَفَعَلُوا، فَقَتَلُوا مِنْهُمْ بَشَرًا كَثِيرًا، وَمَاتَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مَعْمَرٍ. وَقِيلَ: إِنَّ قَتْلَهُ كَانَ سَنَةَ تِسْعٍ وَعِشْرِينَ.[528]

---

[525] الاصابہ، 5333

[526] تاریخ طبری، 4/264

[527] الاخبار الطوال؛ 1/310، التاریخ الکبیر للبخاری؛ ت1286

[528] الکامل فی التاریخ، 2/ 421

www.besturdubooks.net

آپ رضی اللہ عنہ نے ایک روایت کے مطابق اصطخر کے مقام پر 27ھ میں شہادت پائی[529]، اور دوسری روایت کے مطابق مکران میں جام شہادت نوش کیا[530]۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کل عمر چونکہ 40 برس تھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے 13 سال رسول اللہ ﷺ کی معیت میں گزار کر صحابیت کا درجہ پا لیا تھا۔ آپ بہت بڑے شاعر تھے۔ ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا؛

إذا أنت لم ترخ الإزار تكرّما   على الكلمة العوراء من كلّ جانب

فمن ذا الّذي نرجو لحقن دمائنا   ومن الّذي نرجو لحمل النّوائب[531]

آپ ؓ نے مکران فتح کیا تھا اور پھر یہیں پر 27ھ میں ایک معرکہ کے دوران شہادت سے سرفراز ہوئے۔[532]

حضرت عمیر بن سعد انصاریؓ

آپ رضی اللہ عنہ کا نام عمیر بن سعد اوسی انصاری ہیں۔ البتہ امام طبری نے آپ رضی اللہ عنہ کا نام غلطی سے عمیر بن عثمان بن سعد لکھا ہے[533]۔ جو ان کے علاوہ کسی نے بھی نہیں لکھا ہے گویا طبری اس میں متفرد ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ غلطی سے لکھا گیا ہے کیونکہ پھر خود ہی تیسرے اور چوتھے جلد میں عمیر بن سعد انصاری تحریر فرماتے ہیں۔ کسی دوسرے صحابی کا ہونا امکان تو ضرور رکھتا ہے لیکن اس پر کسی بھی صحابی کا تذکرہ کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ ہاں البتہ اس نام سے موسوم تین محدثین ضرور گزرے ہیں۔ ایک عمیر بن عثمان اصبہانی[534]، دوم عمیر بن عثمان مروزی[535] اور تیسرے عمیر بن عثمان بن ابان[536]۔ تاہم آپؓ کے

---

[529] التاریخ الاوسط للبخاری، 1/69

[530] العقد الثمین، ص75

[531] وأورد له المرزباني في معجم الشعراء 264/1

[532] آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عمر بن عبید اللہ بن معمر تیمیؒ نے شہر ارمابیل کے قریب خاشک (خواش) کے مقام پر ایک مسجد تعمیر کی تھی جو مدتوں تک یہاں قائم رہی۔ (بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور ان کی حکومتیں، ص102)

[533] تاریخ طبری؛4/265

[534] تاریخ اصبہان لابی نعیم اصبہانی، 1/422

[535] تاریخ بغداد لخطیب بغدادی، 4/130

www.besturdubooks.net

شجرہ نسب میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابن اثیرؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں اس کی پوری تفصیل یوں لکھی ہے؛

عمير بْن سعد بْن عُبَيْد بْن النعمان بْن قيس بْن عَمْرو بْن عوف قاله أَبُو نعيم، عَنِ الواقدي.وقَالَ أَبُو نعيم: وقيل: عمير بْن سعد بْن شهيد بْن عَمْرو بْن زَيْد بْن أمية بْن زَيْد الْأَنْصَارِيّ، وهكذا نسبه ابْن منده، ولم يذكر النسب الأول وهو الَّذِي يُقال لَهُ: نسيج وحده، نزل فلسطين.وقَالَ ابْن الكلبي: سعد بْن عُبَيْد بْن قيس، شهد بدرًا، ثُمَّ قَالَ بعده: وعمير بْن سعد بْن شهيد بْن عَمْرو بْن زَيْد بْن أمية بْن زَيْد بْن مَالِك بْن عوف بْن عَمْرو بْن عوف بْن زَيْد بْن مَالِك بْن الأوس الْأَنْصَارِيّ الأوسي، بعثه عُمَر بْن الخطاب عَلَى جيش إِلَى الشام، فجعل ابْن الكلبي سعد بْن عُبَيْد بْن قيس بْن عَمْرو بْن زَيْد غير سعد والد عمير بْن سعد بْن شهيد بْن عَمْرو بْن زَيْد بْن أمية، جعلهما يجتمعان فِي عَمْرو بْن زَيْد.وكان عمير من فضلاء الصحابة، وزهادهم.وقَالَ ابْن منده: عمير بْن سَعِيد بْن شهيد بْن عَمْرو بْن زَيْد بْن أمية الْأَنْصَارِيّ، يُقَالُ له: نسيج وحده، نزل فلسطين، ومات بها [537]

آپؓ کے والد حضرت سعد بدری صحابی ہیں، جو قرآن کے مایہ ناز قاری تھے اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں قرآن جمع اور حفظ کرنے کی سعادت بھی حاصل کی تھی [538]۔ حضرت سعد انصاریؓ 15ھ میں بعمر 64 سال جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے [539]۔ قاضی محمد سلیمانؒ نے آپؓ کا شجرہ نسب یوں لکھا ہے؛

عمیر بن سعد بن نعمان بن قیس بن عمرو بن زید بن امیہ بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرہ بن عوف [540]۔

---

[536] مصباح الاریب فی تقریب للعنسی، 4/125

[537] اسد الغابہ، ت 4076

[538] معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 4/2086

[539] قاضی محمد سلیمان سلمان پوری، اصحاب بدر، مشتاق بک کارنر لاہور، س ط ن، ص 134

[540] ایضاً

www.besturdubooks.net

آپ ؓ راوی حدیث بھی ہیں۔ امام بخاری نے آپ ؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، جو یہاں درج کی جاتی ہے؛

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الأَنْصَارِيّ الْمَدَنِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُمَيْرَ بْنَ سَعْدٍ الأَنْصَارِيّ فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلاً، قَالَ فِيهِ: قَالَ: عُمَيْرُ بْنُ سَعْدٍ سَمِعْتُ رسولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَنَا خَصْمُ الْيَتِيمِ وَالْمُعَاهَدِ وَمَنْ أَكُنْ خَصْمَهُ أَخْصِمُهُ [541]

آپ رضی اللہ عنہ کی گوناگوں صفات کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے؛

وَدِدْتُ أَنَّ لِي رَجُلًا مِثْلَ عُمَيْرٍ أَسْتَعِينُ بِهِ فِي أَعْمَالِ الْمُسْلِمِينَ [542]

یعنی کاش مجھے عمیر جیسا دوسرا آدمی مل جاتا جس سے میں امارت کا کام لے سکتا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا شمار عباد و زہاد صحابہ میں سے ہوتا ہے[543]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار آپ رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر شام کی طرف بھیجا تھا[544]۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کو شام کا والی مقرر کر دیا تھا[545]۔ بعد ازاں خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو حمص کی امارت بھی سونپی تھی[546]۔ حمص میں آپ رضی اللہ عنہ کی خطابت سننے کے لیے لوگ جوق در جوق آکر بے تاب رہتے تھے اور دوران خطابت ہمہ تن گوش ہو کر ایک ایک لفظ کو قلب و دماغ میں محفوظ کر لیتے تھے۔ آپ ؓ جہاد بالسیف اور جہاد باللسان دونوں کے شاہسوار تھے اور ہمیشہ دونوں شعبوں میں مصروف عمل رہتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ان ہی ممتاز خاصیات کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش! مجھے عمیر جیسا کوئی دوسرا مل جائے جو مسلمانوں کے مختلف انتظامی معاملات میں میرا ہاتھ بٹا سکے ! اصل میں

---

541 التاریخ الکبیر للبخاری، 1/384

542 طبقات ابن سعد، 4/374

543 معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 4/2086

544 تاریخ طبری، 3/ 408

545 اصحاب بدر، ص134

546 معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 4/2086

www.besturdubooks.net

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کے پیچھے ایک اہم اور طویل واقعہ ہے جسے امام اسماعیل بن محمد اصبہانی(م535ھ) نے اپنی کتاب " سیر سلف الصالحین" میں ذکر کیا ہے جس سے آپ رضی اللہ عنہ کی زہد و قناعت عیاں ہو جاتی ہے؛

قِيلَ: وَلِيَ لِعُمَرَ عَلَى حِمْصَ سَنَةً، ثُمَّ أَشْخَصَهُ فَقَدِمَ عَلَيْهِ الْمَدِينَةَ، فَجَدَّدَ عَهْدَهُ فَامْتَنَعَ عَلَيْهِ وَأَبَى أَنْ يَلِيَ لَهُ أَوْ لِأَحَدٍ بَعْدَهُ.وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: وَدِدْتُ أَنْ لِي رَجُلًا مِثْلَ عُمَيْرٍ أَسْتَعِينُ بِهِ فِي أَعْمَالِ الْمُسْلِمِينَ.

رُوِيَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ هَارُونَ بْنِ عَنْتَرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ عُمَيْرَ بْنَ سَعْدٍ الْأَنْصَارِيَّ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَعَثَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَامِلًا عَلَى حِمْصَ، فَمَكَثَ حَوْلًا لَا يَأْتِيهِ خَبَرُهُ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِكَاتِبِهِ: اكْتُبْ إِلَى عُمَيْرٍ، فَوَاللَّهِ مَا أَرَاهُ إِلَّا خَانَنَا: إِذَا جَاءَكَ كِتَابِي هَذَا فَأَقْبِلْ، وَأَقْبِلْ بِمَا جَبَيْتَ مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حِينَ تَنْظُرُ فِي كِتَابِي هَذَا، قَالَ: فَأَخَذَ عُمَيْرٌ جِرَابَهُ فَجَعَلَ فِيهِ رِدَاءَهُ وَقَصْعَةً، وَأَخَذَ عَنَزَتَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ يَمْشِي مِنْ حِمْصَ حَتَّى دَخَلَ الْمَدِينَةَ، فَقَدِمَ وَقَدْ شَحُبَ لَوْنُهُ، وَاغْبَرَّ وَجْهُهُ، وَطَالَتْ شَعْرَتُهُ، فَدَخَلَ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَا شَأْنُكَ؟ فَقَالَ عُمَيْرٌ: مَا تَرَى مِنْ شَأْنِي، أَلَسْتَ تَرَانِي صَحِيحَ الْبَدَنِ، ظَاهِرَ الدَّمِ، مَعِي الدُّنْيَا أَجُرُّهَا بِقَرْنِهَا؟ قَالَ: وَمَا مَعَكَ؟ فَظَنَّ عُمَرُ أَنَّهُ قَدْ جَاءَ بِمَالٍ، فَقَالَ: مَعِي جِرَابِي أَجْعَلُ فِيهِ زَادِي، وَقَصْعَتِي آكُلُ فِيهَا وَأَغْسِلُ فِيهَا رَأْسِي وَثِيَابِي، وَإِدَاوَتِي أَحْمِلُ فِيهَا وَضُوئِي وَشَرَابِي، وَعَنَزَتِي أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأُجَاهِدُ بِهَا عَدُوًّا إِنْ عَرَضَ لِي، فَوَاللَّهِ مَا الدُّنْيَا إِلَّا تَبَعٌ لِمَتَاعِي.قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: فَجِئْتَ تَمْشِي؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَمَا كَانَ لَكَ أَحَدٌ يَتَبَرَّعُ لَكَ بِدَابَّةٍ تَرْكَبُهَا؟ قَالَ: مَا فَعَلُوا وَمَا سَأَلْتُهُمْ ذَلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: بِئْسَ الْمُسْلِمُونَ خَرَجْتَ مِنْ عِنْدِهِمْ، فَقَالَ لَهُ عُمَيْرٌ: اتَّقِ اللَّهَ يَا عُمَرُ، قَدْ نَهَاكَ اللَّهُ عَنِ الْغِيبَةِ، وَقَدْ رَأَيْتُهُمْ يُصَلُّونَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ، قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَلَئِنْ بَعَثْتُكَ، وَأَيُّ شَيْءٍ صَنَعْتَ؟ قَالَ: وَمَا سُؤَالُكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ فَقَالَ عُمَرُ: سُبْحَانَ اللَّهِ، فَقَالَ عُمَيْرٌ: لَوْلَا أَنِّي أَخْشَى أَنْ أَغُمَّكَ مَا أَخْبَرْتُكَ، بَعَثْتَنِي حَتَّى أَتَيْتُ الْبَلَدَ، فَجَمَعْتُ صُلَحَاءَ أَهْلِهَا فَوَلَّيْتُهُمْ

www.besturdubooks.net

جِبَايَةَ فَيْئِهِمْ حَتَّى إِذَا جَمَعُوهُ وَضَعْتُهُ مَوَاضِعَهُ، وَلَوْ نَالَكَ مِنْهُ شَيْءٌ لَآتَيْتُكَ بِهِ، قَالَ: فَمَا جِئْتَنَا بِشَيْءٍ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: جَدِّدُوا لِعُمَيْرٍ عَهْدًا، فَقَالَ: إِنَّ ذَلِكَ لَشَيْءٌ مَا عَمِلْتُ لَكَ، وَلَا لِأَحَدٍ بَعْدَكَ، وَاللَّهِ مَا سَلِمْتُ بَلْ لَمْ أَسْلَمْ، لَقَدْ قُلْتُ لِنَصْرَانِيٍّ: أَخْزَاكَ اللَّهُ! ! فَهَذَا مَا عَرَّضْتَنِي لَهُ يَا عُمَرُ، وَإِنَّ أَشْقَى أَيَّامِي يَوْمَ خُلِّفْتُ مَعَكَ يَا عُمَرُ، وَاسْتَأْذَنَهُ فَأَذِنَ لَهُ، فَرَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَدِينَةِ أَمْيَالٌ، فَقَالَ عُمَرُ حِينَ انْصَرَفَ عُمَيْرٌ: مَا أَرَاهُ إِلَّا قَدْ خَانَنَا، فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَجُلًا يُقَالُ لَهُ: الْحَارِثُ، وَأَعْطَاهُ مِائَةَ دِينَارٍ، وَقَالَ لَهُ: انْطَلِقْ إِلَى عُمَيْرٍ حَتَّى تَنْزِلَ بِهِ كَأَنَّكَ ضَيْفٌ فَإِنْ رَأَيْتَ أَثَرَ شَيْءٍ فَأَقْبِلْ، وَإِنْ رَأَيْتَ حَالًا شَدِيدًا فَادْفَعْ هَذِهِ الْمِائَةَ الدِّينَارِ إِلَيْهِ، فَانْطَلَقَ الْحَارِثُ، فَإِذَا هُوَ بِعُمَيْرٍ جَالِسٌ يُفَلِّي قَمِيصَهُ إِلَى جَنْبِ الْحَائِطِ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ الرَّجُلُ،فَقَالَ لَهُ عُمَيْرٌ: انْزِلْ رَحِمَكَ اللَّهُ فَنَزَلَ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ جِئْتَ؟ قَالَ: مِنَ الْمَدِينَةِ، فَقَالَ: كَيْفَ تَرَكْتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ: صَالِحًا، قَالَ: كَيْفَ تَرَكْتَ الْمُسْلِمِينَ؟ قَالَ: صَالِحِينَ، قَالَ: أَلَيْسَ يُقِيمُ الْحَدَّ؟ قَالَ: بَلَى، ضَرَبَ ابْنًا لَهُ أَتَى فَاحِشَةً فَمَاتَ مِنْ ضَرْبِهِ، فَقَالَ عُمَيْرٌ: اللَّهُمَّ أَعِنْهُ، فَإِنِّي لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا شَدِيدًا حُبُّهُ لَكَ، قَالَ: فَنَزَلَ بِهِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلَيْسَ لَهُمْ إِلَّا قُرَاصَةٌ مِنْ شَعِيرٍ كَانُوا يَخُصُّونَهُ بِهَا وَيَطْوُونَ حَتَّى أَتَاهُمُ الْجَهْدُ، فَقَالَ لَهُ عُمَيْرٌ: إِنَّكَ قَدْ أَجَعْتَنَا، فَإِنْ رَأَيْتَ أَنْ تَتَحَوَّلَ عَنَّا فَافْعَلْ، قَالَ: فَأَخْرَجَ الدَّنَانِيرَ فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ، وَقَالَ: بَعَثَ بِهَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ إِلَيْكَ، فَاسْتَعِنْ بِهَا، فَصَاحَ وَقَالَ: لَا حَاجَةَ لِي فِيهَا رُدَّهَا، فَقَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: إِنِ احْتَجْتَ إِلَيْهَا وَإِلَّا فَضَعْهَا مَوَاضِعَهَا، فَقَالَ لَهَا عُمَيْرٌ: وَاللَّهِ، مَالِي شَيْءٌ أَجْعَلُهَا فِيهِ، فَشَقَّتِ امْرَأَتُهُ أَسْفَلَ دِرْعِهَا فَأَعْطَتْهُ خِرْقَةً فَجَعَلَهَا فِيهَا، ثُمَّ خَرَجَ فَقَسَّمَهَا بَيْنَ أَبْنَاءِ الشُّهَدَاءِ، وَالْفُقَرَاءِ، ثُمَّ رَجَعَ وَالرَّسُولُ يَظُنُّ أَنَّهُ يُعْطِيهِ مِنْهَا شَيْئًا، فَقَالَ لَهُ عُمَيْرٌ: أَقْرِئْ مِنِّي أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ السَّلَامَ، فَرَجَعَ الْحَارِثُ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: مَا رَأَيْتَ؟ قَالَ: رَأَيْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ حَالًا شَدِيدًا، قَالَ: فَمَا صَنَعَ بِالدَّنَانِيرِ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ: إِذَا جَاءَكَ كِتَابِي هَذَا فَلَا تَضَعْهُ مِنْ يَدِكَ حَتَّى تُقْبِلَ، قَالَ: فَأَقْبَلَ إِلَى عُمَرَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: مَا صَنَعْتَ بِالدَّنَانِيرِ؟ قَالَ: صَنَعْتُ مَا صَنَعْتُ وَمَا سُؤَالُكَ عَنْهَا؟

قَالَ: أُشْهِدُ عَلَيْكَ لِتُخْبِرَنِي مَا صَنَعْتَ بِهَا.

www.besturdubooks.net

قَالَ: قَدَّمْتُهَا لِنَفْسِي، قَالَ: رَحِمَكَ اللَّهُ، وَأَمَرَ لَهُ بِوَسَقٍ مِنْ طَعَامٍ وَثَوْبَيْنِ، فَقَالَ: أَمَّا الطَّعَامُ فَلَا حَاجَةَ لِي فِيهِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِي الْمَنْزِلِ صَاعَيْنِ مِنْ شَعِيرٍ إِلَى أَنْ آكُلَ ذَلِكَ، وَقَدْ جَاءَ اللَّهُ بِالرِّزْقِ، وَلَمْ يَأْخُذِ الطَّعَامَ، وَأَمَّا الثَّوْبَانِ، فَقَالَ: إِنَّ أُمَّ فُلَانٍ عَارِيَةٌ فَأَخَذَهُمَا وَرَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ هَلَكَ، رَحِمَهُ اللَّهُ، فَبَلَغَ ذَلِكَ عُمَرَ فَشَقَّ عَلَيْهِ وَتَرَحَّمَ عَلَيْهِ، فَخَرَجَ يَمْشِي، وَمَعَهُ الْمَشَّاءُونَ إِلَى بَقِيعِ الْغَرْقَدِ، فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: لِيَتَمَنَّ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ أُمْنِيَةً.

فَقَالَ رَجُلٌ: وَدِدْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ عِنْدِي مَالًا، فَأَعْتِقُ لِوَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى كَذَا وَكَذَا، وَقَالَ آخَرُ: وَدِدْتُ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَالًا فَأُنْفِقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَقَالَ آخَرُ: وَدِدْتُ لَوْ أَنَّ لِي قُوَّةً فَأَمْتَحُ بِدَلْوِ زَمْزَمَ لِحُجَّاجِ بَيْتِ اللَّهِ، وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَدِدْتُ أَنَّ لِي رَجُلًا مِثْلَ عُمَيْرِ بْنِ سَعْدٍ أَسْتَعِينُ بِهِ فِي أَعْمَالِ الْمُسْلِمِينَ [547]

آپؓ نے 20ھ میں ایک خون آشام لڑائی لڑنے کے بعد مسلمانوں کو عین الوردہ پر قبضہ دلایا تھا[548]۔ 21ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بلادروم کی طرف جہاد کی غرض سے روانہ کیا[549]۔

اور 23ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کو خراسان کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے چار سال بعد یعنی 28ھ یا 29ھ میں آپؓ کی قابلیت کو دیکھ کر امارت مکران پر فائز کر کے آپ رضی اللہ عنہ کو بسوئے مکران روانہ کیا[550]۔

آپ رضی اللہ عنہ نے جنگ اجنادین میں بھی کمال بہادری دکھائی تھی[551]۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک طویل عرصہ تک شام اور اردن کے امیر رہے۔ شام میں طویل عرصہ رہنے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ شامی کہلانے لگے[552]۔ شام کے معرکوں میں آپ رضی اللہ عنہ نے حصہ لیا[553]۔

---

547 سیر سلف الصالحین لاسماعیل بن محمد اصبہانی، 1/602-604

548 فتوح البلدان، 1/174

549 ایضاً، 1/138

550 تاریخ طبری، 4/ 289، تاریخ اوسط للبخاری، 1/ 384

551 تاریخ طبری، 3/415

www.besturdubooks.net

آپ رضی اللہ عنہ ہی کی کوششوں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں شام اور جزیرہ کے عوام آپ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ ہی کا کارنامہ تھا کہ ان کو جمع کرکے کسی قسم کی اندرونی خلفشار سے بچائے رکھا[554]۔ آخر عمر میں آپؓ انبیاء کی سرزمین فلسطین میں جاکر آباد ہوئے اور وہیں پر وفات پائی۔[555]
تاہم ڈاکٹر داؤد شاہ بلوچ نے ابن اثیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کو خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر بنا کر شام بھیجا تھا جہاں آپ نے وفات پائی۔[556]

حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ

عربی ادبیات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات، عرب کے مشہور شاعر امرؤالقیس کے نام سے بخوبی واقف ہیں۔ جس کا عربی ادب کی مایہ ناز کتاب سبع معلقات میں سے ایک معلقہ ہے اور اس کی ادبی وشاعری فوقیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان ساتھ معلقوں میں امرؤالقیس کا معلقہ سب سے پہلے ہے۔ لہٰذا حضرت مجاشع بن مسعد سلمیؓ عرب کے مشہور شاعر امرؤالقیس کی نسل میں سے ہیں۔ آپؓ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ وُهَيْبِ بْنِ عَائِذِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ يَرْبُوعِ بْنِ سَمَّالِ بْنِ عَوْفِ بْنِ امْرِئِ الْقَيْسِ بْنِ بَهْثَةَ بْنِ سُلَيْمٍ [557]

آپ رضی اللہ عنہ ایک بار اپنے بھائی مجالد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم دونوں بھائی ہجرت پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

---

552 الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم 376/6

553 تاریخ دمشق لابن عساکر، 85/2

554 فتوح البلدان، 184/1

555 اسد الغابہ، ت 4076

556 ڈاکٹر داؤد شاہ بلوچ، بارہویں صدی ہجری کے آخر تک بلوچستان میں مشہور ماہرین وخادمین حدیث کا اجمالی تذکرہ، مجلہ " الولی"، جنوری وفروری 2000ء، ص 31

557 طبقات ابن سعد، 30/7

www.besturdubooks.net

ہجرت تو فتح مکہ کے ساتھ ہی ختم ہو گئی ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! پھر ہم کس چیز میں آپ ﷺ سے بیعت ہو جائیں ؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام اور جہاد پر۔ اس پر دونوں بھائیوں نے پھر بیعت کیا۔ راوی ابو عثمان النہدی فرماتے ہیں کہ میں نے جب مجالد بن مسعود[558] سے پوچھا تو اس نے کہا کہ مجاشع نے درست کہا ہے[559]۔

یہ روایت امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں مجالد کے بجائے ابو معبد کے نام کے ساتھ درج کی ہے تاہم آخر میں دوسری روایت کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک روایت میں ان کے بھائی ہیں۔ روایت یہ ہے ؛

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، حَدَّثَنَا الفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ مُجَاشِعِ بْنِ مَسْعُودٍ، انْطَلَقْتُ بِأَبِي مَعْبَدٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَايِعَهُ عَلَى الهِجْرَةِ قَالَ: «مَضَتِ الهِجْرَةُ لِأَهْلِهَا، أُبَايِعُهُ عَلَى الإِسْلاَمِ وَالجِهَادِ» فَلَقِيتُ أَبَا مَعْبَدٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: «صَدَقَ مُجَاشِعٌ» وَقَالَ خَالِدٌ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ مُجَاشِعٍ، أَنَّهُ جَاءَ بِأَخِيهِ مُجَالِدٍ [560]

یہی روایت امام مسلم نے صحیح مسلم میں حدیث نمبر 1863 کے تحت لکھی ہے تاہم اس میں اسلام اور جہاد کے ساتھ تیسر الفظ خیر کا بھی ہے اور امام طحاویؒ نے یہ روایت یوں ذکر کی ہے ؛

" لَا بَلْ يُبَايِعُ عَلَى الْإِسْلَامِ فَإِنَّهُ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ , وَيَكُونُ مِنَ التَّابِعِينَ بِإِحْسَانٍ " [561]

امام ابو داؤدؒ نے ایک اور روایت ذکر کی ہے ؛

---

[558] آپ کے یہی بھائی حضرت مجالد بن مسعود رضی اللہ عنہ 36 ھ میں لڑی جانے والی جنگ جمل میں شہید ہو گئے تھے۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ؛ ت 1947)

[559] ایضاً، 30/7

[560] امام بخاری، الصحیح البخاری، 5/152، حدیث نمبر 4307 وأخرجه ابن سعد 7/30، وابن أبي شيبة 14/500، وابن أبي عاصم في "الآحاد والمثاني" (1406) ، والبخاري (2962، 2963) ، ومسلم (1863) (84) من طريق محمد بن فضيل، وأخرجه البخاري (4307، 4308) من طريق الفضيل بن سليمان، ومسلم (1863) (84) ، والبيهقي في "السنن" 9/16 من طريق علي بن مسهر، والطبراني في "الكبير" 20/ (767) من طريق عمرو بن أبي قيس، أربعتهم عن عاصم الأحول، بهذا الإسناد. غير أن علي ، والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" (2618) و(2619) ، والطبراني في "الكبير" 20/ (768) من طرق عن شيبان، بهذا الإسناد وسيكرر برقم (15849) .

[561] شرح مشکل الآثار، 7/32

www.besturdubooks.net

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ: مُجَاشِعٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ فَعَزَّتِ الْغَنَمُ، فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: «إِنَّ الْجَذَعَ يُوَفِّي مِمَّا يُوَفِّي مِنْهُ الثَّنِيُّ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَهُوَ مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودٍ[562]

امام بیہقیؒ نے لکھاہے کہ آپؓ کی ایک بیوی تھی جس کا نام خضیراء تھا، آپؓ اس سے بے حد محبت کرتے تھے اور آپ ان دنوں بصرہ کے امیر تھے، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایک تہدید آمیز خط لکھ کر بھیج دیا۔ امام بیہقیؒ نے ایک اور روایت بھی آپ سے نقل کی ہے؛

أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدَانَ، أنبأ أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ، ثنا الْبَاغَنْدِيُّ، ثنا قَبِيصَةُ، ثنا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا فِي غَزَاةٍ مَعَنَا أَوْ عَلَيْنَا مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودٍ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , فَعَزَّتِ الْغَنَمُ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ" يُوفِي الْجَذَعُ مِمَّا يُوفِي مِنْهُ الثَّنِيُّ "[563]

علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ حضرت مجاشع بن مسعودؓ جب یہاں سندھ کے ایک شہر میں داخل ہوئے اور وہاں جاکر فتح حاصل کی تو شہر کے اندر جاکر ایک مندر میں پڑے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور اس کی آنکھ میں پڑے جواہرات نکال کر لوگوں سے کہا کہ یہ صرف تمہیں دکھانے کے لیے کیا کہ یہ بت کچھ نہیں کرسکتے۔

فدخل بيت الأصنام، فأخذ جوهرة من عين الصنم، وقال: لم آخذها إلا ليعلموا أنه لا يضر ولا ينفع[564]

گرچہ بلاذری نے اس واقعے کو حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیاہے[565]، تاہم امام ابن اثیر اور امام ابن حجر عسقلانی اور دیگر مؤرخین نے اس واقعہ کو حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کے

---

[562] سنن ابوداؤد، حدیث2799

[563] السنن الکبریٰ، 9/453

[564] حاشیہ مسند احمد، ازعلامہ سندھیؒ، 25/176

[565] فتوح البلدان، ص568

www.besturdubooks.net

واقعات میں لکھا ہے اور یہی صحیح لگتا ہے، ہاں البتہ ان کے ساتھ بھی ایسے کسی واقعے کا پیش آنا مذکور واقعہ سے متعارض بالکل نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بت آج کے بلوچستان کے کچھی کے مقام ڈھاڈر کے ایک مندر سے لیا تھا۔ اس کو عرب مؤرخین نے داور لکھا ہے کیونکہ عربی میں لفظ ڈال نہیں، داور سے دھاور اور پھر ڈھاڈر بننا قرین قیاس ہے[566]۔ اس بت کا نام "زوراک" تھا[567]۔ ڈھاڈر، بلوچستان کے ضلع کچھی کا ایک تاریخی مقام ہے، اس زمانے میں یہ ایک وسیع علاقہ تھا جو موجودہ جیکب آباد سے آگے تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے صدر مقام کا نام "تل" یعنی ٹل تھا[568]۔ ٹل جیکب آباد کے قریب اب تک موجود ہے۔ اس شہر ڈھاوڑ کے قریب موہنجوداڑو کے وقت کے آثار پائے گئے ہیں، ان میں پیرک اور مہر گڑھ شامل ہیں[569]۔

بہر کیف آپ رضی اللہ عنہ مکران میں بھی رہے ہیں۔ پھر آپ بصرہ میں جا کر مقیم ہوئے۔ آپ سے ابُو عثمان النہدی، کلیب بن شہاب اور عبد الملک بن عمیر جیسے محدثین نے احادیث روایت کی ہیں[570]۔ آپ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے جنگ جمل میں لڑتے ہوئے بروز جمعہ 10 ذی الحج 36ھ کو شہید ہوئے۔

امام ابن اثیر فرماتے ہیں؛

وقتل يَوْم الجمل بالبصرة مع عائشة قبل القتال الأكبر، وَذَلِكَ أن حكيم بْن جبلة قاتل عَبْد اللَّهِ بْن الزبير، وَكَانَ مجاشع مع ابن الزبير، فقتل حكيم وقتل مجاشع بن مسعود السلمي[571]

---

[566] "داور" یہ لوگ اپنے اس بت کو کہتے تھے جس کے معنی" خدا" کے ہیں۔ یعنی یہ اپنے معبود کو" داور" کہتے تھے، اس وجہ سے اس علاقے کا نام بھی داور پڑ گیا جو بعد میں زبانوں کے تبادلے کی وجہ سے داوڑ، ڈاوڑ، ڈھاوڑ، ڈھاڈر بن گیا۔ یاد رہے آج بھی فارسی زبان میں لفظ داور کے معنی" خدا" کے ہیں۔ البتہ ڈھاڈر ہندی زبان میں اس نشیبی جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہو، اور اس جگہ کو بھی جو نشیبی ہو کر درختوں سے گھرا ہو، ایسا ہی ایک مقام بنام" ڈھاڈر" صوابی کے علاقہ گدون میں گندف گاؤں کے پاس بھی موجود ہے جو دریائے سندھ کے قریب ہونے کی وجہ سے پانی کی آماجگاہ بھی ہے اور وہاں پیڑوں کے جھنڈ بھی پائے جاتے ہیں۔

[567] آغا نصیر خان بلوچ، بلوچستان کی قدیم تاریخ، ناشر بلوچی دنیا ملتان، 1983ء

[568] تل، عربی زبان میں "پہاڑی ٹیلے" اور" مکانوں کے ڈھیر" کے معنوں میں آتا ہے۔

[569] ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکیشنز کوئٹہ، 1990ء، ص72-73

[570] اسد الغابہ، ت4062

[571] ایضاً

www.besturdubooks.net

امام خلیفہ ابن خیاط بصری ؒ معرکہ جمل کے ذیل میں لکھتے ہیں؛

معركة الجْمل

وفيهَا كَانَت وقْعَة الجْمل بِالْبَصْرَةِ بالزاوية نَاحيَة طف الْبَصْرَة يَوْم الجْمُعَة لعشر خلون من جُمَادَى الْآخِرَة سنة سِتّ وَثَلَاثِينَ حَدَّثَنَا من سمع جوَيْرِيَة بْنت أَسْمَاء عَن يحيى بْن سعيد عَن عَمه أَن مَرْوَان رمى طَلْحَة بِسَهْم فَقتله وَانْحَدَرَ الزبير منصرفا فَقتل بوادي السبَاع قَتله عُمَيْر بْن جرموز الْمُجَاشِعِي وَفِي الجْمل الأولى قبل قدوم عَلِيّ قتل مجاشع بْن مَسْعُود السّلمِيّ وَحَكِيم بن جبلة الْعَبْدي ۔[572]

قدرت کا کرنا کہ حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امیر مکران حکیم بن جبلہ عبدی رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں ایک ہی دن قتل ہوئے تھے۔ یہ دونوں حضرات پاکستان کے علاقوں میں جہاد کر چکے تھے۔

حضرت خریت بن راشد ناجی ؓ

آپ رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو ناجیہ کے سر خیل تھے۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

الخريت بن رَاشد بن عَوْف بن قيس بن حبَان بن جَابر قطبة بن سامة بن عَوْف من بني سامة بن لؤَي [573]

آپ رضی اللہ عنہ مکہ اور مدینہ کے درمیان وفد بنی سامہ کے ساتھ تھے کہ دریں اثناء رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے قریش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا؛

یہ تمہاری قوم کے لوگ ہیں، ان کے پاس جا کر قیام کرو اور انہیں میزبانی کا موقع دے دو[574]۔

دور فاروقی میں حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو فارس کے ایک علاقے کی امارت تفویض کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اھواز کا والی بنا کر بھیجا تھا[575]۔ پھر

---

[572] تاریخ خلیفہ، 181/1

[573] تہذیب مستمر الاوھام لامام ماکولا (م475ھ)، 33/1

[574] اسد الغابہ، ت1437

[575] المؤتلف والمختلف للدار قطنی (م385ھ)، 716/2

www.besturdubooks.net

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو 37ھ میں بلاد سندھ (مکران) کی طرف بھیج دیا تھا[576]۔امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ مخضرم صحابی تھے کیونکہ آپ نے زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا[577]۔ آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں سے عبد اللہ بن عبید بن عمیر، زبیر بن خریت، حریش بن خریت، جریر بن حازم، حماد بن زید، سعید بن زید، خالد بن خریت طائی شامل ہیں[578]۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے لیکن 38ھ میں ان کے مخالف ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے قبیلے کے تین سو آدمی لے کر بصرہ سے مکران چلے آئے[579]۔اور بالآخر 38ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے زیاد بن خصفہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا۔[580]

حضرت عبد اللہ بن سوید تمیمیؓ

آپ رضی اللہ عنہ مخضرمی صحابی ہیں۔ابن شداد فرماتے ہیں کہ آپ بنو تمیم میں شقری ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سندھ میں آکر جہاد کیا۔ کب اور کس کے ساتھ آئے تھے؟ اس بارے میں تاریخ میں باوجود ہزار سعی کے راقم کو کچھ نہ مل سکا۔ البتہ آپ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار اس بات پر ثبوت ہیں کہ آپؓ نے یہ اشعار یہاں سندھ میں ایک معرکے کے دوران بطور رجز پڑھے ہونگے کیونکہ آپؓ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔

لاهَل اتی الفتیان بالسند مقدمی   علی بطل قد هَزه القوم مقد ما
شددت ل اسری و القیت اننی   علی طرف المهواة ان لم اصمم[581]

---

[576] سیرۃ علی بن ابی طالب؛ علی محمد صلابی، 463/1

[577] چونکہ آپ گرچہ پہلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے لیکن پھر آپ ان کے مخالف ہوئے اس لیے بعض مؤرخین نے آپ کو خوارج میں شامل کر دیا ہے۔ تاہم یہ ان کا آپس کا معاملہ تھا، ہمارے لیے سب کے سب سر کے تاج ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ سبھی مقدس حضرات کو رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ ترین سرٹیفیکیٹ سے نوازا گیا ہے۔

[578] المؤتلف والمختلف للدار قطنی (م385ھ)، 716/2

[579] الاکمال فی رفع الارتیاب للامام ماکولا (م475ھ)، 432/2

[580] اسد الغابہ، 165/2

[581] العقد الثمین، ص86

www.besturdubooks.net

آپ رضی اللہ عنہ مدرک صحابی تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ضرور لیکن ملاقات نصیب نہ ہو سکی۔ آپ بنو تمیم کی ایک ذیلی شاخ بنو حارث میں سے تھے جنہیں شقرات بھی کہا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اس قبیلے کے ایک فرد شقرہ بن معاویہ بن حارث نے ایک شعر میں کہا ہے؛

وقد أحمل الرمح الأصم كعوبه　　　به من دماء القوم كالشقرات [582]

ابن حزم لکھتے ہیں کہ بنو تمیم میں بنو حارث بہت کم تھے [583]۔ آپؓ کے بارے میں بہت کوشش کے باوجود بس یہی ہاتھ آسکا۔ یاد رہے کہ اس نام کے دو اور اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں جن میں ایک عبد اللہ بن سوید رضی اللہ عنہ خطمی ہیں [584]۔ اور دوسرے صحابی حضرت عبد اللہ بن سوید حارثی انصاری مدنیؓ ہیں جو حدیث کے راوی ہیں، علماء اسماء الرجال نے اپنی کتابوں میں انہی کا ذکر کیا ہے۔ جن کی مشہور روایات یہ ہیں؛

1- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، نا الْحَسَنُ بْنُ إِسْرَائِيلَ النَّهْرُتِيرِيُّ، نا ابْنُ وَهْبٍ، نا قُرَّةُ يَعْنِي بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَوْرَاتِ الثَّلَاثِ، فَقَالَ: «إِذَا وَضَعْتُ ثِيَابِيَ بَعْدَ الظُّهْرِ , وَلَمْ يَلِجْ أَحَدٌ مِنَ الْخَدَمِ – الَّذِينَ بَلَغُوا الْحُلُمَ , وَلَا مَنْ لَمْ يَبْلُغِ الْحُلُمَ – الْأَحْرَارِ إِلَّا بِإِذْنٍ , وَإِذَا وَضَعْتُ ثِيَابِيَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَقَبْلَ الْغَدَاةِ» كَذَا قَالَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّمَا الصَّحِيحُ مِنْ قَوْلِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُوَيْدٍ [585]

2 - حَدَّثَنَا هَارُونُ بن مَعْرُوف، قال: حَدَّثَنا ابْنُ وَهْب، قَالَ: حَدَّثَنِي دَاوُد بْنُ قَيْس، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُوَيْدٍ الأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمَّتِهِ: أَمِّ حُمَيْدٍ امرأةِ أَبِي حُمَيْد؛ أَنَّهَا جاءَتِ النبيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أُحِبُّ الصَّلاة مَعَكَ، قالت: فقال لَهَا: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّينَ

---

[582] ذکر ابن عبد البر هذا البيت في كتابه الانباه على قبائل الرواة. القاهرة 1350 ص 80. راجع أيضا شرح ديوان الحماسة للتبريزي ج 3 ص 62. أما القائل فهو شقرة بن معاوية بن الحارث، كما في الانباه، وقيل هو معاوية بن الحارث كما في الانباه والمزهر 2: 452.

[583] جمہرہ انساب العرب، 1/207

[584] صحیح ابن حبان، 2/410

[585] معجم الصحابہ لابن قانع، 2/139

www.besturdubooks.net

الصَّلَاةَ مَعِي، وَصَلاتُكِ فِي بَيْتِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلاتِكِ فِي حُجْرَتِكِ، وَصَلاتُكِ فِي حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلاتِكِ فِي دَارِكِ، وصلاتُكِ فِي دَارِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلاتِكِ فِي مسجدِ قَوْمِكِ وصَلاتُكِ فِي مَسْجِدِي". قَالَ: فَأَمَرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مسجدٌ فِي أَقْصَى شيءٍ مِنْ بيتِهَا وأَظْلَمِها، فكَانَتْ تُصَلِّي فِيهِ حَتَّى لَقِيَتِ اللَّهَ [586]

حضرت مہلب بن ابی صفرہ عتکی ازدیؓ

آپ رضی اللہ عنہ قبیلہ ازد کے نامور سردار تھے۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

المهلب بن أبي صفرة الأزدي البصري واسم أبي صفرة ظالم بن سراق بن صبح بن كندي بن عمرو بن عدي بن وائل بن الحارث بن العتيك بن الأزد بن عمرو المعروف بمزيقياء[587]

اور ابن فندمہ نے آپ کا شجرہ حضرت نوحؑ تک پہنچایا ہے؛

المهلب بن أبي صفرة بن سراق بن صبح (صبيح) بن كندي بن عمرو بن عدي بن وائل بن عتيك بن الأسد بن عمران بن عمرو مزيقياء بن عامر ماء السماء بن حارثة بن امرئ القيس بن ثعلبة بن مازن بن الأزد بن الغوث بن نبت بن مالك بن زيد بن كهلان بن سبأ بن يشجب بن يعرب بن قطحان بن عابر وهو هود النبي عليه السلام بن شالخ بن أرفخشد بن سام بن نوح عليه السلام.[588]

حضرت مہلب بن ابی صفرہ[589] چونکہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت بہت کم سن تھے اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کا شمار صغار صحابہ کرام میں سے ہوتا ہے۔

---

[586] تاریخ ابن خیثمہ، 802/2

[587] تاریخ بغداد للخطیب بغدادی (م463ھ)، 463/3

[588] تاریخ بیہق لابن فندمہ (م507ھ)، 194/1

[589] انظر عن (المهلّب بن أبي صفرة) في:

طبقات ابن سعد 7/ 129، 130، وطبقات خليفة 201، وتاريخ خليفة 205، و206 و224، و262 و268 و276 و277 و279 و288 و295 و308 و327، والمحبر لابن حبيب 245 و261 و302، والتاريخ الكبير 8/ 25 رقم 2024، ومقدمة مسند بقيّ بن مخلد 96 رقم 178، والكامل للمبرّد 1/ 102 و181 و2/ 138- 140 و228- 298، والبرصان والعرجان 26 و54 و318، 278، والفتوح لابن أعثم

www.besturdubooks.net

امام ابن فندمہ نے تاریخ بیہق میں 1/ 120 پر آپ رضی اللہ عنہ کو صحابہ میں لکھا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ فتح مکہ کے دن پیدا ہوئے[590]۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو سعید تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو صفرہ جن کا نام ظالم تھا، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے دس بیٹوں کے ساتھ حاضر ہوا، اور حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرا سب سے چھوٹا بیٹا مہلب ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ گرچہ عمر میں سب سے چھوٹا ہے لیکن اصل میں

الكوفي 6/ 10 ومابعدها، وفتوح البلدان (انظر فهرس الأعلام) 666، والبيان والتبيين 3/ 205، والمعارف 108 و399 و400 و415 و417 و525 و591 و622، وتاريخ اليعقوبي 2/ 222 و252 و264 و264 و272 و275 و276، وأنساب الأشراف 4ق 1/ 232 و424 و464- 466 و478 و4/ 121 و157- 159 و168 وانظر فهرس الأعلام في الجزء 5/ 424، وتاريخ الطبري 6/ 354 وانظر فهرس الأعلام 10/ 428، والجرح والتعديل 8/ 369 رقم 1687، والثقات لابن حبّان 5/ 451، ومروج الذهب 2207 و2209 و2472، والمراسيل 197 رقم 358، والأسامي والكنى للحاكم، ورقة 219 أ، والحلّة السيراء 1/ 73 و76 و2/ 10، والبدء والتاريخ 6/ 37، وتحفة الوزراء 113، والهفوات النادرة 271، وجمهرة أنساب العرب 367- 370، وربيع الأبرار 1/ 684 و2/ 319، والمحاسن والمساوئ 97، 98 و190 و448، والمحاسن والأضداد 14، ونثر الدرّ 2/ 183، والخراج وصناعة الكتابة 394 و406 و414، والإيجاز والإعجاز 17، ولطائف الظرفاء 15، والتمثيل والمحاضرة 134، ومحاضرات الأدباء 1/ 548، والبصائر والذخائر 2/ 690 و708، وتاريخ حلب للعظيميّ 188 و194، وتاريخ دمشق (مخطوطة الظاهرية) 17/ 221ب، والعقد الفريد 1/ 103 و110 و122 و123 و142 و222 و250 و2/ 82 و188 و207 و210 و288 و301 و431 و472 و478 و3/ 298 و4/ 46 و119 و127 و428، والكنى والأسماء للدولابي 1/ 187، وعيون الأخبار 1/ 230 و2/ 43 و44 و4/ 4، وتهذيب الأسماء واللغات ق 1 ج 2/ 117 رقم 174، ووفيات الأعيان 1/ 272 و2/ 33 و34 و36 و127 و305 و323 و5/ 350- 359، وانظر فهرس الأعلام 8/ 225، وتهذيب الكمال (المصوّر) 3/ 1381، والكامل في التاريخ (انظر فهرس الأعلام) 13/ 363، ونهاية الأرب 21/ 259، 260، وسير أعلام النبلاء 4/ 383- 385 رقم 155، والعبر 1/ 95، والكاشف 3/ 159 رقم 5770، وجامع التحصيل 355 رقم 807، ودول الإسلام 1/ 59، والبداية والنهاية 9/ 42، 43، ومرآة الجنان 1/ 165، 166، والتذكرة الحمدونية/ 263 و432 و437 و438 و2/ 451، وفوات الوفيات 1/ 353 و396 و2/ 31، وسرح العيون 194، والمستطرف للأبشيهي 1/ 59، والإصابة 3/ 535، 536 رقم 8633، وتهذيب التهذيب 10/ 329، 330 رقم 577، وتقريب التهذيب 2/ 280 رقم 1424، والنجوم الزاهرة 1/ 206، وخلاصة تذهيب التهذيب 389، وشذرات الذهب 1/ 90، والعلل لأحمد، رقم 465.

[590] سیر اعلام النبلاء، ت 155

www.besturdubooks.net

یہی آپؓ کی اولاد کا سردار ہے[591]۔واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ حرف بہ حرف درست ثابت ہوئے۔اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی خداداد سرداری زمانے کو دکھائی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔سندھ اور خراسان میں جاکر جنگیں لڑیں۔مناذر کے محاصرے کے بارے میں خود فرماتے ہیں؛

حدثني سعدوية قَالَ حَدَّثَنَا شريك عن أَبِي إِسْحَاق عَنِ المهلب بْن أَبِي صفرة، قَالَ حاصرنا مناذر فأصبناسبيا فكتب عُمَر: أن مناذر كقرية منَ القرى السواد فردوا عليهم ما أصبتم.[592]

44ھ میں عبداللہ بن سوار کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ غمزدہ ہوئے اور اب کے بار وہ بار بار بغاوت کا سدباب چاہتے تھے۔اس بابت امور سندھ کے ماہرین سے مشورہ لیا تو معلوم ہوا کہ گورنر کابل حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبیلہ ازد کا ایک سردار جس کا نام حضرت مہلب بن ابی صفرہ ہے، موجود ہیں، اگر انہیں یہ ذمہ داری سونپی جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ اس مسئلے کا کوئی بہتر حل ڈھونڈ نکال لیں کیونکہ وہ صحابی رسول ہوتے ہوئے مذکور مشرقی ممالک کے ماہر بھی ہیں۔حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا انتخاب کیا کہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ ازدی عتکی رضی اللہ عنہ ان کے زیر کمان رہ چکے تھے اور انہیں حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی بہادری اور تجربہ کاری کا پوری طرح احساس تھا۔چنانچہ انہوں نے اس نامور سردار اور قابل سپہ سالار حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی کہ جاکر سندھ کی حالت سنواریں اور باغیوں کا قلع قمع کریں۔اس لیے انہوں نے فی الفور حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کو اس طرف بھیجا۔جنہوں نے موجودہ بلوچستان کی بجائے درہ خیبر والا راستہ اپنایا اور اس طرف سے سندھ میں گھسنے کی کوشش کی۔خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں؛

---

[591] الاستیعاب،ت3946

[592] فتوح البلدان،1/367

www.besturdubooks.net

سنة أَربع وَأَرْبَعين فيهَا غزا الْمُهلب بْن أَبِي صفرَة أَرض الْهِنْد فَسَار إِلَى قندابيل ثمَّ أَخذ إِلَى بنة وَألا هور وهما فِي سفح جبل كابل فَلَقِيَهُمْ عَدو هَزَمَهُمْ اللهُ وملأ الْمُسلمُونَ أَيْديهم وَانْصَرفُوا سَالِمين[593]

یعنی 44ھ میں حضرت مہلب نے قندابیل، بنوں اور لاہور فتح کیا لیکن خلیفہ نے اس میں تقدیم و تاخیر سے کام لیا ہے کیونکہ قندابیل بنوں اور لاہور کے بعد فتح ہوئے تھے۔ بلاذری لکھتے ہیں؛

غزا المهلّب بن أبي صفرة في سنة 44 ھ أيام معاوية ثغر السند فأتى بنّة ولاهور، وهما بين الملتان وكابل، فلقيه العدوّ فقتله المهلّب ومن معه، فقال بعض الأزديين:

ألم تر أنّ الأزد، ليلة بيّتوا   ببنّة، كانوا خير جيش المهلّب[594]

45ھ میں ہی پھر حضرت حارث بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو بھی معزول کر کے حضرت زیاد بن ابی سفیانؓ کو والی بصرہ تعینات کیا گیا۔ حضرت زیادؓ ان ممالک کے بڑے ماہر تھے، اس لیے حضرت امیر معاویہؓ نے انہیں گورنر بصرہ مقرر کیا تھا۔ بصرہ کے مشہور، مستند اور اولیں مؤرخ علامہ خلیفہ بن خیاطؒ کے الفاظ یہ ہیں؛

سنة خمس واربعين فِيهَا عزل مُعَاوِيَة ابْن عَامر عَن الْبَصْرَة وَولى الْحَارِث بْن عَمْرو الْأَزْدِيّ فَقدم فِي أول السّنة ثمَّ عَزله وَولى زيادا فَقدم الْبَصْرَة فِي شهر ربيع فَقتل سهم بْن غَالب الهُجَيْمِي الَّذِي كَانَ خرج بِنَاحِيَة جسر الْبَصْرَة وصلبه وفيهَا بعث ابْن عَامر عَبْد اللَّهِ بْن سوار فَافْتتحَ القيقان وَأَصَاب غَنَائِم وقاد مِنْهَا خيلا فَأصل البراذين القيقانية من نسل تِلْكَ الْخَيل ثمَّ قدم واستخلف حزاز بْن كراز وَقدم عَلَى مُعَاوِيَة فَرده إِلَى عمله وعزل ابْن عَامر [595]

گورنر بصرہ حضرت حارث بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مہلب کو سندھ میں کارروائیاں جاری رکھنے کا حکم جاری کر دیا۔ واقعی حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ ایک قابل فوجی اور دور اندیش سیاستدان تھے، انہوں نے سوچا کہ قیقان کے راستے سندھ میں دخول کے ہم بارہا کوشش کر کے بھی ناکام رہے۔ اس

---

[593] تاریخ خلیفہ، 206/1

[594] معجم البلدان، 501/1

[595] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 207/1

www.besturdubooks.net

لیے اسی راستے پھر سے ناکام سعی کرنے کی بجائے کوئی اور متبادل راستہ ڈھونڈ لینا چاہیے تاکہ ہمارا نقصان بھی نہ ہو اور کام بھی چل جائے۔ انہوں نے اب کے بار ایک نیا منصوبہ تیار کر لیا اور کابل سے ہوتے ہوئے ہلمند آئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے درہ خیبر آئے[596]۔

یہاں سے حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے موجودہ پشاور اور اس کے آس پاس کے علاقے فتح کر لیے اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ بار بار عرض ہوا کہ اُس وقت پشاور نامی کوئی جگہ موجود نہیں تھی بلکہ یہاں شاید کوئی گاؤں موجود ہو لیکن قصبہ یا شہر بالکل نہیں ورنہ پھر مؤرخین اس کا خوامخواہ ذکر کرتے، جیسا کہ بنوں اور صوابی والے لاہور کو انہوں نے باقاعدہ ذکر کیا ہے[597]۔ پشاور کا بھی لازمی ذکر کرتے اگر یہاں کوئی قابل ذکر مقام ہوتا۔ راقم نے پشاور سے متعلق موجود پشتو، اردو، انگریزی اور عربی میں لکھی گئی تاریخی کتابیں کھنگال کر دیکھا لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا، سوائے اس کے کہ پشاور اصل میں مغل دور کی یادگار ہے۔ کہ جلال الدین اکبر نے تقریباً 1580ء کے لگ بھگ اس شہر کو آباد کیا۔ اور حفاظت کے لیے پھر ایک قلعہ بھی بنوایا جسے " قلعہ بالا حصار " کہتے ہیں۔ یہاں چونکہ مختلف پیشوں سے متعلق لوگ آباد کرائے گئے تاکہ مغل حکومت کو جب بھی ضرورت پڑے، ان کی دستیابی آسان ہو، اس لیے اس کو فارسی زبان میں " پیشہ ور " کہتے تھے جو بعد میں " پیشاور " اور آخر میں " پشاور " بن گیا۔

ہاں اس کے آس پاس لوگ ضرور بود و باش کرتے تھے، کیونکہ محمود غزنوی جب پانچویں صدی ہجری میں یہاں سے ہو کر ہند جا رہا تھا، تو یہاں کے مقامی لوگوں نے مزاحمت کی تھی، سلطان نے انہیں تہ و بالا کر دیا تھا، اور یہاں پر خون آشام لڑائی لڑی گئی تھی جو کئی دنوں تک جاری رہی۔ جس میں مسلمان بھی کافی مقدار میں شہید ہوئے تھے، جن کی قبریں آج بھی یہاں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ اور قابل ذکر ان میں "اصحاب

---

[596] میرے خیال میں یہ خیبر نام بھی ان ہی کا رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ شاید یا تو ان کو یہ علاقہ اپنے خیبر کے علاقے جیسا لگا ہو گا اور یا پھر یہاں موجود قلعہ خیبر کی طرح تھا، جسے انہوں نے فتح کیا تھا اور پھر اسی جگہ انگریز نے بھی قلعہ تعمیر کرایا جو آج بھی " قلعہ شاگئی " کے نام سے موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[597] معجم البلدان، 1/500۔ فتوح البلدان 1/417۔ الکامل فی التاریخ، 3/42

www.besturdubooks.net

بابا" مزار بھی ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے کہ یہ کوئی صحابی نہیں، البتہ یہ محمود غزنوی کے وقت کے شہداء ہیں۔ اُس کے آس پاس ایک بہت بڑا قبرستان ہے جس میں وہی شہداء مدفون ہیں۔[598]

اس راستے میں گرچہ پہاڑوں کی مہیب پیچیدگیاں موجود تھیں تاہم یہ سب کچھ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی کے سامنے ہیچ تھا[599]۔ پس آپ رضی اللہ عنہ موجودہ پشاور اور نوشہرہ سے ہوتے ہوئے صوابی پہنچ گئے[600]۔ جہاں دریائے سندھ عبور کر کے انہیں ملک سندھ میں اندر جا کر گھسنا تھا، کیونکہ ابھی اٹک کا گھاٹ موجود نہیں تھا یہ تو 1582ء میں مغل بادشاہ اکبر نے بنایا تھا۔ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے یہاں صوابی کا مشہور شہر لاہور فتح کیا[601]، جو آج بھی لاہور سے معروف ہے۔ ہاں البتہ اب چونکہ وہ ایک قصبہ ہے اور پنجاب والا لاہور بڑا شہر بن گیا ہے اس لیے اس کو اب چھوٹا لاہور کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ بلاذری اور حموی نے جس لاہور کا تذکرہ کیا ہے، دراصل وہ یہی لاہور تھا۔

---

[598] پشاور یونیورسٹی کے قریب واقع پروفیسر کالونی بھی اسی وقت کے شہداء کی قبروں کے پاس بنی کالونی ہے۔ جیسا کہ وہاں پر بعض اہل دانش نے راقم کو بتایا۔ میرے نہایت قدرداں اور قابل احترام بزرگوار جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب نے بتایا کہ یہاں زیر زمیں شہداء اسلام آسودہ خواب ہیں۔ کالونی کی جامع مسجد کے قریب بھی شہداء کی سلامت لاشیں برآمد ہوئی تھی جنہیں پھر پورے اعزاز کے ساتھ دفنایا گیا۔ اس بات کی تصدیق مولانا ڈاکٹر روح اللہ صاحب یوسفزئی اور محترم جناب الطاف صاحب نے بھی کی اور بتایا کہ یہ وہ شہداء ہیں جو محمود غزنوی کے ساتھ آئے تھے اور یہاں پر کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ پروفیسر کالونی کے اکثر اہل علم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ وہاں پر شہداء مدفون ہیں۔

[599] شر صاحب نے تاریخ سندھ میں صفحہ 102 پر لکھا ہے کہ اس راہ کے موّجد حضرت مہلب بن ابی صفرہ ہیں، ان کے بعد پھر محمود غزنوی وغیرہ نے اس پر ہند کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ اس راستے پر بہت پہلے سکندر اعظم اور دارا وغیرہ فاتحین وارد ہند ہوئے تھے۔

[600] صوابی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس جگہ پہنچ کر اس لشکر کے سالار صحابی رسول ﷺ حضرت مہلب بن صفرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف صحابی رسول ﷺ سے کرایا، جسے سن کر مقامی لوگ متعجب ہوئے اور بار بار اس لفظ کو دہراتے رہے حتیٰ کہ یہ نام اس جگہ پر لاگو ہو گیا۔ اور یا پھر یہاں جو صحابی رسول ﷺ شہید ہوئے تھے، انہیں دفنانے کے بعد ان کی قبر کی وجہ سے وہی جگہ صحابی سے مشہور ہوئی اور بعد میں یہ لفظ مرور زمانہ اور تبادلہ السنہ کے ساتھ صحابی سے صوابی بن گیا۔ واللہ اعلم (تاریخ صوابی، ص 56)

[601] تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/239، فتوح البلدان 1/429، البدایہ والنہایہ 9/42

www.besturdubooks.net

غزا المهلّب بن أبي صفرة في سنة 44 ھ أيام معاوية ثغر السند فأتى بنّة ولاهور، وهما بين الملتان وكابل، فلقيه العدوّ فقتله المهلّب ومن معه، فقال بعض الأزديين:

ألم تر أنّ الأزد، ليلة بيّتوا　　ببنّة، كانوا خير جيش المهلّب [602]

بعض ناواقف مؤرخین اس سے مراد پنجاب والا لاہور لیتے ہیں لیکن اگر حموی کے اس اگلے جملے پر غور کیا جائے کہ "یہ دونوں شہر بنوں اور لاہور کابل اور ملتان کے مابین ہیں" تو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ اس سے مراد کونسا لاہور ہے۔ کیونکہ پنجاب والا لاہور ملتان سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلے پر واقع ہے جبکہ کابل یہاں سے قریباً ہزار کلومیٹر سے بھی زیادہ فاصلے پر ہے، ایسے میں خود سوچئے کہ کونسا لاہور مراد ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایک تو پنجاب والا لاہور اسوقت تھا نہیں اور دوسری بات یہ کہ پنجاب میں داخل ہی کب ہوئے تھے ؟ یہ تو دریائے سندھ سے واپس ہو گئے تھے جیسا کہ تفصیل پچھلے باب میں گزر چکی ہے۔ اگر پنجاب والا لاہور فتح ہو جاتا تو پھر حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کا یہ اسلامی لشکر ضرور آگے سندھ کے دارالخلافت پر جا کر قابض ہو جاتا کہ ان کا اصل مقصد بھی تو یہی تھا۔ لیکن چونکہ یہ تو راجہ چچ کے قبضے میں تھا۔ اور یہ بھی کہ پنجاب والا لاہور اگر فرض کریں تھا بھی تو وہ اُس وقت صوبہ ملتان کا حصہ تھا جو کہ ملتان سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلے پر ہے، دوسری طرف اس لاہور سے کابل کتنا دور ہے ؟ ایسے میں یہ کہنا کہ لاہور کابل اور ملتان کے مابین واقع ہے، محض ایک خوش فہمی ہی ہو سکتی ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جو اردو زبان کی بڑی انسائیکلوپیڈیا ہے، جو پنجاب والے لاہور میں لکھی اور چھپی گئی ہے اس میں لکھا گیا ہے کہ؛

" بلاذری (م279ھ /892ء) نے اپنی تالیف میں جس لاہور کا ذکر کیا ہے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو کہ اٹک اور ویہند کے درمیان کہیں آباد تھا۔"[603]

اس پر تفصیلی بحث پیچھے باب میں گزر چکی ہے کہ یہ نہ تو چھوٹا سا گاؤں تھا اور نہ ہی اٹک اور ہنڈ کے درمیان بلکہ اٹک کے سامنے دریا پار ہنڈ کے ساتھ شمال کی طرف ایک بڑا شہر تھا۔

---

[602] معجم البلدان، 1/501

[603] اردو دائرہ معارف، 18/1

www.besturdubooks.net

حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے صوابی فتح کرنے کے بعد گھات پار کر کے قلعہ چچ کو فتح کرنا چاہا، اس مقصد کے لیے انہوں نے قلعہ کی مغرب کی جانب پڑاؤ ڈالا، اور وہاں ایک محدود عرصہ رہے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ چونکہ یہ قلعہ ملک سندھ کی اہم ترین جگہ پر واقع تھا اس لیے یہاں بھی غیر معمولی انتظامات کیے گئے تھے کہ گویا اس کو تسخیر کرنے سے پورا سندھ تسخیر کرنا آسان ہو جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ جس جگہ مقیم رہے اسے اپنی قوم کی نسبت سے نام دے رکھا یعنی "عتکی" کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ قوم العتک سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ نام پھر مرور زمانہ اور تبادلہ اَلسنہ کی وجہ سے اتک اور آخر میں " اٹک " مشہور ہوا۔ جو آج بھی موجود ہے بلکہ پنجاب کے ایک بڑے ضلع کا نام ہے[604]۔

حضرت مہلب رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہاں بھی یوں ہی وقت ضائع کرنا ہے۔ لہٰذا کسی اور راستے سے کوشش کرنی چاہیئے، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ ویہند (ہنڈ) کے گھات پر واپس صوابی کی طرف لوٹیں اور وہاں سے ہوتے ہوئے یہ بنوں اور کوہاٹ چلے گئے۔ وہاں بنوں میں رات گزار کر صبح ایک جنگ میں فتح حاصل کر لی جیسا کہ شاعر کہتا ہے کہ؛

ألم تر أنّ الأزد ليلة بيّتوا　　　ببنّة كانوا خير جيش المهلّب [605]

ترجمہ: کیا تو نہیں دیکھتا کہ بنوں میں حضرت مہلب کے لشکر نے جو رات گزاری تو اس لشکر میں سب سے بہترین لوگ جو تھے وہ قبیلہ ازد کے لوگ ہی تو تھے۔

چونکہ اس لشکر میں اکثریت قبیلہ ازد کے جوانوں کی تھی اس لیے شاعر جو کہ خود بھی ازدی ہے ان ہی کے گُن گا رہا ہے کہ وہ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بہترین سپاہی ہیں۔ اور ان کی بہادری کی وجہ سے اسلامی لشکر پے در پے فتوحات حاصل کر رہا ہے۔

---

604 ضیاء اللہ جدون، حضرت سنان بن سلمہ اور پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کا تحقیقی جائزہ، ص 8، نوار خان جدون فاؤنڈیشن بیسک صوابی 2016ء

605 فتوح البلدان، 1/417، الکامل فی التاریخ 3/42، معجم البلدان 1/501

www.besturdubooks.net

یہ بات بھی عجیب اور قابل ذکر ہے کہ حضرت مہلب بن صفرہ عتکی ازدی رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی رسول ﷺ ہیں جو آئے تو سندھ کو فتح کرنے تھے تاہم اُن کی قدم بوسی سے پاکستان کے صوبہ سندھ کو چھوڑ کر پختونخوا، بلوچستان اور پنجاب تینوں صوبے سعادت مند ہوئے۔

بنوں کو فتح کرنے کے بعد حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی جاری رکھی اور جاتے جاتے آپؓ قنذابیل جا پہنچے جہاں آپ رضی اللہ عنہ کا وہاں کے کافروں سے آمنا سامنا اور پھر خوب سخت مقابلہ ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی جانبازی سے ان پر حملہ کر کے دشمن کو تہس نہس کر دیا اور ان سے خوب مال و اسباب لے کر نیک نامی اور سرخروئی کے ساتھ آگے بڑھیں[606]۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ قیقان چلے گئے اور وہاں پر ترک فوجیوں کے ایک چھوٹے سے دستے سے مڈبھیڑ ہوئی۔ یہ ترک سپاہی تعداد میں صرف اٹھارہ تھے لیکن وہ لڑنے پر تُلے ہوئے تھے اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو وہاں ڈھیر کر دیا[607]۔ ان کو مارنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے پاس جو گھوڑے تھے، ان کے عیال اور دُمیں کٹی ہوئی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کو یہ وضع بہت پسند آئی اور آپ رضی اللہ عنہ بولے؛

" یہ عجمی لوگ ہم سے زیادہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ اپنے گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کاٹیں۔"

یہ کہتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے اور اپنی لشکر کے تمام گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کاٹ ڈالیں۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اسلام میں حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑوں کے لیے یہ وضع اختیار کر لی تھی۔ علامہ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں؛

فَلَقِيَهُ الْعَدُوُّ وَقَاتَلَهُ، وَلَقِيَ الْمُهَلَّبَ بِبِلَادِ الْقِيقَانِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ فَارِسًا مِنَ التُّرْكِ فَقَاتَلُوهُ فَقُتِلُوا جَمِيعًا، فَقَالَ الْمُهَلَّبُ: مَا جُعِلَ هَؤُلَاءِ الْأَعَاجِمُ أَوْلَى بِالتَّشْمِيرِ مِنَّا! فَحَذَفَ الْخَيْلَ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ حَذَفَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ [608]

---

[606] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/206

[607] فتوح البلدان، 1/417

[608] الکامل فی التاریخ، 3/42

www.besturdubooks.net

46ھ میں آپ رضی اللہ عنہ یہاں سے ہوتے ہوئے خراسان نکل گئے۔ اور وہاں خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ کی امارت میں سمر قند پر حملہ کیا اور کامیابی حاصل کی[609]۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی تحریر کرتے ہیں کہ آپ نے مکران، قلات، خضدار کے قریب نال، کچھی اور گنداوا میں جہاد کیا۔[610]

ڈاکٹر محمد اسحاق اپنے انگریزی مقالہ میں لکھتے ہیں کہ آپ اپنی قوم ازد کا دستہ لے کر حملہ آور ہوتے تھے۔[611]

75ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کو عبد الملک بن مروان نے والی بصرہ مقرر کیا۔ اور پھر 77ھ میں امیہ بن عبد اللہ بن خالد کی جگہ آپ امیر خراسان مقرر ہوئے۔ اور 82ھ یعنی اپنی وفات تک آپ رضی اللہ عنہ وہاں کے والی رہے پھر آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید بن مہلب رضی اللہ عنہ امیر مقرر ہوئے[612]۔ جن دنوں آپ خراسان میں تھے تو فتنہ خوارج ابھر آیا، ان حالات میں اہل بصرہ ڈر گئے اور ایک ازدی نے لکھا کہ؛ فقال رجل من الأزد:

قد رمينا العدو إذ عظم الخطب   بذى الجود مسلم بن عبي

فا نظروا غير مسلم بن عبيس   فاطلبوه من حيث اين وليس

لو رموا بالمهلب بن ابى صفره   كانو ا له كا كله حيس

وكان المهلب يومئذ بخراسان على ولايتها[613]

اہل بصرہ نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہیں یہ خطرہ لاحق ہے لہٰذا انہوں نے حضرت حارث بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا لیکن ان کی پرزور تاکید تھی کہ انہیں بہر حال حضرت مہلب رضی اللہ عنہ چاہیئے۔ ایسے میں ایک اور شاعر نے کیا خوب کہا؛

---

609 تاریخ خلیفہ بن خیاط، 224/1

610 بلوچستان میں صحابہ کرام، ص167

611 India's Contribution to the study of Hadith Literature, P.142

612 ایضاً، 295/1

613 الاخبار الطوال، 271/1

www.besturdubooks.net

وقام رجل من اهل البصره يعرف بابن عراده، فانشده:

مضى ابن عبيس مسلم لسبيله   فقام لها الشيخ الحجازي عثمان

فارعد من قبل اللقاء ابن معمر   و ابرق ، والبرق الحجازي خوان

ولم ينك عثمان جناح بعوضة   واضحى عدوالدين مثل الذى كانوا

وليس لها الا ا لمهلب انه   مليء بأمر الحرب ، شيخ له شان

إذا قيل من يحمى العراقين أومأت   اليه معد با لاكف ، و قحطان

فذاك امرؤ ان يلقهم يطف نارهم   و ليس لها الا ا لمهلب انسان[614]

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے کہ وہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کو لکھے کہ وہ اپنا کوئی نائب خراسان میں چھوڑ کر فوراً یہاں آئے۔ علامہ دینوری ؒ لکھتے ہیں؛

حرب المهلب مع الخوارج فقال الأحنف بن قيس للحارث بن عبد الله: ايها الأمير، اكتب الى امير المؤمنين عبد الله بن الزبير، وسله ان يكتب الى المهلب بان يخلف على خراسان رجلا، ويسير الى الخوارج، فيتولى محاربتهم. فكتب.

فلما انتهى كتابه الى عبد الله بن الزبير كتب الى المهلب:

بسم الله الرحمن الرحيم، من عبد الله امير المؤمنين الى المهلب بن ابى صفره، اما بعد، فان الحارث بن عبد الله كتب الى يخبرني ان الازارقه المارقه قد سعرت نارها، وتفاقم امرها، فرايت ان اوليك قتالهم لما رجوت من قيامك، فتكفى اهل مصرك شرهم، وتؤمن روعتهم، فخلف بخراسان من يقوم مقامك من اهل بيتك، وسر حتى توافى البصره، فتستعد منها بافضل عدتك، وتخرج اليهم، فانى أرجو ان ينصرك الله عليهم، والسلام.

جونہی یہ خط حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے پڑھا، تو اپنا نائب وہاں مقرر کر کے بصرہ روانہ ہوا۔ اور آتے ہی منبر پر بیٹھ کر فرمایا؛

---

614 ایضاً

www.besturdubooks.net

ايها الناس، انه قد غشيكم عدو جاحد، يسفك دماءكم، وينتهب أموالكم، فان أعطيتموني خصالا اسالكموها قمت لكم بحربهم، واستعنت بالله عليهم، والا كنت كواحد منكم لمن تجتمعون عليه في امركم.قالوا: وما الذي تريد؟قال: انتخب منكم أوساطكم، لا الغنى المثقل، ولا السبروت المخف، وعلى ان لي ما غلبت عليه من الارض، والا اخالف فيما ادبر من رأيي في حربهم، واترك ورأيي الذى أراه، وتدبيرى الذى ادبره.

فناداه الناس: لك ذلك، وقد رضينا به

اس کے بعد آپ نے تقریباً پچیس ہزار کا لشکر جرار تیار کر کے اس پر اپنا بیٹا مغیرہؒ امیر مقرر کیا اور خوارج کے مقابلے کے لیے نہر تستر روانہ کیا۔اور خود جسر کے مقام پر 40 دنوں تک رہے۔ایسے میں کسی نے افواہ پھیلادی کہ حضرت مہلب شہید ہو گئے ہیں، یہ خبر بصرہ کو آئی تو اہل بصرہ غم سے نڈھال ہو گئے۔

وبلغ اهل البصره ان المهلب قتل، فرج المصر باهله، وهم أميرهم الحارث ابن ابى ربيعه ان يهرب، فكتب اليه رجل من بنى يشكر:

أيا حار ياابن السادة الصيد هب لنا   مقا مك ، لا ترحل و لم يأ تك الخبر

فان كان اودى با لمهلب يو مه   فقد كسفت في أرضنا الشمس والقمر

و مالك من بعد المهلب عرجه   و ما لك با لمصرين سمع و لا بصر

فدونك، فالحق با لحجاز،ولا تقم   ببلد تنا ، ا ن ا لمقام بها خطر

و ان كان حيا كنت بالمصر آمنا   و كان بقاء المرء فينا هو الظفر

وقال رجل من بنى سعد:

الا كل ما ياتى من الأمر هين   علينا يسير عند فقد المهلب

فان يك قد اودى فما نحن بعده   با منع من شاء عجاف لاذؤب

نعو ذ بمن ارسى ثبيرا مكانه   و مرسى حراء والقديد وكبكب

من الخبر الملقى على الحور حذرها   ويشجى به ما بين بصرى ويثرب[615]

---

[615] ایضاً، 1/271

www.besturdubooks.net

لیکن پھر ایک بشیر آیا اور اہل بصرہ کو خوشخبری سنائی کہ حضرت مہلب حیات ہیں تو اس موقع پر بھی لوگوں نے خوش ہو کر شاعری کی۔ جسے خوف طوالت کی وجہ سے ہم حذف کرتے ہیں۔ ابو اسحاقؒ فرمایا کرتے تھے؛

مَا رَأَیْتُ أَمِیْراً قَطُّ أَفْضَلَ وَلاَأَسْخَی وَلاَ أَشْجَعَ مِنَ المُهَلَّبِ بن ابی صفره وَلاَ أَبْعَدَ مِمَّا یَكْرَهُ وَلاَ أَقْرَبَ مِمَّا یُحِبُّ[616]

آپ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ سخی انسان تھے، ابن جوزی نے آپ رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے کئی ایک واقعات لکھے ہیں۔ اور ایک عجیب بات بھی لکھی ہے کہ؛

ومن العجائب: أنه كان للمهلب ثلاثة أولاد: يزيد، وزياد، ومدرك، ولدوا في سنة واحدة، وقتلوا في سنة واحدة، وأسنانهم واحدة، عاش كل واحد منهم ثمانية وأربعين سنة[617]

80ھ میں آپؒ نے خراسان کے دو اہم مقامات کش اور نسف اور بخاریٰ کا محاصرہ کیا[618]۔ تین روز تک خون آشام لڑائی ہوئی جس میں آپ رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ بھی ضائع ہوئی[619]۔ لیکن اس دوران آپؒ کو گورنر عراق حجاج بن یوسف کا خط آیا اور آپؒ 81ھ میں واپس ہوئے[620]۔ آپؒ وہاں سے مرو چلے گئے جہاں 82ھ میں آپؒ نے وفات پائی[621]۔ امام طبری نے بھی ذی الحج 82ھ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا کہ آپ نے وصیت کی تھی کہ آپ پر نماز جنازہ حضرت حبیبؒ پڑھائیں[622]۔ عمادالدین نے بھی 82ھ لکھا ہے[623]۔

---

[616] 255/17، سیر اعلام النبلاء، ت 383/4

[617] المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، 242/6

[618] المعارف، 568/1

[619] فتوح البلدان، 397/1

[620] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 279/1

[621] ایضاً، 288/1

[622] تاریخ طبری، 354/6

[623] المختصر فی اخبار البشر، 297/1

www.besturdubooks.net

ابن سعد نے 83ھ لکھا ہے[624]۔ امام جاحظ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی سواری پہ بیٹھے اپنی جان اپنے خدا کی سپرد کی تھی[625]۔ امام ذہبی نے آپ کی تاریخ وفات 82ھ لکھی ہے۔

وتوفي في ذي الحجة سنة اثنتين وثمانين، فقال نهار بن توسعة التميمي:

ألا ذهب الغزو المقرب للغنى ... ومات الندى والجود بعد المهلب

أقاما بمرو الروذ رهني ضريحه ... وقد غيبا عن كل شرق ومغرب

إذا قيل أي الناس أولى بنعمة ... على الناس؟ قلناه ولم نتهيب

أباح لنا سهل البلاد وحزنها ... بخيل كأرسال القطا المتسرب[626]

ابن قیسرانی کے بقول آپؒ کی بہت زیادہ اولاد تھی[627] انہوں نے آپ کے چودہ تک بیٹے شمار کیے ہیں۔ ابن فندمہ تحریر کرتے ہیں کہ آپؒ کی ایک بیٹی ھند، عبدالملک بن مراون کی بیوی تھی جو شاعرہ بھی تھی[628]۔ جبکہ ابن حجر نے آپ کی یہی بیٹی ھند کو حجاج بن یوسف کی بیوی لکھا ہے[629]۔ ابن عساکر نے بھی حجاج کی اہلیہ لکھا ہے[630]۔ آپ نے اپنے بیٹے کو اپنا نائب اور خلیفہ خراسان مقرر کیا تھا جنہیں حجاج نے بھی بحال رکھا[631]۔ آپ کی بہادری کے متعلق امام نہروانی نے ایک شاعر کے اشعار لکھے ہیں؛

إِذا كَانَ الْمُهَلَّبُ من ورائي ... هدا لَيْلِي وَقَرَّ لَهُ فؤَادِي

[624] طبقات ابن سعد، 129/7

[625] البغال للجاحظ، 52/1

[626] تاریخ اسلام 87/30

[627] المؤتلف والمختلف لابن قیسرانی (507ھ)، 27/1

[628] تاریخ بیہقی، 120/1

[629] الاصابہ، 325/3

[630] تاریخ دمشق، 189/7

[631] طبقات ابن سعد، 129/7

www.besturdubooks.net

وَلَمْ أخشَ الدَّنِيَّة من أناسٍ ... وَلَو صَالُوا بقوةِ قومِ عادِ [632]

آپ کی مرویات

1۔ حَدَّثَنَا أَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " مَا أُرَاهُمُ اللَّيْلَةَ إِلَّا سَيُبَيِّتُونَكُمْ فَإِنْ فَعَلُوا فَشِعَارُكُمْ حم لَا يُنْصَرُونَ "[633]

2۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنْ بُيِّتُّمْ فَلْيَكُنْ شِعَارُكُمْ حم لَا يُنْصَرُونَ»[634]

3۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، نا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سِمَاكٍ قَالَ: وَسَمِعْتُ الْمُهَلَّبَ بْنَ أَبِي صُفْرَةَ يُحَدِّثُ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلَّى بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ؛ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ عَلَى قَرْنٍ أَوْ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ»[635]

---

632 ابو الفرج المعافی بن زکریا النہروانی(م390ھ) ، الجلیس الصالح الکافی والانیس الناصح الشافی ، دار لکتب العلمیہ بیروت لبنان ، 1426ھ، 1/401

633 إسناده ضعيف بهذه السياقة لضعف شريک: وهو ابن عبد الله النخعي، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير المهاب بن أبي صفرة، فقد روى له أصحاب السنن سوى ابن ماجه، وهو ثقة. وأخرجه النسائي في "الكبرى" (8861) و(10453) -وهو في "عمل اليوم والليلة" (617) - من طريق أبي نعيم، عن شريک، بهذا الإسناد، وفيه: كان ذلک يوم الخندق. وأخرجه الحاكم 2/107، والبيهقي في "السنن" 6/362 من طريق علي ابن حكيم الأودي، عن شريک، به، وسمى الصحابي البراء بن عازب. وأخرجه عبد الرزاق في "المصنف" (9467)، وأبو داود (2597) ،والترمذي (1682) ،وابن الجارود في "المنتقى" (1063) ،والحاكم 2/107، والبيهقي في "السنن" 6/361-362 من طريق سفيان الثوري عن أبي إسحاق، به، ولفظه عند الترمذي: "إن بيتكم العدو فقولوا حم لا ينصرون"، وهذا إسناد

634 ابوداؤد، 2597

635 الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم، 1316

www.besturdubooks.net

4۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْخَنْدَقِ: «إِنِّي لَا أَرَى الْقَوْمَ إِلَّا مُبَيِّتِيكُمُ اللَّيْلَةَ فَإِنَّ شِعَارَكُمْ حم لَا يُنْصَرُونَ»[636]

5۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ هَارُونَ، ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَيْفٍ، عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تُبْعَثُ نَارٌ عَلَى أَهْلِ الْمَشْرِقِ فَتَحْشُرُهُمْ إِلَى الْمَغْرِبِ، تَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا، يَكُونُ لَهَا مَا سَقَطَ مِنْهُمْ، وَتَخَلَّفُ تَسُوقُهُمْ سُوقَ الْجَمَلِ الْكَسِيرِ»[637]

6۔ حدثنا موسى بن هارون، ثنا أحمدُ بن حَفْص، حدثني أبي، ثنا إبراهيمُ بن طَهْمان، عن الحَجَّاج بن الحَجَّاج، عن قَتادة، عن عمر بن سيف، عن المُهَلَّب بن أبي صُفْرَة، عن عبد الله بن عمرو ابن العاص، قال: قال رسولُ الله ﷺ: «تُبْعَثُ نَارٌ عَلَى أَهْلِ المَشْرِقِ فَتَحْشُرُهُمْ إِلَى المَغْرِبِ، فَتَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا، يَكُونُ لَهَا مَا سَقَطَ مِنْهُمْ وتَخَلَّفَ، تَسُوقُهُمْ سَوْقَ الجَمَلِ الكَسِيرِ»[638]

آپ کے اقوال زریں

آپ کا شمار عرب کے اہل دانش میں ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ کو قابل رشک الٰہی عقل و فہم اور دور اندیشی عطا کی گئی تھی۔ اور پھر مختلف ممالک کے اسفار، وہاں کے لوگوں سے میل جول اور جہادی کارروائیوں، تجربوں اور مشاہدات نے اس میں اور بھی اضافہ کر کے اسے گویا جلا بخش دی ہو۔ امام جاحظ نے آپ کی ایک نصیحت ذکر کی ہے جو آپ نے اپنے بیٹوں کو دی تھی؛

636 السنن الکبریٰ للنسائی، 8810

637 المعجم الاوسط للطبرانی، 8092

638 المعجم الکبیر للطبرانی، 14513

www.besturdubooks.net

وقال المهلّب لبنيه: يا بني تباذلوا تحابوا، فإن بني الام يختلفون، فكيف بنو العلّات إن البر ينسأ في الاجل، ويزيد في العدد، وإن القطيعة تورث القلة، وتعقب النار بعد الذلة. واتقوا زلّة اللسان، فإن الرجل تزلّ رجله فينتعش، ويزل لسانه فيهلك. وعليكم في الحرب بالمكيدة، فإنها ابلغ من النجدة فإن القتال إذا وقع وقع القضاء، فإن ظفر فقد سعد، وإن ظفر به لم يقولوا فرّط[639]

ترجمہ: مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیٹو! تم ایک دوسرے کے کام آؤ جس سے تمہاری آپس کی محبت میں اضافہ ہوگا۔ اور یاد رکھنا کہ خیافی بھائی آپس میں لڑتے نہیں تو تم علاتی بھائی ہو کر کیسے آپس میں لڑ سکتے ہو۔ بھلائی اور نیکی کرتے رہو کہ اس سے عمر اور آل اولاد میں اضافہ ہوتا ہے۔ قطعہ رحمی سے بچتے رہنا کہ اس سے بے برکتی آتی ہے، ذلت مسلط ہوتی ہے اور اس کے بعد عذاب کا سبب بنتی ہے۔ اور زبان کی لغزش سے بچتے رہنا کیوں کہ اگر آدمی کا پاؤں پھسل جائے تو پھر سے سنبھل سکتا ہے لیکن زبان کا پھسل جانا سنبھلنے کی بجائے تباہی مچا دیتا ہے۔ اور جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے کر داؤ پیچ سے کام لو کہ اس سے کامیابی ملتی ہے۔ یاد رکھو کہ لڑائی قضا بن کر آتی ہے، جو اس میں کامیاب ہو جائے وہی زہے قسمت ہے لیکن اگر وہ ناکام ہو جائے تو پھر لوگ یہ نہیں کہتے کہ اس نے بہادری دکھانے میں کمی کی۔ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف نے آپ کو اپنے ایک قریبی مگر نابلد شخص کے متعلق لکھا کہ جلدی سے اس کی متابعت کرو۔ آپ نے جواب دیا کہ تمام مصائب میں سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایسے شخص سے رائے مانگی جائے جسے اس کام کا سرے سے شعور ہی نہ ہو[640]۔

ایک بار فرمایا عجبت لمن يشتري المماليك بماله ولا يشتري الأحرار بمعروفه[641]

---

[639] عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی اللیثی الشہیر بالجاحظ (م 255ھ)، البیان والتبیین، دار و مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ، 1/288

[640] البیان والتبیین، 1/212

[641] ایضاً، 3/141

www.besturdubooks.net

فرمایا؛ مجھے تعجب ہے کہ لوگ رقم سے غلام اور کنیز تو خرید لیتے ہیں لیکن اچھائی اور نیکی سے آزاد لوگوں کو نہیں؟ یعنی ان کے دل نیکی کرنے سے خریدے جاسکتے ہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ کسی بھی مرد آہن کے پاس عزت دینے والی تیز دھار والی تلوار سے بھی بڑھ کر سچائی کے مثل کوئی چیز نہیں ہو سکتی کہ اگر اس کے پاس صدق ہے تو وہ سب سے باعزت ہے کیونکہ صدق قوت اور کذب عجز ہے[642]۔ مطلب یہ کہ اسلحہ، مال دولت عہدہ اور منصب سے کوئی شخص باعزت نہیں بن جاتا جب تک اس میں صدق نہ ہو۔ فرمایا کرتے جس کا دل جتنا چھوٹا ہو، اس کی زبان اس قدر لمبی ہوتی ہے۔[643]

اور فرماتے کہ مجھے وہ شخص محبوب ہے جس کی عقل زبان پر غالب ہو نہ کہ زبان اس کی عقل پر[644]۔ مطلب جو بولے تو عقل پہ تول کر بولے۔ ایک مرتبہ اپنے بیٹے عبد الملک کو فرمایا؛

يَا بُنَيَّ، إِنَّمَا كَانَتْ وَصِيَّةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَاتَ أَنْفَذَهَا أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ، " فَلَا تَبْدَأْ بِالْعِدَةِ، فَإِنَّ مَخْرَجَهَا سَهْلٌ، وَمَصْدُرُهَا وَعْرٌ، وَاعْلَمْ أَنَّ لَا، وَإِنْ قَبُحَتْ فَرُبَّمَا زُوِّجَتْ، وَلَمْ تُوجِبِ الطَّمَعَ[645]

امام بیہقیؒ آپ سے رسول اللہ ﷺ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں؛

عَنْ حَاجِبِ بْنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَخْطُبُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ، اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ " وَفِي رِوَايَةِ سَعْدَانَ: " أَبْنَائِكُمْ[646]

فرمایا کرتے تھے: أحسن ثيابكم ما كان على غيركم، وخير دوابكم ما كان تحت سواكم. ،الإقدام على الهلكة تغرير، والإحجام عن الفرصة جبن شديد[647]

---

642 الظرف والظرفاء لامام وشاء (325ھ)، 41/1

643 ایضاً، 46/1

644 العقد الفرید لابن عبد ربہ الاندلسی (328ھ)، 303/2

645 شعب الایمان للبیہقی، 202/6

646 شعب الایمان للبیہقی، 8320

www.besturdubooks.net

الغرض آپ مجموعہ محاسن تھے تبھی تو محدث ابو اسحاق فرمایا کرتے تھے؛

مَا رَأَيْتُ أَمِيرًا قَطُّ أَفْضَلَ مِنَ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، وَلا أَسْخَى، وَلا أَشْجَعَ لِقَاءً، وَلا أَبْعَدَ مِمَّا يُكْرَهُ، وَلا أَقْرَبَ مِمَّا يُحَبُّ [648]

آپ کی اولاد میں یزید بن مہلب بھی اپنے وقت کے مایہ ناز تابعی، عالم، سخی، دانشور، شاعر، خطیب اور سپہ سالار تھے [649] ۔ آپ کی اہلیہ خیرہ بن ضمرہ قشیریہ بھی ایک ذہین و قابل عورت تھی [650]۔ اور آپ کی بیٹی ہند بھی بڑی دانا اور عقیل عورت تھی۔ امام ابو بکر حرائطیؒ (م327ھ) نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے؛

حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى حِكَايَةً عَنْ هِنْدَ بِنْتِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ , وَكَانَتْ مِنْ عُقَلَاءِ النَّاسِ قَالَتْ: شَيْئَانِ لَا تُؤْتَمَنُ الْمَرْأَةُ عَلَيْهِمَا: الرِّجَالُ وَالطِّيبُ [651]

آپ رضی اللہ عنہ کے آل اولاد کے بارے میں امام ابن حزم نے لکھا ہے؛

وولد المهلب نحو ثلاثمائة ولد، أعقب منهم تسعة عشر، وأعقابهم بالبصرة وبغيرها؛ وهم: المغيرة، ويزيد، ومروان، ومعاوية، وزياد، وعبد الملك، وحبيب ومحمّد، وقبيصة، والمفضل، والمدرك، وأبوعيينة، وعبد العزيز، وعبد الله، وسعيد، وشبيب، وعمرو، وجعفر، والحجّاج. [652]

آپ نے وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو ایک وصیت کی تھی، امام مبرد نے یہ الفاظ نقل کیا ہے؛

---

[316] الاعجاز والایجاز لثعلبی، 1/78

[648] ابو بکر احمد بن مروان الدینوری (م333ھ) ، المجالس وجواہر العلم، دار ابن حزم بیروت 1419، 4/353

[649] ایک بار اہل عراق کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا؛

يا أهل العراق، يا أهل السبق والسباق، ومكارم الأخلاق، إن أهل الشام في أفواههم لقمة دسمة، زبّبت لها الأشداق وقاموا لها على ساق، وهم غير تاركيها لكم بالمراء والجدال، فالبسوا لهم جلود النمور (1/321)

[650] ایضاً، 3/248

[651] اعتلال القلوب، 2/353

[652] جمهرہ انساب، 1/367

www.besturdubooks.net

وصية المهلب بن أبي صفرة الأزدي ؛

ولما احتضر المهلب بن أبي صفرة أوصى بنيه فقال: أوصيكم بتقوى الله وصلة الرحم، فإن تقوى الله تعقب الجنة، وإن صلة الرحم تنسيء في الأجل، وتثري المال، وتجمع الشمل وتكثر العدد، وتعمر الديار، وتعز الجانب. وأنهاكم عن معصية الله، فإنها تعقب النار، وإن قطيعة الرحم تورث القلة والذلة، وتفرق الجمع، وتذر الديار بلقعاً وتذهب المال، وتطمع العدو، وتبدي العورة. يا بني، قومكم قومكم! إنه ليس لكم عليهم فضل بل هم أفضل منكم إذ فضلوكم وسودوكم ووطؤوا أعقابكم، وبلغوا حاجاتكم لما أردتم، وأعانوكم، فلهم بذلك حق عليكم، وبلاء عندكم لا تؤدون شكره ولا تقومون بحقه. فإن طلبوا فأطلبوهم، وإن سألوا فأعطوهم، وإن لم يسألوا فابتدئوهم، وإن شتموا فاحتملوهم، وإن غشوا أبوابكم فلتفتح لهم ولا تغلق دونهم. يا بني، إني أحب الرجل منكم أن يكون لفعله الفضل على لسانه، وأكره للرجل منكم أن يكون للسانه الفضل على فعله[653]- إذا غدا عليكم الرجلُ وراح مسلما، فكفى بذلك تقاضياً[654]

حضرت عبد اللہ بن سوار عبدیؓ

آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو مرہ سے تھا اور رسول اللہ ﷺ کے مدرک صحابی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت سوار بن ہمام عبدی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ یہاں اطراف سندھ میں فتوحات حاصل کر کے جونہی عرب واپس لوٹے، یہاں کے مقامی لوگ حسب عادت پھر اپنے وعدے سے مکر گئے اور علم بغاوت بلند کیا۔ اس کی خبر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سندھ کے حالات پر نظر ثانی کریں اور کسی قابل شخص کو وہاں بھیج دیں۔ لہٰذا 43ھ میں حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک لائق فائق فوجی سپہ سالار حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار

653 التعازی (المراثی والمواعظ والوصایا)، لاامام محمد بن یزید ازدی المبرد (285ھ)، 1/153

654 الکامل فی اللغۃ والادب للمبرد، 2/125

www.besturdubooks.net

سپاہیوں کا دستہ دے کر بسوئے سندھ روانہ کیا تاکہ جا کر وہ وہاں کے حالات سنواریں [655]۔ کیونکہ عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو قبل ازیں بھی حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ سندھ کی طرف بھیج چکے تھے [656]۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سندھ کے مشہور مقام قیقان (قلات) [657] آ کر سرکشوں اور باغیوں کی خوب خبر گیری کی اور ان کو خوب سبق سکھایا۔ ایک خون آشام لڑائی میں انہیں بُری طرح شکست دے کر بہت سارا مال غنیمت لوٹ لیا۔ اس سے پورے قیقان میں آپ رضی اللہ عنہ کی دھاک بیٹھ گئی۔ لوگوں نے ڈر کے مارے آپ رضی اللہ عنہ سے امن طلب کیا اور وعدہ کیا کہ آج کے بعد وہ کبھی سرکشی نہ کریں گے۔ اب کے بار آپ رضی اللہ عنہ کو لگا کہ اب کے بعد یہ لوگ پھر سے بغاوت نہیں کریں گے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو کیا پتہ تھا کہ یہ تو ان لوگوں کی معمول کی ایک چال ہے جس پر ہر عرب سالار دھوکہ کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بھی ہماری طرح زبان کے پکے ہیں، اس لیے آپ نے ان کی بات پر یقین کر کے انہیں امن دے دیا اور خود دمشق کی راہ لی تاکہ خلیفۃ المسلمین کو جا کر نہ صرف خوشخبری سنائیں بلکہ ان کے لیے اس بار آپ ؓ ایک خاص قسم کا تحفہ بھی ساتھ لے گئے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ بارگاہ خلافت میں پہنچے اور حضرت امیر معاویہ ؓ کی خدمت میں مال غنیمت کے ساتھ قیقانی گھوڑے بھی پیش کر کے سرخرو ہوئے۔ جسے دیکھ کر خلیفہ وقت بہت

---

[655] چچ نامہ میں یہ واقعہ 40ھ یا 41ھ میں ہوا (ص 104)، جبکہ ابن خلدون نے اس واقعہ کی تاریخ 42ھ (تاریخ ابن خلدون 3/8)، علامہ ابن اثیر نے 43ھ (الکامل فی التاریخ 3/35) اور ایلیٹ نے 46ھ (تاریخ سندھ ص 101) لکھا ہے۔ 40ھ اور 41ھ تو اس لحاظ سے درست نہیں کہ 40ھ میں تو ابھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں بنے تھے اور 41ھ میں جب وہ خلیفہ بنے تو پھر جا کر انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر فرمایا، 41ھ ہی میں انہوں نے حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا جیسا کہ پیچھے تفصیل میں گزر چکا۔ اگلے برس یعنی 42ھ میں حضرت راشد یہاں سندھ میں شہید ہوئے تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ فرمایا اور تب تک سن 43ھ شروع ہو چکا تھا۔ اور رہی بات اس کے بعد کی تو 44ھ میں حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ اپنے عہدے سے معزول کر دئے گئے تھے (الکامل فی التاریخ 3/38) تو کیسے انہوں نے جا کر 46ھ میں کسی کو بھیجا؟

[656] تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 1/ 180

[657] قلات جسے اس وقت قیقان یا کیکانان کہا جاتا تھا، ملک سندھ کا ایک بہت بڑا اور اہم ترین علاقہ تھا۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

www.besturdubooks.net

خوش ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر و تعظیم کی۔ اور اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی۔ خدا کا کرنا کہ ابھی آپ دار لخلافت میں ہی تھے کہ سندھ سے خبر آئی کہ قیقانی اپنی عادت سے مجبور ہو کر پھر سے باغی بن گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور وہیں سے اس بار صرف چند سو سپاہیوں کا دستہ لے کر واپس سندھ چلے آئے۔ لیکن افسوس کہ اس بار آپ رضی اللہ عنہ کو حوصلہ مندی نہیں، موت بلکہ شہادت یہاں لائی تھی۔ یہاں قیقانیوں نے اس بار نہ صرف سندھ سے کمک کے لیے فوجی منگوا لیے تھے بلکہ ترکی فوجی بھی بلا لیے تھے جو پہاڑی جنگ لڑنے میں بڑے ماہر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کس راستے سے یہاں آئیں گے، لہٰذا انہوں نے راستے ہی میں جا بجا اپنے سپاہی بٹھا دیے تھے جو اوپر پہاڑیوں سے آپ رضی اللہ عنہ کے لشکر پر پے درپے تیر برساتے رہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان سے برسرپیکار ہوئے تو یہاں سے یہ تازہ دم ہزاروں ترک، سندھی اور قیقانی فوج ان نہتے سینکڑوں عرب مجاہدین پر ٹوٹ پڑے۔ حالات کا جائزہ لے کر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے سربکف مجاہدوں کو للکارا؛

"اے مہاجروں اور انصاروں کے فرزندو! کافروں سے منہ نہ موڑنا، تاکہ تمہارے ایمان میں خلل نہ آئے۔ آؤ! اور درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ۔"

یہ سن کر چند صد مجاہدین اس بے جگری سے لڑے کہ باوجود کثرت کے، دشمن کے اوسان خطا ہو گئے۔ لیکن چونکہ دشمن ایک تو تعداد میں بہت زیادہ تھا اور دوسرا یہ کہ دشمن اوپر پہاڑوں پر اور یہ نہتے عرب سپاہی درے میں محصور تھے، اس لیے دشمن کو انہیں مارنا بہت آسان تھا۔ اس لیے انہوں نے ان کو گھیر لیا تھا لیکن مجاہدین نے ان سے بھی کافی سپاہی واصل جہنم کئے اور پھر خود بھی ایک ایک نے شربت شہادت نوش کیا۔[658]

بلاذری آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں؛

ثُمَّ ولى عَبْد اللَّهِ بْن عَامِر فِي زمن معاوية بْن أَبِي سُفْيَان عَبْد اللَّهِ بْن سوار العبدي، ويقال ولاه معاوية من قبله ثغر الهند، فغزا القيقان فأصاب مغنما، ثُمَّ وفد إِلَى معاوية وأهدى إليه خيلا

[658] تاریخ خلیفہ بن خیاط 1/ 206، المحبر 1/ 154، المعارف 1/ 590، فتوح البلدان 1/ 417، الکامل فی التاریخ 3/ 35، تاریخ ابن خلدون 3/ 8، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب 1/ 240۔

www.besturdubooks.net

قيقانية وأقام عنده، ثُمَّ رجع إِلَى القيقان فاستجاشوا الترك فقتلوه وفيه يقول الشاعر:

وابن سوار عَلَى عدته ... موقد النار وقتال السغب

وكان سخيا لم يوقد أحد نارا غير ناره فِي عسكره، فرأى ذات ليلة نارا فقال: ما هَذِهِ، فقالوا: امرأة نفساء يعمل لها خبيص فأمر أن يطعم الناس الخبيص ثلاثا[659]

حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت 47ھ میں ہوئی، جیسا کہ خلیفہ بن خیاط نے تصریح کی ہے۔

سنة سبع وَأَرْبَعِين فِيهَا غزا عَبْد اللَّهِ بْن سوار الْعَبْدي القيقان فَجمع لَهُ التّرْك فَقتل عَبْد اللَّهِ بْن سوار وَعَامة ذَلِكَ الْجَيْش وَغلب الْمُشْركُونَ عَلَى بِلَاد القيقان[660]

آپ رضی اللہ عنہ بہت ہی سخی اور فیاض انسان تھے۔ جس کی مثال میں ایک واقعہ اوپر عبارت میں بلاذری نے درج کیا ہے۔ صاحبِ چچ نامہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی اس جنگ کی تفصیل کے بارے میں لکھا ہے کہ؛

"تاریخ کے مصنفوں نے مہلب سے اس طرح روایت کی ہے جس کو اس نے ہذلی سے سنا تھا اور ہذلی نے قاسم سے نقل کیا جس کا بیان تھا کہ میں نے نصر بن سفیان سے سنا ہے کہ جب حضرت امیر معاویہؓ خلافت پر مستقیم ہوئے تو انہوں نے عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سواروں کے ساتھ ولایت سندھ پر مامور کیا اور اس مک کی حکومت اس کے حوالے کی اور مزید کہا کہ سندھ میں ایک پہاڑ ہے جسے کیکانان (قیقان) کہتے ہیں، وہاں کے گھوڑے قد آور اور موزوں شکل وشباہت کے ہیں۔ تم سے پہلے وہاں کی غنیمتیں یہاں پہنچ چکی ہیں[661]۔ وہاں کے لوگ غدار ہیں اور اسی پہاڑ کی پناہ کے سبب چشمک اور سرکشی کرتے ہیں۔ ابوالحسن نے ہذلی سے روایت کی ہے کہ اس نے مسلمہ بن محارب بن زیاد سے سنا ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن سوار کو چار ہزار سوار دے کر بھیجا۔ راستے میں کہیں پڑاؤ ڈال کر لشکر میں آپ رضی اللہ عنہ نے

---

[659] فتوح البلدان 1/ 417

[660] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/208

[661] جیسا کہ عرض ہوا کہ حضرت عبداللہ بن سوار عبدی رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ اس ملک سے مال غنیمت لے کر دربار خلیفہ میں حاضر ہوئے تھے۔ اس لیے غالباً حضرت امیر معاویہؓ اسی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ واللہ اعلم

www.besturdubooks.net

دیکھا کہ کوئی شخص آگ جلارہاہے [662]۔اس کے لشکر میں کوئی کوئی آگ نہ جلاتا تھا کیونکہ پکا ہوا سفری کھانا ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ آخر ایک رات لشکر میں روشنی دیکھی تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک حاملہ عورت کو بچہ ہوا تھا، اسے آگ اور حلوہ کی ضرورت تھی [663]۔تب آپ نے تمام لشکر کو حلوہ کھلایا۔اور اللہ کا کرنا کہ جس جگہ آپ نے یہ تاریخی کارنامہ سرانجام دیا تھا یعنی تمام لشکر کو حلوہ کھلایا تھا، آج بھی وہی پہاڑ "حلوائی" سے مشہور ومعروف ہے۔راقم نے خود خضدار جاکر اس کا معائنہ کیا ہے۔ معلومات نہ ہونے کی وجہ سے وہاں کے عوام کو توکیا اہل علم کو بھی اس کے متعلق کچھ پتہ نہیں ہے تبھی تو وہ اس کے متعلق بے خبر ہیں [664]۔دعویٰ سے نہیں بلکہ قیاس اقرب سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس پہاڑی کے نام کا تعلق حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ہے۔واللہ اعلم

پھر جب ملک کیکانان پہنچے تو دشمنوں نے غلبہ کیا لیکن لشکر اسلام نے انہیں شکست دے کر بہت سامال غنیمت حاصل کیا [665]۔اہل کیکانان نے اکٹھے ہو کر پہاڑی راستوں کو جاگھیرا اور چھاپہ مار جنگ شروع ہو گئی۔ عبداللہ بن سوار ہتھیار بند اور خاص آدمیوں کا ایک گروہ ساتھ لے کر جم گئے اور للکار کر انہوں نے کہا؛

---

662 آپ رضی اللہ عنہ نے چونکہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ کوئی بھی شخص آگ نہ جلائیں، تمام تر لشکر کے لیے خوراک کا انتظام ہم کریں گے۔۔ اللہ اللہ! چند آدمیوں کے لیے نہیں، دسیوں بیسیوں اور سینکڑوں کے لیے بھی نہیں بلکہ ہزاروں آدمیوں کے لیے خوراک تیار کرنا، اور وہ بھی ایک سو وقت اور ایک دو دن کے لیے نہیں بلکہ کئی کئی دن۔۔۔ کیا عجب شان تھی جود و سخا کی۔ لمثل ھذا فلیعمل العاملون

663 بلاذری اور ابن اثیر وغیرہ مؤرخین نے اس طرح لکھا ہے کہ ایک عورت کو زچگی کے وقت حلوہ کی ضرورت تھی، اس لیے آگ جل رہی تھی، آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ تین دن تک تمام لشکر کو حلوا کھلایا جائے۔

664 چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ بے مثال سخاوت تاقیامت دائم رکھنی تھی، اس لیے مذکور مقامی پہاڑ کا نام "حلوائی" رکھا گیا۔راقم نے خود جاکر اسے دیکھا ہے۔ گرچہ خضدار کے بعض لوگ اس کے خلاف بتاتے ہیں کہ اصل میں یہ پہاڑ ایک بادشاہ کی وجہ سے "حلوائی" کہلایا جیسا کہ دوسرے باب میں گزر گیا لیکن ڈاکٹر عبدالرحمٰن جیسے محقق حضرات کا بھی خیال ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن سوارؓ کے اس مذکورہ واقعہ کی وجہ سے مشہور ہوا۔وھو علی کل شئ قدیر۔

665 ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں صاحب چچ نامہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ان دونوں حملوں کو ایک کر کے لکھا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی بار جب چار ہزار ساتھیوں سمیت حملہ کیا تھا اس میں کامیابی حاصل کر کے واپس دمشق لوٹے تھے، دوبارہ صرف چند سو ساتھیوں سمیت آئے تھے اور یہیں کے ہو کے رہ گئے۔

www.besturdubooks.net

" اے مہاجروں اور انصاروں کے فرزندو! کافروں سے منہ نہ موڑنا تاکہ تمہارے ایمان میں خلل نہ آئے۔ آؤ! اور درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ۔ "

یہ سن کر اسلام کا پراگندہ لشکر عبداللہ کے جھنڈے کی چاروں اطراف اکٹھا ہو گیا۔ پھر بنی عبدالقیس میں سے ایک بہادر نے باہر نکل کر اپنا مقابل طلب کیا۔ دشمنوں کا ایک سردار آکر اس کے مدمقابل ہوا۔ یاسر بن سوار رضی اللہ عنہ بھی بنی عبدالقیس کے آدمی کے ساتھ چلا اور حملہ کر کے سردار کو ڈھیر کر دیا۔ یہ دیکھ کر اہل کیکانان کا سارا لشکر نکل آیا اور آخرکار اسلامی لشکر نے شکست کھائی۔ سارا پہاڑ مقتول سپاہ سے اَٹ گیا۔ ابوالحسن نے روایت کی کہ میں نے حاتم بن قتیبہ الباہلی سے سنا، اس نے بیان کیا کہ میں بھی اس لشکر میں تھا، میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ نے ایک جوان سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھیوں نے حملے کر کے کتنے ہی دشمن قتل ہے اور مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے شہید ہوا۔ میں مقتولوں کی تلاشی لے رہا تھا کہ مجھے مہروں سمیت سو انگوٹھیاں ملیں۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن عبدی نے کہا کہ میں نے ان کی جنگ کے اشعار سنے ہیں جو کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کہے گئے تھے۔ [666]

مؤرخ جناب عبدالحلیم شرر صاحبؒ نے صاحب چچ نامہ کے اس متذکرہ بالا عبارت پر تبصرہ کر کے لکھا ہے کہ " چچ نامہ کے مصنف نے جو لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار کو چار ہزار سواروں پر سردار مقرر کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ تم جا کر سندھ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لو۔ وہاں جو کوہستان قیقان کے نام سے مشہور ہے اس میں نہایت عمدہ اور پورے قد و قامت کے گھوڑے ہوتے ہیں، اس سے پیشتر وہاں سے گھوڑے آچکے ہیں۔ لیکن وہاں کے لوگ بڑے شریر ہیں اور اپنے کوہستانی دروں کے باعث ہمیشہ سرکشی کے پاداش سے بچ جاتے ہیں۔" یہ غالباً عبداللہ بن سوار کے دوسرے سفر سے متعلق ہے، گو جناب معاویہ کے بیان میں ایسے الفاظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا عبداللہ بن سوار کو پہلے پہل روانہ کر رہے ہیں لیکن یہ الفاظ شاید ناواقف مؤرخین کے ذاتی تصرف سے پیدا ہو گئے ہیں۔ " [667]

---

[666] چچ نامہ، ص104-105

[667] تاریخ سندھ، ص102

www.besturdubooks.net

دراصل شرر صاحب اس عبارت کو صحیح سمجھ نہ پاسکے تھے کیونکہ یہ کسی مؤرخ کے ذاتی تصرف سے نہیں بلکہ خود صاحب چچ نامہ کے اختصار کی وجہ سے ابہام پیدا کر رہے ہیں۔ در حقیقت اس عبارت میں حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی دونوں مرتبہ یہاں آنے کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہی سے جناب شرر صاحب کو غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اگر غور سے چچ نامہ کے اس مندرجہ بالا عبارت کو پڑھا جائے جو ہم ذکر کر چکے ہیں، تو معلوم ہو جائے گا کہ اس میں "جب کیکانان پہنچے تو دشمنوں نے غلبہ کیا لیکن لشکر اسلام نے انہیں شکست دے کر بہت سارا مال غنیمت حاصل کیا" یہاں تک کی عبارت اول بار آنے کی ہے اور اس کے بعد والے الفاظ میں دوسری بار سندھ آنے کی روئیداد ذکر ہے اور بس۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت یاسر بن سوار عبدیؓ

آپ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی اپنے بھائی کی طرح مدرک صحابی تھے۔ اپنے بھائی کے ہم رکاب ہو کر وارد سندھ ہوئے تھے۔ اور ان کے ساتھ بہت ہی گرم جوشی سے مصروف جہاد ہو کر دشمن کے دانت کھٹا کیے۔ بقول محمد اسحاق، آپ رضی اللہ عنہ نہایت اعلیٰ ہمت اور مضبوط دل گردے کے مالک تھے[668]۔ چچ نامہ میں ہے کہ ایک بار سندھ کے کسی علاقے (غالباً قلات) میں بنی عبد القیس کے ایک آدمی کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ دریں اثناء دشمن نے للکارا، دونوں بہادر مجاہدوں نے وہاں قدم جما لیے اور دشمن سے نبرد آزماء ہوئے۔ ان کی بہادری اور دلیری کو دیکھ کر دشمن زیادہ دیر تک نہ سکا اور تھوڑے ہی دیر بعد کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور یوں اللہ تعالیٰ نے یاسر بن سوار رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھی کو سلامت رکھ کر دشمنوں پر فتح دلا دی۔[669]

---

[668] محمد اسحاق، برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، ص 81

[669] چچ نامہ، ص 101

www.besturdubooks.net

حضرت سنان بن سلمہ بن محبق الہذلیؓ

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان خوش قسمت صحابہ میں سے ہوتا ہے جن کا نام خود سردار دو جہاں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے رکھا[670]۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مختلف کنیتی نام کتابوں میں درج ہیں مثلاً ابو عبدالرحمٰن [671]، ابو خُبیب [672]، ابوالقاسم [673]، ابو حبیب [674]، ابو بشر [675]، ابو جبتر، ابوالیسر، ابو جبتن [676]، ابو جبیر اور ابو ختر [677]۔

یاد رہے کہ سنان کے نام سے اور بھی کئی صحابہ ہیں، لیکن ان کے والد کا نام سلمہ نہیں البتہ ایک اور صحابی بنام سنان بن سلمہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہم نام ہیں۔ مترجمین نے ان کے نام کے ساتھ " لیس بابن محبق " لکھا ہے [678]۔ میرے خیال میں یہ سنان بن نبشہ بن سلمہ بن سلمان ہیں، جن کا نام بعض نے بحذف ولدیت صرف سنان بن سلمہ لکھا ہے [679]۔ اسی طرح سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کے نام سے ایک اور صحابی ہیں، جو ہذلی نہیں بلکہ انصاری بیاضی ہیں [680]۔ اور ایک صحابی سلمہ بن سنان انصاری بھی ہیں جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ [681]

---

670 اسد الغابہ، ت 2261

671 ثقات لابن حبان، ت 583

672 طبقات ابن خلیفہ، ت 1520

673 معجم الصحابہ للبغوی، 2/303

674 انساب الاشراف للبلاذی، 11/254

675 تہذیب الکمال، ت 2594

676 التاریخ الکبیر للبخاری، 4/162

677 اسد الغابہ، ت 2261

678 معجم الصحابہ لابن قانع، 1/319

679 طبقات ابن خلیفہ، 1/80

680 یہ وہی صحابی ہیں جو رمضان میں اپنی بیوی سے ملے تھے۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر قصہ سنایا تو آپ ﷺ نے انہیں ساٹھ مزید روزے رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ حضرت سلمہ بن صخر نے بڑی عاجزی کے ساتھ عرج کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایک روزے میں

www.besturdubooks.net

پاکستان(سندھ) میں وارد اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے حضرت سنان بن سلمہ بن محبق الہذلی رضی اللہ عنہ ایک نامور صحابی رسول ﷺ ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ ایک دو نہیں بلکہ کئی بار یہاں آئے اور پھر اپنی مقررہ میعاد(Tenure) پورا کرنے کے بعد یہاں سے بصرہ چلے جاتے تھے۔ تاہم چوتھی اور آخری بار جب یہاں آئے تو بالآخر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ تقریباً تمام مستند اور معتبر کتابوں میں آپ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ موجود ہے[682]۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پاکستان میں لوگ بڑے اختلاف میں ہیں،

یہ حالت ہوئی تو پھر ساٹھ روزوں میں میری کیا حالت ہوگی؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چلو پھر ایک غلام آزاد کر دو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس سر (اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں کہ اس سر) کے علاوہ دوسرا سر نہیں رکھتا یعنی غلام کوئی بھی نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا پھر صدقہ دے دو تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں خود بہت غریب ہوں تو کسی اور کو کیا صدقہ دے دو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا پھر صبر کرو اور بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر بعد ایک صحابی ایک ٹھوکری میں کھجور لے آیا۔ آپ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ جاؤ یہ کھجور لے کر مدینے کے غریب لوگوں پر تقسیم کر لو، اس پر سلمہ رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پورے مدینے میں مجھ سے زیادہ کوئی غریب نہیں، آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا جا تو ہی لے جا۔۔۔ (ثقات لابن حبان، ت 541)

681 آپ کا پورا نام سلمہ بن مسعود بن سنان انصاری ہے۔ (الکامل فی التاریخ لابن اثیر 2/220)

682 انظر عن سنان بن سلمة في:

طبقات ابن سعد 7/ 124 و212، والمصنّف لابن أبي شيبة 13/ 15706، وطبقات خليفة 192، والتاريخ له 209 و212 و213 و236 و297 و308، والتاريخ الكبير 4/ 162، رقم 2337، والتاريخ الصغير 106، وتاريخ الثقات 508 رقم 626، والمعرفة والتاريخ 1/ 333 و3/ 70، وتاريخ اليعقوبي 2/ 234 و236 و292، والبرصان والعرجان 307، وفتوح البلدان 531، والجرح والتعديل 4/ 250 رقم 1079، والمراسيل 67 رقم 105، والثقات لابن حبّان 3/ 178، ومشاهير علماء الأمصار، رقم 249، وجمهرة أنساب العرب 196، والاستيعاب 2/ 82، 83، والجمع بين رجال الصحيحين 1/ 205، ومعجم البلدان 1/ 761 و4/ 105 و613، وأسد الغابة 2/ 357، وتهذيب الكمال 12/ 149- 151 رقم 2594، وتحفة الأشراف 4/ 87 رقم 212، وتجريد أسماء الصحابة 1/ رقم 2522، والعبر 1/ 54، والكاشف 1/ 323 رقم 2176، وربيع الأبرار 1/ 564، والبصائر والذخائر 1/ 283، وجامع التحصيل 233 رقم 267، والوافي بالوفيات 15/ 461 رقم 627 و15/ 471 رقم 633، والتذكرة الحمدونية 2/ 27، وتهذيب التهذيب 4/ 241، 242 رقم 412، وتقريب التهذيب 1/ 334 رقم 536، والإصابة 2/ 131 رقم 3800، وخلاصة تذهيب التهذيب 156، وشذرات الذهب 1/ 55، ورجال مسلم 1/ 294 رقم 635۔

www.besturdubooks.net

پشاوری مدعی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ پشاور میں مدفون ہیں جبکہ خضدار کے لوگ الگ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ خضدار میں دفن ہیں۔ جبکہ خود خضدار کے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت سنان گنداوامیں مدفون ہیں، جیسا کہ آگے تفصیل میں آئے گا۔

علاوہ ازیں آپ رضی اللہ عنہ کب شہید ہوئے اس میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض وہ حضرات جو سرسری مطالعہ رکھتے ہیں، ان کے قلم سے جانے انجانے میں بلا تحقیق کچھ ایسے جملے اور دعوے نکل جاتے ہیں کہ جو ہماری تاریخ کے ساتھ اعتقاد اور علم پر برا اثر چھوڑتے ہیں۔ اس قسم کی تحریرات دیکھ کر سوچا کہ اس اہم مسئلے پر مستقل اور محقق کام کرنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ نہ تو ہماری تاریخ مسخ ہو اور نہ ہی ہم علم کے ہوتے ہوئے کورے کے کورے رہے بلکہ ہم دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان جہاں علم سے بہرہ مند ہیں وہاں ہم حقیقت ماننے والے حقیقی انسان بھی ہیں۔ بہت سارے مسائل ہیں جنہیں ہم بآسانی حل کر سکتے ہیں اور ان کا حل کرانا ہی عصر حاضر کی اشد ضرورت ہے۔ ایسا ہی ایک مسئلہ جو پشاور کے باسیوں کے لیے معمہ بنا ہوا تھا، وہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ کی جائے تدفین کا تعین ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کہاں شہید ہوئے اور کہاں دفن ہوئے؟ ایک طویل جستجو، مطالعہ، کھوج، چھان پھٹک اور تحقیق کے بعد اس موضوع یعنی حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پر ایک مستقل اور مستند مقالہ تیار کیا ہے، امید ہے کہ انشاءاللہ اس سے کئی خدشات دفع ہو جائیں گے۔ تو آئیے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی مکمل سوانح ملاحظہ کیجیے تا کہ ابتداء سے انتہاء تک سمجھنے میں آسانی ہو۔

آپؓ کا شجرہ نسب

آپؓ کا اسم مبارک جیسا کہ عرض ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سنان رکھا۔ آپؓ کے والد کا نام سلمہ اور دادا کا نام صخر تھا، لیکن وہ اپنے نام صخر سے کم اور اپنے لقب "محبق" سے زیادہ مشہور ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب گیارہویں پشت پر نبی کریم ﷺ سے جاملتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شجرہ یہ ہے:

www.besturdubooks.net

سِنَانُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ حُصَيْنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى بْنِ وَائِلِ بْنِ ذايعةَ بْنِ هُذَيْلِ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسِ بْنِ مُضَرَ [683]

مذکور بالا شجرہ امام ابن قانع(م351ھ) کا لکھا ہوا ہے، البتہ ابن مندہ(م395ھ) نے یوں درج کیا ہے۔

سنان بن سلمة بن المحبق والمحبق اسمه: صخر بن عقبة بن الحارث بن حصين بن الحارث بن عبد العزى بن وائل بن هذيل بن مدرك بن إلياس بن مضر بن نزار [684]

ابن حبان(م354ھ) اور ابو نعیم(م430ھ) وغیرہ حضرات نے بھی اسی طرح کے نام لکھے ہیں البتہ خلیفہ بن خیاط(م240ھ) جو ان سب سے مقدم بھی ہیں اور بصری ہیں اور حضرت سنان بن سلمہ بھی بصری تھے، اس نے طبقات خلیفہ میں حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے شجرہ میں جہاں صخر کو والد کا نام عقبہ کے بجائے عبید اللہ لکھا ہے وہاں وائل اور ھذیل کے درمیان دو اور ناموں دایغہ اور لحیان کا بھی اضافہ کیا ہے۔

ان کا درج کردہ شجرہ یہ ہے؛

سنان بن سلمة بن المحبق و اسم المحبق صخر بن عبيد الله بن الحارث بن حصين بن الحارث بن عبد العزى بن وائل بن دايغة بن لحيان بن هذيل [685]

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور قبیلہ ھذیل کے چشم و چراغ تھے۔ ھذیل حضرت محمد ﷺ کے جد امجد مدرکہ کے بیٹے اور خزیمہ کے بھائی تھے۔اس قبیلہ کے لوگ ہذلی یا ہذیلی سے معروف ہوئے۔سنان کے دادا کا نام صخر تھا جیسا کہ امام بخاری، ابن سعد اور ابن عبد البر وغیرہ نے لکھا ہے۔اور امام ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں قیل کے ساتھ ربیعہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض ہوا کہ صخر اپنے نام سے کم ہی جانا جاتا ہے۔ اپنے لقب "محبق "سے زیادہ معروف ہے۔اب رہی اس کے تلفظ کی بات، کہ اس لفظ میں " ع " کلمہ پر کیا پڑھا جائے ؟یعنی محبق میں باء کا فتحہ پڑھا جائے کہ کسرہ؟

---

683 معجم الصحابہ لابن قانع،1/278

684 معرفۃ الصحابہ،1/684

685 طبقات خلیفہ،ت1520

www.besturdubooks.net

تو ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مشہور اس میں فتحہ ہی ہے جیسا کہ محمد میں "ع" کلمہ مشدد ہونے کیساتھ مفتوح بھی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی مُحَبّق میں "ح" کلمہ مشدد اور مفتوح ہے۔ ایسے میں پھر اس کے معنی "مجموعہ متاع" کے ہونگے۔ لیکن لغوی علماء اس کے برعکس بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اصل میں لفظ "ع" کے کسرے کے ساتھ ہے یعنی "مُحَبِّق" ہے بروزن "مُحَدِّث"۔ یہ قول امام زبیدی، عمرو بن شیبہ اور فیروز آبادی کا ہے۔ ایسے میں اس لفظ کے معنی کیا ہونگے؟

تو ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ" میں امام عسکری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس کے معنی "مُضرط" کی طرح ہے یہ بھی چونکہ دشمنوں کے گوز نکالتا تھا، اس لیے اس کا نام محبّق پڑ گیا[686]۔

محبق کے بیٹے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں، جن سے حدیث کی کتابوں میں کئی روایات منقول ہیں۔ مثلاً ابو داؤد میں حدیث نمبر 645، نسائی میں حدیث 1276، ابن ماجہ میں 710 اور مسند احمد میں 2313۔ اس لیے حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ نہ صرف صحابی ہیں بلکہ راوی حدیث بھی ہیں۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی والدہ امامہ بنت التوام تھیں[687]۔

حضرت سنانؓ کی پیدائش

جس سال فتح مکہ ہوا اسی سال بلکہ اسی دن ان دونوں یعنی حضرت سلمہؓ اور حضرت امامہؓ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس سعادت مند بچے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے پیار سے گود میں لیا، تحنیک کیا، اپنے لعاب دہن اس خوش بخت بچے کے منہ میں تھوکتے ہوئے اس بچے کے لیے برکت کی دعا کی اور اس کے بعد جنگ و حرب کی نسبت اور بچے کی دیدہ دلیری کو بھانپتے ہوئے اس کا نام "سنان" رکھ دیا[688]۔

---

[686] الاصابہ، 2/ 231

[687] الاستیعاب، ت1026/ 1520

[688] الجرح والتعدیل، ت1079

www.besturdubooks.net

سردار دوجہاں ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے اسی مبارک نام کو سلمہ رضی اللہ عنہ نے اتنا پسند کیا کہ اسی دن سے اپنی کنیت "ابوسنان" اختیار کرلی[689]۔ امام ابن ابی حاتم (م327ھ) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں؛

عن سنان بن سلمة بن المحبق أبو عبد الرحمن الهذلي قال ولدت في يوم حرب كان للنبي ﷺ فذهب بي أبي إلى رسول الله ﷺ فحنكني وتفل في في ودعا لي و سماني ﷺ سنانا.[690]

یہ روایت کہ حضرت سنان بن سلمہؓ "جنگ والے" دن پیدا ہوئے، دیگر کئی مترجمین نے بھی روایت کی ہے جن میں امام بخاری بھی شامل ہیں انہوں نے اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" میں لکھا ہے؛

قَالَ وكيع حَدَّثَنِي ابْن سنان بْن سَلَمَةَ عَنْ سنان بْن سَلَمَةَ قَالَ ولدت فِي يوم حرب كَانَ للنبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فسماه النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سنانا[691]

اب سوال یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کب اور کس دن پیدا ہوئے، یوم الحرب جیسا کہ روایت میں آیا ہے تو اس سے مراد کونسی جنگ ہے؟ فتح مکہ والا دن مراد ہے یا پھر جنگ حنین؟ کیونکہ دونوں واقعات اسی برس یعنی 8ھ میں واقع ہوئے۔ امام صفدی، امام عسکری، امام مغلطائی اور امام ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حضرت سنانؓ فتح مکہ کے دن پیدا ہوئے[692]۔ جبکہ امام ابن حجر عسقلانی اور امام ابن ابی شیبہ کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش غزوہ حنین کے دن ہوئی۔[693]

یاد رہے کہ فتح مکہ 20 رمضان 8 ہجری بمطابق یکم جنوری 630ء کو ہوا اور غزوہ حنین اس کے سترہ دن بعد 8 شوال 8ھ بمطابق 18 جنوری 630ھ کو پیش آیا[694]۔ چنانچہ بنابر اختلاف حضرت سنانؓ کی پیدائش سن عیسوی

---

[689] طبقات خلیفہ، ت1360

[690] الجرح والتعدیل، ت1079

[691] التاریخ الکبیر، ت2337

[692] اسد الغابہ، 2/560، اکمال تہذیب الکمال؛ ت2252

[693] تقریب التہذیب؛ ت2640، مصنف ابن ابی شیبہ؛ 8/41

[694] ضیاء الرحمٰن فاروقی، رہبر و رہنما، ص68، اشاعت المعارف فیصل آباد، 2002ء

www.besturdubooks.net

کے حساب سے یکم جنوری یا 18 جنوری 630ء کو اور ہجری کے حساب سے 20 رمضان یا 8 شوال 8ھ کو ہوئی اور بنابر اتفاق جنوری 630ء اور 8ھ میں آپ رضی اللہ عنہ اس دنیا میں تشریف لائے۔

جیسا کہ عرض ہوا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ کے والد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا، حضرت سنان رضی اللہ خود فرماتے ہیں؛

قال ولدت يَوْم حرب لرسول اللَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فسماني رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سنانًا [695]

آپ ﷺ نے تحنیک کر کے دعا کی اس کے بعد آپ کے والد جناب سلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اس کو جہاد کے لیے وقف کر دوں اور یہ ساری عمر جہاد کرتا رہے۔ تبھی تو آپ ﷺ نے اس کا نام "سنان" رکھا۔

وقيل: إنه لما ولد قال أبوه سلمة: لسنان أقاتل به في سبيل اللَّه أحب إلي منه، فسماه رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سنانًا (ابن اثیر)

سنان کے لغوی معنیٰ " نیزے کے پھل " کے ہیں۔ واقعی آپ ؓ اسم بہ مسمیٰ ٹھہرے کہ اللہ نے آپ ؓ کو جہاد کے لیے ایسا قبول کیا کہ آخری دم تک آپ رضی اللہ عنہ جہاد و قتال میں مصروف عمل رہے۔

بچپن ولڑکپن

حضرت عتبہ بن غزوان ؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمر ؓ کے حکم سے جب 14ھ میں بصرہ شہر آباد کیا تو ابتداء میں آٹھ سو آدمیوں نے جا کر وہاں سکونت اختیار کی لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ تعداد لاکھوں تک بڑھ گئی [696]۔ چنانچہ ان ہی ابتدائی افراد میں حضرت سلمہ بن محبق ؓ بھی تھے جنہوں نے بصرہ ہجرت کی اور اسے اپنا مستقل مسکن ٹھہرایا [697]۔ اس کے بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی اولاد بصری کہلائی۔ [698]

---

[695] اسد الغابہ، ت 2260

[696] فتوح البلدان، ص 365

[697] معرفۃ الصحابہ لابن مندہ، 1/314

www.besturdubooks.net

لہذا ایک عجیب امر کے تحت حضرت سنان رضی اللہ عنہ پیدائشی مکی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کا بچپن مدینہ میں گزرا، پھر بصرہ چلے گئے اور وہاں رہنے لگے، والی بحرین رہے جبکہ زیادہ تر وقت آپ رضی اللہ عنہ کا یہاں پاکستان میں جہادی کارروائیوں میں گزرا حتی کہ یہاں شہید ہو کر ہمیشہ کے لیے سو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مدینہ میں آپؓ کے بچپن کا ایک واقعہ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں 7/124 پر لکھا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ؛

"جس وقت میں چھوٹا تھا تو مدینہ کے بچوں کے ساتھ ہو لیا اور ہم مدینہ کے ایک نخلستان میں چلے گئے۔ وہاں میں بچوں کے ساتھ زمین پر پڑے کھجور چُن رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں وارد ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی سارے بچے بھاگ گئے لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ میں نے کہا کہ امیر المؤمنین یہ وہ کھجور ہیں جو ہوا سے گر کر زمین پر پڑے تھے، انہوں نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ میں گرے ہوئے کھجور جانتا ہوں۔ میں نے اپنا دامن دکھایا تو جھانک کر کہنے لگے؛ تم نے سچ کہا۔ اور پھر جب انہوں نے مجھے جانے کو کہا تو میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! جونہی آپ چلے جائیں گے تو یہ بچے مجھ پر جھپٹ کر تمام کھجور لے اڑیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ہو لیے اور میں ان کی معیت میں گھر پہنچ گیا۔"

اس لیے کہا گیا کہ کیا عجیب اتفاق ہے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پیدا مکہ میں ہوئے، بچپن مدینہ میں گزارا، پلے بڑھے بصرہ میں اور دفن پاکستان میں ہوئے۔ فیا للعجب

پاکستان میں آمد

47ھ میں حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 48ھ میں بصرہ کے گورنر حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (سندھ و خراسان جن کی زیر کمان تھے) کو لکھ بھیجا کہ ایک قابل سپہ سالار کو منتخب کر کے سندھ روانہ کرو تا کہ وہ وہاں کے حالات بہتر کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سنان بن سلمہ بن محبق الہذلی رضی اللہ عنہ کو سندھ کی طرف

---

[698] تاریخ الاوسط للبخاری، ت1038

www.besturdubooks.net

بھیجا جو نہایت عالم فاضل اور مدبر انسان تھا۔ چچ نامہ میں لکھا ہے کہ؛

"اس تاریخ کی تشریح کرنے والوں نے ہذلی اور عیسیٰ بن موسیٰ سے سنا جس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب عبداللہ بن سوار شہید ہوئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ کوئی ماہر مدبر سپہ سالار سندھ کی طرف روانہ کرو جو حالات کو سنبھالیں۔ جواب میں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ میرے پاس اس کام کے لیے اہل دو آدمی ہیں، ایک احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اور دوسرا حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ، اب آپ رضی اللہ عنہ کی مرضی کہ کس کو بھیجوں؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جوب لکھا کہ احنف بن قیس کو میں دو نافرمانیوں میں سے کس کا انعام دوں؟ ام المؤمنین (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے بے وفائی کا یا پھر جنگ صفین کے دن ہمارے خلاف کوشش کرنے کا؟ اس لیے حضرت سنان بن سلمہ کو روانہ کرو۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے پھر لکھ بھیجا کہ احنف بن قیس، شرف عقل اور قیادت کے اس درجے پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں نہ کوئی حکومت اسے فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ برطرفی اسے کوئی نقصان۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ مکران چلے گئے اور فتوحات حاصل کرنے کے بعد دو سال اور ایک ماہ تک وہاں ٹھہرے رہے[699]۔ امام خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں؛

سنة ثَمَان وَأَرْبَعِين قَالَ أَبُو الْيَقظَان لما قتل عَبْد اللَّهِ بْن سوار كتب مُعَاوِيَة إِلَى زِيَاد انْظُر رجلا يصلح لثغر الْهِنْد فوجهه فَوجه زِيَاد سِنَان بْن سَلمَة بْن محبق الْهُذلِيّ[700]

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ 48ھ میں سندھ آئے اور چند ہی دنوں میں ابتری دور کر کے حالت ایک دم بہتر کر دی۔ مکران، قیقان اور قندابیل کے سرکشوں کو جا دبایا، اور جنہوں نے سامنے آنے کی جرات کی، انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہاں کے نہ صرف حالات سنوارے بلکہ یہاں کی گلیاں کوچے بھی ٹھیک کرائے۔ قدرت نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو قابل رشک صلاحیات سے نوازا تھا جن میں علم، فہم، دور اندیشی، اطاعت رسول اور انتظامی امور کی مہارت شامل ہیں۔

---

[699] چچ نامہ، ص108

[700] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/209

www.besturdubooks.net

بصرہ کو واپسی

قریباً دو سال یہاں گزارنے کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ معزول ہو کر واپس ہونے کو تھے کہ انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ان کے جانے کے بعد حسب معمول مقامی لوگ پھر سے بغاوت کر دیں گے اس لیے انہوں نے والی بصرہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو خبر دار کیا، تب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے قیقان کے فاتح حضرت راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ عنہ کو پھر سے یہ ولایت سونپی، یاد رہے حضرت راشدؒ، حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری نے تصریح کی ہے [701]۔ حضرت راشد رضی اللہ عنہ وہی تھے جنہوں نے 42ھ یا 43ھ میں آکر اس علاقے کو فتح کیا تھا۔ اور بہت سارا مال و اسباب غنیمت میں ساتھ لے گیا تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پہلی بار جب یہاں سندھ آئے تھے تو شہید ہو گئے تھے جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے؛

ثُمَّ استعمل زياد عَلَى الثغر راشد بْن عَمْرو الجديدي منَ الأزد فأتى مكران، ثُمَّ غزا القيقان فظفر، ثُمَّ غزا الميد فقتل وقام بأمر الناس سنان بْن سلمة فولاه زياد الثغر فأقام به سنتين[702]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دو بار آئے تھے اور بلاذری کی یہ عبارت دوسری بار آنے کی ہے جیسا کہ علامہ علی محمد الصلابی لکھتے ہیں؛

فلم يدم المقام لابن سوّار طويلاً في ثغر السند فقد قتلته جماعة من الترك هناك في سنة **47**هـ وفي سنة **48** هـ اختار زياد بن أبي سفيان سنان بن سلمة بن المُحَبَّق الهذلي ليكون والياً على الاقاليم المفتوحة من ثغر السند وما أن وصل سنان إلى هناك حتى تمكن من فتح مدينة مكران(عنوّة) ومصَّرها وأقام بها وضبط البلاد. ولكن سنان لم يمكث هناك سوى سنة أو

---

701 تاریخ الکبیر، تحت ترجمہ 2337

702 فتوح البلدان، 1/418

www.besturdubooks.net

سنتان ثم عزله زياد. وولى مكانه راشد بن عمرو الأزدي، فأتى مكران ثم تقدم في بلاد القيقان، فظفر، ثم اتجه نحو الميد، فقتل هناك [703]

خلیفہ ابن خیاط، بلاذری، حموی، ابن اثیر، ابن عماد، یافعی اور امام ذہبی سمیت تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی مرتبہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مقاتلہ کرکے خوب مال غنیمت حاصل کیا تھا اور جب دوبارہ آئے تو یہاں شہید ہوئے۔[704]

حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ عرب کے بہت ہی شریف خاندان میں سے تھے اور اس کے ساتھ ذاتی لیاقت اور خوبیوں سے بھی آراستہ تھے۔ کم سنی ہی میں اس نے شجاعت کے جوہر دکھادیئے تھے۔ جب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو بصرہ واپس بھیجنا چاہا اور متبادل کسی سپہ سالار کی تلاش میں تھے تو ان ہی دنوں حسن اتفاق سے یہ بہادر سردار امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کیا گیا اور اس کے تمام اوصاف ظاہر کئے گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان اوصاف پر اس کی یہاں تک قدر کی کہ اپنے برابر سریر خلافت پر بٹھایا۔ اس کے بعد تمام افسرانِ فوج کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا کہ راشد ایک بے مثل شخص ہے، تم سب لوگوں کو چاہیے کہ اس کی اطاعت کرو اور اسے معرکہ کارزار میں تن تنہا نہ چھوڑو۔ یہ کہنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا کہ وہ جا کے مہم سندھ سرانجام دیں[705]۔ اس کے ساتھ ہی سندھ میں موجود حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے راشد کو سندھ روانہ کردیا ہے۔ یہ پہنچیں تو باہر آکر ان کا استقبال کرنا اور پھر انہیں وہاں کے حالات سے آگاہ کردینا۔

---

[703] علی محمد الصلابی، معاویہ بن ابی سفیان، 1/443، دار الاندلس مصر 1429ھ

[704] تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/205، تاریخ ابن اثیر 1/36، تاریخ الاسلام 4/10، مرآۃ الجنان للیافعی 1/97، معجم البلدان 3/179، شذرات الذہب 1/271، الدولۃ الامویہ 1/39

[705] تقریباً ہر دو سال بعد یہاں کے والی کو تبدیل کیا جاتا تھا، اس لیے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کئی بار یہاں آئے اور واپس چلے گئے۔

www.besturdubooks.net

حضرت راشد کا اعتراف سیادت

حضرت راشد جب مکران پہنچے تو حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا اور پھر اپنے ساتھ کافی دیر تک بٹھا کر تمام تر حالات سے انہیں خبر دار کیا۔ حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد حضرت راشد رضی اللہ عنہ جب مجلس سے اٹھے تو انہوں نے حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو صائب الرائے سالار اور دور اندیش رہنما پا کر بے اختیار اور برملا اعتراف کر کے فرمایا کہ؛

" خدا کی قسم! سنان ایک عظیم انسان ہیں اور وہ حقیقت میں سرداری کے مستحق ہیں۔"

پھر حضرت راشد رضی اللہ عنہ نے سندھ کے سرحدی بلاد پر فوج کشی شروع کر دی۔ کوہ پایا والوں کے خراج وصول کر کے قیقان پر حملہ کیا۔ وہاں سے موجودہ اور آئیندہ دو سال کا خراج وصول کیا اور بھی بہت سارا مال غنیمت اور لونڈی غلام ان سے اپنے ہاتھ لیے۔ ایک برس قیام کے میں یہ سب کارروائیاں کر کے وہ براہ سیستان واپس ہوا۔ مندر اور بہرج کی پہاڑیوں تک پہنچا تھا کہ کوہستانی لوگوں نے جو مید کہلاتے تھے، پچاس ہزار آدمیوں کے لشکر سے ان پر حملہ کر دیا، ادھر یہ تعداد میں بھی بہت کم تھے اور دوسری بات یہ کہ ان پر اچانک حملہ ہوا، پھر بھی مجاہدین نے بڑی بے جگری سے لڑائی کی اور صبح سے لیکر شام تک باوجود قلت کے، دشمن کے وار خطا کر دئے۔ خوب مقابلہ کرنے کے بعد بالآخر مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ سالار لشکر حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ اس میدان کارزار میں شہید ہو گئے[706]۔

جیسا کہ عرض ہوا کہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ سندھی قوم "مید" سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اسی مید قوم کے متعلق مسلمانوں کے اولیں اور مستند جغرافیہ داں ابن خردازبہ (م280ھ) نے لکھا ہے کہ اس مید قوم کا تعلق سندھ سے ہے جو سندھ کے ساحلی علاقہ میں مقیم ہے جو عرب میں بھی ہے[707]۔ اصطخری (م346ھ) نے بھی اسی طرح لکھا ہے؛

---

[706] چچ نامہ، ص106 -107

[707] المسالک والممالک للخردازبہ، ص62

www.besturdubooks.net

والكفّار فى حدود بلد السند انّما هم البدهة وقوم يعرفون بالميد [708]

سندھ کی اس بڑی قوم کا مذہب بودھ مت تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان کو مید اس لیے کہتے تھے کہ یہ لوگ سمندری ڈاکو یعنی قزاق تھے اور ان کا علاقہ بھی سندھ کا ساحلی علاقہ تھا جیسا کہ قاضی اطہر صاحب نے اپنی کتاب "عرب و ہند عہد نبوی میں" اور سید سلیمان ندوی نے "عرب و ہند تعلقات" میں اس قوم پر تفصیلی و تحقیقی بحث لکھی ہے۔ الحاصل یہ مید قوم اس وقت جٹ (زط) قوم کی طرح سندھ کی ایک بڑی قوم تھی جو نہ صرف سندھ بلکہ عرب میں بھی جابجا آباد تھی۔[709]

حضرت سنانؓ کا دوبارہ پاکستان آنا

بہر حال 50ھ میں جب حضرت راشدؓ شہید ہوئے[710]، اور اس کی خبر حضرت سنانؓ کو پہنچی تو مجبوراً حضرت سنان بن سلمہؓ نے واپس آکر پھر سے فوجی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی اور جب تک والی بصرہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو پتہ چلتا، تب تک آپؓ نے دشمن سے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کا انتقام لے لیا تھا۔ حضرت زیادؓ کو جب خبر ملی تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت سنان بن سلمہؓ کو امیر بنانے کا حکم نامہ جاری کر دیا تھا[711]۔ یہ حضرت سنان بن سلمہؓ کی دوبارہ یہاں سندھ آمد تھی۔ ایک فطری سپہ سالار ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے آپ کا ہر سو چرچہ ہونے لگا تھا۔

---

708 المسالک والممالک للاصطخری، ص176

709 عرب و ہند عہد نبوی میں، ص76

710 تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/211

711 چچ نامہ میں ابن زیاد لکھا ہے جو کہ غلط ہے کیونکہ ابھی حضرت زیاد بقید حیات تھے اور اختیار انہی کے پاس تھا نہ کہ ابن زیاد کے پاس اور یہ واقعہ 50ھ کا ہے۔ جبکہ حضرت زیاد جب 53ھ میں طاعون کے ہاتھوں فوت ہوئے تب جا کر ابن زیاد خراسان کے والی بنے۔ خلیفہ ابن خیاط لکھتے ہیں؛

سنة ثَلَاث وَخمسين

فِيهَا مَاتَ زِيَاد بْن أَبِي سُفْيَان بِالْكُوفَةِ واستخلف عَلَى الْبَصْرَة سَمُرَة بْن جُنْدُب وعَلى الْكُوفَة عَبْد اللَّهِ بْن خَالِد وفيهَا ولى مُعَاوِيَة عبيد الله ابْن زِيَاد خُرَاسَان مَاتَ زِيَاد وَهُوَ ابْن ثَلَاث وَخمسين **(211/1)**

www.besturdubooks.net

حضرت سنان کی کرامات

حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہاں سندھ میں کئی ایک عجیب واقعات پیش آئے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ لشکر آراستہ لے کر کافروں کے مقابلے کے لیے جا رہے تھے کہ راستے میں آپؓ نے خواب دیکھا کہ پیغمبر ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کو فرما رہے ہیں کہ تیرا باپ تیری مردانگی پر ناز کرتا تھا، آج تیرا دن ہے۔ بہت سی ولایتیں تیرے قبضے میں آئیں گی اور ان کی اصلاح ہوگی [712]۔ پھر آپ روانہ ہوئے اور سندھ کے بعض ممالک مکران، قندابیل، ارمابیل وغیرہ اپنے قبضے میں لے کر قیقان جا پہنچے۔[713]

اسی طرح کا ایک عجیب واقعہ جسے خلیفہ ابن خیاط اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں خود ان حضرات کے الفاظ یہ ہیں " لہ خبر عجیب فی الہند"۔ واقعہ کو خلیفہ بن خیاط نے خلیفہ النھیال اور انہوں نے حضرت سنان بن سلمہ کے مولیٰ ابو یمان سے روایت کیا ہے [714]، فرماتے ہیں کہ؛

ہم سنان کے ساتھ قیقان کی لڑائی میں شریک تھے کہ دشمن کی بہت بڑی فوج سے ہمارا آمنا سامنا ہوا۔ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر ہمیں مخاطب کیا؛

" تم لوگوں کے لیے خوشخبری ہے کہ دونوں طرف عظیم نعمتیں ہیں۔ ایک طرف جنت ہے (اگر تم شہید ہو گئے) اور دوسری طرف مال غنیمت ہے (اگر تم غازی بن گئے)۔" بعد ازاں انہوں نے سات (7) پتھر زمین سے اٹھائے اور قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب تم مجھے دیکھو کہ میں دوران جنگ پتھر اٹھا رہا ہوں تو تم بھی میری تقلید کر کے پتھر اٹھاؤ جو تعداد میں سات ہو، پھر جب سورج بالکل سر کے اوپر ہو جائے یعنی دوپہر کا وقت ہو جائے تو تم ایک پتھر دشمن کی جانب پھینک کر تکبیر پڑھو۔ پھر اسی طرح ایک ایک پھینکتے رہو حتیٰ کہ چھٹا بھی پھینک چکو، پھر ساتواں اس وقت پھینک دینا جب سورج وسط آسمان سے (مغرب کی جانب)

---

[712] چچ نامہ، ص108

[713] بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور ان کی حکومتیں، ص108

[714] ابو یمان جس کا نام معلی بن راشد بصری ہے، حضرت سنان بن سلمہ کے غلام تھے اور ان کے شاگرد بھی تھے۔ (قاضی اطہر مبارک پوری، العقد الثمین، ص108)

www.besturdubooks.net

ڈھل جائے (یعنی سہ پہر کے وقت) ۔ پھر سنان رضی اللہ عنہ نے حٰم لا ینصرون تلاوت کی، تکبیر پڑھی اور ہاتھ میں تلوار لے کر میدان میں کود پڑیں۔ ہم نے بھی تلواریں سونت لیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑیں اور ہم نے دشمن کے صف در صف واصل جہنم کیے۔ (جنگ جیت کر) ہم چار فرسخ (تقریباً تیس کلومیٹر) آگے گئے تھے کہ (دریں اثناء وہاں ہمیں) ایک قوم نظر آئی جسے ہم نے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ (اس قوم کے آدمی) عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے، (ان کے سروں پر) سفید پگڑیاں بندھی ہوئی تھی اور وہ ناشنا لوگ تھے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ (تمہارا کیا خیال ہے کہ جنگ تم نے لڑ کر جیتی ہے؟ نہیں بلکہ) اصل میں جنگ تم لوگوں نے نہیں کی، بلکہ انہوں نے کی کہ جو تمہیں نظر تو نہیں آرہے تھے لیکن تھے تمہارے ساتھ ہی۔ (جواب میں) ہم نے کہا کہ یہ تو اللہ کی مدد تھی (جو ہمارے ساتھ شامل حال رہی)۔ پھر ہم واپس آئے (اور واقعی وہ اللہ کی خاص مدد تھی کہ دشمن کے بڑے لشکر کا ہم نے صفایا کیا اور) ہمارا صرف ایک آدمی شہید ہوا[715]۔ اور ہم نے جب اس کا ذکر سنان سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے جس طرح کیا (کہ پتھر اٹھا کر دشمن پر پھینکے، یہ دراصل ہم نے سنت کی پیروی کی کہ) رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے (جس طرح ہم نے کیا اور تب اللہ کی مدد متوجہ ہوئی)۔[716]

عجیب طریقہ جہاد کے موجد

قیقان (قلات) پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہ وہاں پر دو سال تک مقیم رہے۔ اللہ کا کرنا کہ جب آپؓ سندھ میں موجود ہوتے، نہ کوئی شر و فساد ہوتا اور نہ ہی کسی کو بغاوت و سرکشی کرنے کی جرات ہوتی تھی۔ اور سب سے عجب بات یہ کہ اسلامی لشکر سے بھی کوئی بھاگنے اور فرار کرنے کی جرات نہ کرتا جس طرح اس سے پہلے ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کے حل کے لیے ایک عجیب ترکیب سوچی تھی جو نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ جب حضرت سنان رضی اللہ عنہ یہاں سندھ آئے تو یہاں کے حالات کا بغور جائزہ لیا اور نہ

[715] اس واحد مجاہد کا نام علامہ ذہبی نے عبد اللہ بن عباس لکھا ہے جو یہاں شہید ہوا۔ (تاریخ اسلام، 8/4)

[716] تاریخ خلیفہ، 212/1

www.besturdubooks.net

صرف یہاں کے مقامی لوگوں کے مزاج سے اپنے آپ کو آگاہ کیا بلکہ اپنے لشکر کا بھی خوب جائزہ لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے محسوس کر لیا کہ ہمارے لشکر میں بھی ایک خامی ہے کہ یہ جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کی فوج غلبہ حاصل کر رہی ہے تو یہ میدان لشکر سے بھاگ جاتے ہیں۔ گرچہ بعض اوقات بھاگنا بھی بہادری ہے لیکن تسلسل کے ساتھ ایسا کرنا بالکل درست نہیں بلکہ اسلامی تشخص کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی یہاں کے لوگوں کی ایک چال تھی جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا تھا کہ یہاں کے لوگ بڑے چالباز اور دھوکہ باز ہیں، اپنے مخصوص چالوں کے ذریعے مخالف لشکر کو منقسم کر کے انہیں میدان سے بھگانے پر مجبور کرتے تھے، محتاط رہنا۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کے حل کے لیے ایک بہت ہی عجیب حل نکال لیا۔ اپنے لشکر کو جمع کیا اور ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے ان سے ایک حلف لیا کہ جو بھی شخص میدان جنگ سے بھاگے گا تو اس کی منکوحہ بیوی اس پر طلاق ہو گی۔ شاعر نے اسی عجیب و غریب رسم کے قیام پر کیا خوب کہا تھا؛

رأیت ھذیلا أحدثت في یمینھا طلاق نساء ما یسوق لھا مھرا

لھان عَلَی حلفة ابن محبق إذا رفعت أعنا قھا حلقا صفرا[717]

ترجمہ: "میں نے ہذیل (یعنی حضرت سنان بن سلمہ ہذیلی رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی قسم کھانے میں مہر ادا کیے جو عورتوں کو طلاق دینے کی نئی قسم کی ایجاد ہے۔ مگر مجھے ابن محبق (سنان بن سلمہ بن محبق) کی قسم! آسان ہے جبکہ عورتیں گردنیں اٹھا اٹھا کر سونے کی بالیاں دکھائیں۔"

آپ رضی اللہ عنہ کی یہ چال کام کر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی نصرت سے نہ صرف قیقان بلکہ آس پاس کے تمام علاقے اپنے زیر کیے[718]۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بے مثال شجاعت و بسالت، فقاہت و سیاست، تدبر و تفکر اور قائدانہ صلاحیت کے مالک تھے۔ علاوہ ازیں آپ رضی اللہ عنہ بہت بڑے

717 فتوح البلدان، ص418

718 ایضاً

www.besturdubooks.net

عالم دین، عابد زاہد اور خوف خدا رکھنے والے ایک متقی انسان تھے۔ خلیفہ، بلاذری، طبری، ذہبی، ابن حجر، ابن اثیر سمیت تمام مؤرخین نے آپ رضی اللہ عنہ کی علمیت سیادت اور سیاست کی تعریف کی ہے۔[719] آپ رضی اللہ عنہ کا ایسا قابل ستائش ہونا بعید از قیاس نہیں کہ آپ کی پیدائش، والدین، ماحول اور رسول اللہ ﷺ کی دعا کے اثرات بھی تو تھے۔

حضرت سنان کی ولایت

اس بار حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے علاقے میں مکمل امن و امان نافذ کر دیا اور ہر قسم کے باغیوں کو گلا دبالیا۔ اور مدت قلیل میں وہاں فلاح و بہبود کے بہیترے کام کئے۔ ایک طرف آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی قائدانہ صلاحیت کے بل بوتے پر دشمنان اسلام کی بیخ کنی کی تو دوسری طرف اپنی علمیت، پرہیز گاری اور فراست و بصارت سے متاثر کرا کر لوگوں کے دل جیت لیے۔ اس لیے جب تک آپ رضی اللہ عنہ وہاں رہے، ہر طرف شانتی رہی اور ایسے میں اکثر مجاہدین یوں ہی بیٹھے بیٹھے بیزار ہو جاتے تھے۔ تبھی تو مکران میں موجود ایک شاعر اعشی ہمدانی نے اس وقت کہا تھا؛

وأنت تسير إِلَى مكران فقد شحط الورد والمصدر
و لم تك حاجتي مكران ولا الغزو فيها و لا المتجر
و حدثت عنها و لم آتها فما زالت من ذكر آخر
بأن ا لكثير بها جائع و أن القليل بها معور[720]

ترجمہ: "اور تو مکران جاتا ہے، فرود گاہ اور وطن میں بڑا فاصلہ ہو گیا۔ اے مکران! مجھے کچھ تیری حاجت نہیں کہ جہاں نہ جہاد ہے اور نہ تجارت۔ اور میں نے اس کا حال سنا تھا، وہاں آیا تھا اور ہمیشہ اس کے ذکر سے بھاگتا تھا، اس لیے کہ وہاں اکثر لوگ تو بھوکے ہیں اور بعض مقامات وہاں کے خوفناک ہیں۔"

---

[719] تاریخ الاسلام، 4/3

[720] فتوح البلدان، ص418

www.besturdubooks.net

آپ رضی اللہ عنہ چونکہ ایک بہترین منتظم بھی تھے اس لیے آپ نے نظام محاصل قائم کیا[721]۔اور پھر آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی بار قلعہ کے اندر کیز (کیچ) نامی شہر تعمیر کیا اور اسے اپنا مستقر دارالامارہ بنایا۔[722] اب بھی کیز یعنی کیچ میں اس قلعہ کے آثار موجود ہیں۔

حضرت سنان کی معزولی

53ھ میں دو سال گزارنے کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ ایک بار پھر معزول ہوئے اور قدرت کا کرنا کہ اسی سال والی بصرہ حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی طاعون کی وجہ سے فوت ہوئے[723]۔ایک سوال جو بار بار ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ حضرت سنان کیوں بار بار معزول اور تعینات کیے جاتے حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کے یہاں ہونے سے حالات کافی ٹھیک ٹھاک ہوتے؟

تو میرے خیال میں اُس وقت شاید یہ یہاں کے لیے ایک قانون ہوتا تھا کہ ازحد دو سال تک ایک والی اور سپہ سالار یہاں سندھ میں رہ سکتا تھا کیونکہ مسلسل دو سال تک لڑنا اور گھر بار چھوڑ کر دور پردیس میں رہنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔اس لیے عین ممکن ہے کہ حکمت اور عقل کو ملحوظ خاطر رکھ کر ان کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہو۔حضرت سنان سے قبل حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ اور حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی دو بار یہاں آچکے تھے، اور ان کے بعد حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ بھی دوسری بار آکر جام شہادت نوش کر گئے تھے جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

سن 53ھ میں چونکہ بصرہ کے گورنر حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تھے اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود حضرت ابو حرب عباد بن زیادؒ کو سندھ اور سجستان کی طرف بھیجا[724]، ان کے ساتھ اس وقت کا مشہور شاعر ابن مفرغ بھی تھا۔جس نے یہاں سندھ میں آکر کہا تھا؛

---

721 علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، ص31

722 بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور ان کی حکومتیں، ص151

723 تاریخ ابن اثیر، 40/3

724 تہذیب التہذیب، 93/5

www.besturdubooks.net

کم بالجروم وأرض الهند من قدم
و من سرائنك قتلى لا هم قبروا [725]

ترجمہ: بہت سارے گرم ممالک ہیں اور سرزمین ہند (سندھ) میں بہت سے نقش قدم ہیں اور بہت سے سرہنگان (سرداران) قوم ہیں جو شہید تو ہوئے لیکن دفن تک نہ کیے گیے۔

حضرت حکم کے بعد ابن زیاد نے ایک دوسرے لائق فائق سردار حری بن جری باہلی [726] کو والی سندھ بنا کر بھیجا۔ حضرت حری باہلی کے ہاتھوں اللہ نے مسلمانوں کو بہت سے فتوحات پر فخر دینے کا موقع دیا۔ بہت سارا مال غنیمت بھی ان کے ذریعے مسلمانوں کے ہاتھوں آیا۔ الغرض حضرت حری جہاں بھی جاتا، فتح ان کے قدم چھومتی اور کیوں نہ ہوتا ایسا کہ ان کی تربیت حضرت سنان ؓ جیسے جری اور مدبر سالار لشکر نے کی تھی۔

حضرت سنان ؓ کی تیسری بار آمد

اور جب حضرت حکم بن منذر رضی اللہ عنہ سے بھی بات نہ بنی تب ایک بار پھر 62ھ میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سندھ آئے اور یہاں کے حالات ٹھیک کر کے گئے تھے [727] آپ رضی اللہ عنہ 62ھ میں بھی یہاں سندھ آئے تھے لیکن اس کا تذکرہ صرف خلیفہ بن خیاط نے کیا ہے، اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں؛

سنة اثْنَتَيْنِ وَسِتِّينَ فِيهَا غزافيهَا ولى عبيد اللَّه بْن زِيَاد الْمُنْذر بْن الْجَارُود ثغر قندابيل فَمَاتَ الْمُنْذر بالثغر فَخرج الحكم بْن الْمُنْذر بْن الْجَارُود فغلب عَلَى قندابيل فَبعث ابْن زِيَاد سِنَان بْن سَلمَة فَفتح الموقان ثمَّ بعث إِلَيْهَا يَزِيد بْن مُعَاوِيَة بعد ذَلِكَ عَبْد الرَّحْمَن بْن يَزِيد [728]

اس بار آپ رضی اللہ عنہ یہاں کم مدت کیلئے آئے تھے اور میرے خیال میں اسی لیے خلیفہ کے علاوہ کسی اور مؤرخ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اب اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا وجہ تھی، اس بار جلدی واپس ہونے کی

---

725 فتوح البلدان، ص418

726 بعض کتابوں میں جری بن جری لکھا گیا ہے۔

727 تاریخ خلیفہ ص236

728 تاریخ خلیفہ، 1/236

www.besturdubooks.net

تاہم اسی برس یعنی 62ھ میں آئے اور اسی سال واپس بھی لوٹیں۔

حضرت سنان کی آخری بار آمد

حضرت حری رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ یہاں گزار کر واپس وطن کی راہ لی، پھر اسی طرح تابعین آتے رہے حتی کہ 75ھ میں ایک بار پھر سے سندھ مسلمانوں کے ہاتھوں نکلنے لگا تو مجبوراً حضرت سنان بن سلمہؓ کی ایک بار پھر ضرورت محسوس ہوئی اور یوں آپ رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کر دیا گیا، حالانکہ 72ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کو گورنر بصرہ و بحرین مقرر کر دیا گیا تھا[729]۔ لیکن آپؓ نے شاید عہدہ چھوڑ دیا ہو یا پھر آپ رضی اللہ عنہ کو معزول کیا گیا، واللہ اعلم۔ بہر حال پھر جب حجاج بن یوسف 75ھ میں عراق کا گورنر بنا تو اس نے پھر سے آپ رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر کیا اور ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک بار پھر حجاج کے پاس خبر آئی کہ سندھ کے حالات روز بروز ابتر ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے حجاج نے آپؓ کو بلایا اور صورتحال سامنے رکھ دی، آپؓ نے سوچا کہ پہلے بھی اللہ کی رضا کے لیے لڑ چکا ہوں اور اس بار بھی وہی ارادہ ہے اور یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ یہ مہم آپؓ کے بغیر سر کرنا محال نہ سہی مشکل ضرور ہے ۔چنانچہ آپؓ نے سندھ کی راہ لی اور آکر ایک طرف مسلمانوں کو خوشی دی تو دوسری طرف دشمن پر پھر سے قیامت برپا کر دی۔ دشمن بڑا حیران و پریشان تھا اور اپنی روایتی منافقت سے کام چلا کر اس بار حضرت سنان رضی اللہ عنہ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے حضرت سنان بن سلمہؓ کو خضدار میں ایک جگہ یہ کہہ کر بلایا کہ وہ آکر انہیں اسلام کی دعوت دیدیں۔ حضرت سنانؓ خوش ہوئے اور گمان کیا کہ شاید اب وہ اسلام کی طرف راغب ہو چکے ہیں، اس لیے آپؓ چلے آئے اور یہاں یہ روایتی اور وراثتی منافق لوگ گھات لگائے بیٹھے تھے، جونہی حضرت سنانؓ آئے، ان ظالموں نے قبل اس سے کہ حضرت سنانؓ اس چال کو سمجھ کر جوابی کارروائی کر لیتے، ان درندہ صفت لوگوں نے آپؓ پر پے در پے وار کر کے آپؓ کو اسی جگہ بے

---

[729] طبقات ابن سعد، 7/ 89

www.besturdubooks.net

دردی سے شہید کر دیا[730]۔اس جگہ کو خرا وا کہتے ہیں، براہوی زبان میں اس کے معنی بہتر اور خیر والی جگہ کے ہیں جیسا کہ وہاں موجود مولانا شجاع صاحب نے راقم کو بتایا اور تبھی تو ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی نے اس کو خیر آباد کہا ہے۔[731]

حضرت سنان بن سلمہؓ کی شہادت

اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سب سے زیادہ کئی بار پاکستان آکر جہاد کرنے کی سعادت اس عظیم صحابیؓ کو ملی اور پاکستان میں سب سے آخر میں شہادت کے اعلیٰ رتبہ پر بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی فائز ہوئے۔ البتہ آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ واحد صحابی ہیں جن کی نہ صرف تاریخ شہادت کے بارے میں مؤرخین شش و پنج میں مبتلا ہیں، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور موت کے علاوہ، جائے تدفین کے بارے میں بھی لوگ پریشان ہیں۔ اب اللہ ہی بہتر جانے کہ اس میں کیا حکمت ہے بہر حال آپ کی جائے شہادت اور تاریخ شہادت کے بارے میں بہت ہی عجیب اور متضاد روایات اور بیانات پڑھنے کو ملتے ہیں، نیز مقام تدفین کے بارے میں بھی کئی اقوال اور متفرق دعوے پائے جاتے ہیں۔ یہاں پر آپ رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت اور تاریخ شہادت کے بارے میں ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ پاکستان میں مدفون اس عظیم شہید راہ حق کے بارے میں حقائق معلوم ہو سکے۔

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت کے بارے میں 45ھ سے لیکر 93ھ تک کے اقوال پائے جاتے ہیں، اسی طرح جائے تدفین کے بارے میں بھی کئی اقوال موجود ہیں۔ اس باب میں عراق، بصرہ، بدھ، پشاور، گنداواہ اور خضدار میں ہونے کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ امام خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ عراق میں فوت ہوئے[732]۔ امام ابن سعد بھی یہی کہتے ہیں[733]۔

---

730 چچ نامہ، ص108، تاریخ سندھ، ص108۔ چچ نامہ میں صرف اتنا ہی لکھا گیا ہے کہ آپ کو دھوکے سے شہید کر دیا گیا، راقم جس نتیجے پر پہنچا وہ ذکر کر دیا۔

731 ڈاکٹر عبد الرحمٰن خضداری، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں؛ ص126

732 ایضاً، 7/ 159

www.besturdubooks.net

امام ابن حبان کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بصرہ میں فوت ہوئے[734]۔ چچ نامہ کی روایت اور ڈاکٹر عبد اللہ مبشر طرازی کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ بدھہ کے مقام پر شہید ہوئے[735]۔ قاضی عبد الحلیم اثر افغانی کا خیال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پشاور کے نواحی گاؤں چغرمٹی کے مقام پر ایک معرکے میں شہید ہوئے اور پھر یہیں پر بعد ازاں دفن بھی ہوئے[736]۔ جہاں پر آج کل " اصحاب بابا " کے نام سے مزار موجود ہے۔ قاضی اثر صاحب کی اقتدا کرتے ہوئے پروفیسر حافظ مولانا ڈاکٹر محمد طاہر نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت پشاور بتائی ہے [737] اور مؤرخ سندھ مولانا عبد الحلیم شرر[738]، سکالر ڈاکٹر محمد اسحاق[739]، مؤرخ بلوچستان ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی[740]، مولانا سید شجاع الحق شاہ ہاشمی خضداری (بانی و مہتمم جامعہ سنان بن سلمہ خضدار) [741] اور ڈاکٹر فصیح الدین (ڈی آئی جی)[742] جیسے محققین آپ رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت

---

733 طبقات ابن سعد، 1/ 329

734 مشاہیر علماء الامصار، 1/ 71

735 چچ نامہ؛ ص 108، الدکتور عبد اللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، عالم المعرفۃ جدہ السعودیۃ، 1403ھ / 1983ء، ص 152

736 روحانی رابطہ، ص 62

737 ڈاکٹر محمد طاہر، وادی پشاور میں صحابہ کرام، الحذیفہ پرنٹرز پشاور 2010ء، ص 131

738 تاریخ سندھ، ص 102

739 علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، ص 31

740 ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکیشنز کوئٹہ، 1990ء، ص 126

741 راقم نے اس تحقیق میں کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے خضدار کی راہ لی اور 11 اگست 2017ء کو کراچی سے خضدار پہنچا تو حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے نام سے قائم کردہ اسلامی مدرسہ میں مولانا سید شجاع الحق ہاشمی اور مولانا افتخار احمد یمنی نے بندہ کا استقبال کیا۔ ان کا اخلاص، مہمان نوازی اور علم دوستی زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ ان کی صحابہؓ سے محبت خصوصاً حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے عقیدت قابل دید تھی۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے کے باوجود ان میں تعصب اور تشدد بالکل نہیں تھا۔ شہباز گڑھی صاحب حق مولانا روح الامین کے بعد بریلوی مکتب فکر میں راقم نے مولانا شجاع جیسے منجھے اور سلجھے ہوئے لوگ نہیں دیکھے۔ میں ہرگز ہرگز فقدان کی بات نہیں کرتا، تاہم یہ بات مسلّم ہے کہ ان حضرات میں تشدد و تعصب سے پاک لوگ بہت کم ہیں جو مسلک سے ماوراء ہو کر مذہب اسلام کی فوقیت پر نظر رکھتے ہیں اور جو صحیح معنوں میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ راقم واضح کرنا

www.besturdubooks.net

خضدار بتاتے ہیں[743]۔ جبکہ جمیعت علماء اسلام بلوچستان کے صوبائی امیر مولانا فیض محمد (مہتمم دارالعلوم علوم شرعیہ خضدار) نے راقم کو اپنی تحقیق یوں بتائی کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ خضدار میں نہیں ہیں بلکہ وہ یا تو گنداواہ میں آسودہ خاک ہیں اور یا پھر بصرہ میں۔ فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا عبید اللہ خضداری (بانی و مہتمم دارالعلوم خضدار) بھی مولانا فیض محمد صاحب کی تحقیق کو درست گردانتے ہیں[744]۔

یہ تو جائے وفات و تدفین کے بارے میں اقوال تھے، جس پر آگے چل کر بحث کریں گے لیکن پہلے آپؓ کے تاریخ وصال کے بارے میں علماء سیر اور نامور مؤرخین حضرات کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت سنانؓ کی تاریخ شہادت کے بارے میں تحقیق

اس بابت گرچہ بہت بعد میں لیکن تاریخ شہادت کے تعین کے حوالے سے سب سے پہلے جن کا نام آتا ہے وہ ہیں پختونوں کے اپنے عصر کے بہترین محقق اور مؤرخ جناب قاضی عبدالحلیم اثر افغانی (م1987ء)، جو یقیناً ایک ناقابل فراموش شخصیت کے مالک تھے، تاہم یہاں پر خدا جانے وہ کیوں اصلیت تک پہنچنے سے قاصر رہے، بہر حال قاضی اثر صاحب نے اپنی مشہور کتاب " روحانی تڑون " جس کا اردو

چاہتا ہے کہ ہم سب سنی مسلمان ایک ہیں بھلے کوئی اپنے آپ کو دیوبندی، بریلوی یا اہل حدیث کہے۔ لیکن یہ ایک درد دل ہے جو بزبان قلم آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ متعصب اور متشدد چاہے کسی بھی مکتب فکر سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو، اسلام کے صحیح معنوں سے ناواقف ہے۔ رسول اسلام ﷺ کی صرف دو احادیث ذکر کرتا ہوں آپ خود فیصلہ کریں کہ مذکورہ بات میں کتنی وزن ہے۔ ایک، جب کوئی کسی کو کافر کہتا ہے تو کفر کے ان الفاظ کا اگر مخاطب پر اطلاق نہ ہوتا ہو تو کہنے والا خود ان الفاظ کی زد میں آکر کافر بن جاتا ہے۔ دوم، مسلمان کبھی بھی گالیاں بکنے والا اور لعنت ملامت بھیجنے والا نہیں ہو سکتا۔

742 آپ گرچہ ایک پولیس آفیسر ہیں لیکن مطالعہ کے بے حد شوقین ہیں اور پھر اس باب میں تو اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کو صحابہ سے حد درجہ عقیدت ہے۔ آپ چونکہ بلوچستان میں رہ چکے ہیں اور ذوق بھی رکھتے ہیں تو آپ نے وہاں کا کونہ کونہ چھان مارا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے کتابوں کو بھی کھنگال کر کے دیکھا ہے، تو اس مکمل مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کے بعد آپ نے اپنے تجربے سے یہ تجزیہ کیا کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ خضدار میں مدفون ہیں نہ کہ پشاور میں۔

743 تاریخ سندھ از شرر، ص108، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ؛ ص31، بلوچستان میں عربوں کی حکومتیں؛ ص153، جناب فصیح الدین سے انٹرویو بمؤرخہ 27 جولائی 2017 بمقام پی ٹی سی ہنگو۔

744 انٹرویو بتاریخ 14، 15 اگست 2017ء بمقام دارالعلوم خضدار و جامعہ علوم شرعیہ خضدار۔

www.besturdubooks.net

ترجمہ " روحانی رابطہ " کے نام سے ہوا ہے، میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی تاریخ وفات سن 45ھ بتائی ہے۔ خدا جانے کہ قاضی صاحب نے کیسے 45ھ لکھ لیا کہ یہ تاریخ کسی بھی طرح میل نہیں کھاتی کیونکہ 48ھ میں تو پہلی بار حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سندھ یعنی موجودہ پاکستان آئے تھے۔ اس کے بعد وہ تین بار پھر آئے تھے جیسا کہ ان کی تفصیل میں ذکر ہے۔ ایسے میں 45ھ میں پشاور میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا آنا اور پھر ان کی یہاں شہید ہونا اور پھر دفن ہونا سوئی کے ناکے سے اونٹ نکالنے کے مترادف ہے۔

ہاں شاید انہیں حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کے حملے سے ایسا لگا ہو گا کہ شاید ان کے ساتھ حضرت سنان رضی اللہ عنہ بھی تھے! لیکن تعجب ہے کہ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کا حملہ جو کہ پشاور کی حدود پر ہوا تھا تو وہ 44ھ کا واقعہ ہے نہ کہ 45ھ کا۔ جس سے یہ امکان ضرور لگتا ہے کہ اس حملے میں یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے ہوں لیکن ایک تو تاریخ 44ھ ہے اور دوسری بات ان میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے۔ لہٰذا یہ تاریخ، مقام اور حضرت سنان کی شہادت کسی طرح بھی جوڑ نہیں کھاتی۔ بہر حال پشاور میں چغر مٹی کے مقام پر واقع "مزار اصحاب بابا" پر 45ھ لکھا گیا ہے[745]۔

---

745 ملحوظ خاطر رہے کہ اول اول جب راقم کو سرسری معلوم ہوا کہ پشاور میں ایک صحابی بنام حضرت سنان مدفون ہیں تو راقم نے معلوم کرنا چاہا لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا پھر سوچا کہ کیوں نا ایک تحریر لکھ کر فلیکس کی شکل میں آنے والے حضرات کے لیے ایک مشعل راہ کی حیثیت سے آویزاں کیا جائے۔ لہٰذا اب بھی شاید وہی فلیکس وہاں پر موجود ہو لیکن میں یہ واضح کرتا چلوں کہ وہ محض لاعلمی میں لکھی گئی ایک ایسی تحریر تھی جس کا تحقیق سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ یہ تو اللہ بھلا کرے جناب فصیح الدین صاحب کا جو اصل وجہ بنے اس کتاب اور تحقیق کا، ہائے کاش کہ ایسے لوگ فورس کے بجائے یونیورسٹیوں میں کام کر رہے ہوتے !!! کیونکہ تحقیق اور تدقیق کا جو جذبہ اور ذوق شوق میں نے آپ میں نوٹ کیا، بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ تڑپ، اشتیاق، چسکا، سرگرمی اور دل لگی میں نے یونیورسٹی کے پروفیسروں میں بھی نہیں دیکھی۔ حالانکہ یہ سب تو یہاں ہونی چاہئے، یہ بھی واضح کر دوں کہ مجھے جناب سے کچھ لینا دینا نہیں اور الحمدللہ نہ صرف آپ جناب سے بلکہ کسی سے بھی کوئی طمع نہیں کہ کوئی بھی شخص کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے راقم کو بہت کچھ دیا ہے اور سب سے بڑھکر جس غِنا کی بیش بہا دولت سے سرشار کیا ہے، وہ کافی شافی ہے۔ ہاں عربی کی مشہور کہاوت ہے کہ حق بہت کڑوا ہوتا ہے اسے ماننا ہر کسی کی بس کی بات نہیں، راقم گرچہ علمی میدان میں ذرہ برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا لیکن کیا میں بڑے ادب سے ایک دو سوال اس علمی طبقے سے کر سکتا ہوں۔ بے ادبی معاف، ہمارے علمی اداروں میں علم و عمل کا فقدان کیوں ہے اور اگر کہیں علم و

www.besturdubooks.net

اور خضدار میں واقع خراواہ کے مقام پر حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے منسوب مزار پر تاریخ سن 53ھ مرقوم ہے۔اور بلاذری اور حموی وغیرہ مؤرخین کے بیانات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ 50ھ تا60ھ کے دوران ادھر سندھ میں شہید ہوئے۔ تبھی توڈاکٹر عبد اللہ مبشر طرازی کا خیال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ 56ھ میں شہید ہوئے[746]۔

جبکہ دیگر مشاہیر علماء سے اس بارے میں دو اقوال منقول ہیں۔ حجاج بن یوسف جو 75ھ تا95ھ (694ء تا 714ء) یعنی تقریباً بیس سال تک عراق کا گورنر رہا، اس کے اول دور ولایت میں یا آخری دور گورنری میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے۔

تحقیق نظر آئے بھی تو کیا علم اور تعلیم کا مقصد صرف ایک کاغذ کے ٹکڑے (ڈگری) کا حصول ہے یا پھر ریسرچ آرٹیکل کا غرض آگے بڑھنے کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ ایسے میں پھر اپنی علمیت اور انانیت کا دعویٰ بھی؟ اللہ رحم کرے ہم پر اور خصوصاً ہمارے ان خواص حضرات پر کہ جنہوں نے علم اپنی میراث تو سمجھا ہے لیکن کاش وہ علم اور علم کے مقصد کو بھی سمجھ لیں! میں ہرگز ہرگز کسی کو ٹارگٹ نہیں کررہا اور ویسے بھی میں ہوتا کون ہوں کہ خود بھی علم وعمل کے " ع "تک سے بے خبر ہوں، بلکہ میں تو ایک درد دل آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ میں اس گلی کا بڑا ستایا ہوا ہوں۔ اس میدان میں بہت ساری امیدوں کے ساتھ بخوشی آیا تھا، لیکن یہاں خلاف توقع بہت کچھ دیکھ کر بہت ٹھیس پہنچی ہے، تاہم کہتے ہیں کہ " ٹھیس پہنچے بدھ بڑھے " یعنی ٹھوکر کھا کر ہی عقل آتی ہے اس لیے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں۔ہاں مجھے یہ حقیقت تسلیم کرنے میں ذرا برابر بھی تامل نہیں کہ علم وعمل میں شاید ہی اس پوری دنیا میں مجھ سے کورا اور بدتر کوئی ہو اور یہ میں خاکسارانہ نہیں بلکہ محققانہ لکھ رہا ہوں کیونکہ من آنم کہ من دانم، مگر وہ حضرات جو کچھ جاننے بلکہ بہت کچھ جاننے اور کرنے کے دعویدار ہیں، کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے گریباں میں جھانکنے کی کوشش کی ہے؟ نیز ایک اہم نکتے کی طرف بھی اہل علم کا دھیان مبذول کرانا چاہوں گا کہ خدارا! آپ لوگ احساس اور دانائی سے کام لیکر اس میدان میں نووارد طلباء کی حوصلہ شکنی کرنے کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کریں ۔تاکہ وہ آگے چل کر نہ صرف آپ کا بلکہ اپنے وطن اور قوم وملت کا نام روشن کرسکیں۔ان کی کمزوریوں پر انگلی رکھ کر انہیں نشانہ استہزاء بنانے کی بجائے ان کی اصلاح کرکے اپنی علمیت کا صحیح مظاہرہ کریں، سچ پوچھیئے تو یہیں پر علم وجہل کا اصل پتہ چلتا ہے، کہ ان کے ساتھ معاونت کرکے اپنے عالم ہونے کا ثبوت پیش کریں یا اپنی جہالت کا مظاہرہ کرکے ان کا مذاق اڑائیں۔ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہمیں یہی سکھاتی ہیں۔اللہ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[746] الدکتور عبد اللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، عالم المعرفۃ جدہ السعودیۃ، 1403ھ/1983ء، ص152

www.besturdubooks.net

حافظ ابن سعد بصری (م230ھ) اور حافظ خلیفہ بن خیاط بصری (م240ھ) کا ایک قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حجاج کے دور گورنری کے شروع میں فوت ہوئے۔ طبقات ابن سعد میں ترجمہ 1520 کے تحت اور طبقات خلیفہ میں 1/329 پر توفي في اول ولاية الحجاج بن يوسف درج ہے اور طبقات ابن سعد میں ترجمہ 3086 کے تحت اور تاریخ خلیفہ میں 1/308 پر اس کے برعکس توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف لکھا گیا ہے۔ اور پھر اسی دوسرے قول کو دیکھ کر بعد والے تمام علماء سیر و تراجم نے توفي في آخر ولاية الحجاج ہی لکھا۔ ان میں چند ایک ہم یہاں پیش کرتے ہیں؛

ابن حبان نے ثقات ابن حبان میں 3/178 اور مشاہیر علماء الامصار میں 1/71 پر، علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں 2/657 پر، ابن اثیر نے اسد الغابہ میں 2/560 پر، امام مزی نے تہذیب الکمال میں 12/149 پر، علامہ صفدی نے الوافی بالوافیات میں 15/286 پر، علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ اور تہذیب التہذیب میں 4/241 پر، علامہ بدر الدین عینی نے مغانی الاخیار میں 3/520 پر، علامہ ساعدی یمنی نے خلاصہ تہذیب الکمال میں 1/156 پر، فالوفی اثری نے المعجم الصغیر میں 1/224، امام بری نے الجوہرۃ فی نسب النبی میں 1/229 پر یہی لکھا ہے۔ اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں 9/95 پر حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات سن 93ھ لکھا ہے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے 94ھ یا 95ھ لکھا ہے [747]۔ قاضی محمد اطہر مبارک پوری [748] نے بھی اپنی عربی کتاب "العقد الثمین" میں 95ھ لکھا ہے [749]۔

---

[747] برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، ص182

[748] قاضی اطہر مبارک پوری گرچہ اس باب میں ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں تاہم حضرت سنان بن سلمہ کے بارے میں وہ بھی کافی متردد ہیں کیونکہ اپنی عربی کتاب "رجال السند والہند" میں انہوں نے پہلے پہل حضرت سنان کو شامل کر کے لکھا تھا کہ وہ یہاں بدھیہ میں دفن ہوئے تھے لیکن اب جو اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے اس میں سرے سے حضرت سنان کا نام تک نہیں ہے۔ یہ ترجمہ مولانا عبد الرشید بستوی استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند نے "سندھ و ہند کی قدیم شخصیات" کے نام سے کیا ہے جسے مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ کراچی نے 2005ء میں چھاپا ہے۔

[749] العقد الثمین، ص107

www.besturdubooks.net

حضرت سنان کی جائے شہادت کے بارے میں تحقیق

غور کیا جائے تو حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا عراق یا بصرہ یعنی عرب میں ہونے کا کوئی امکان نہیں، کیونکہ ابن سعد اور خلیفہ بن خیاط دونوں بصری ہیں اور سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ بھی بصری ہیں اور ان کے مابین اتنا فاصلہ بھی نہیں کیونکہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ سے ان تک صرف دو راوی ہیں۔ تو اگر حضرت سنان رضی اللہ عنہ واقعی عرب میں وفات پا کر دفن ہوتے تو ایک تو ان کو لازمی پتہ ہوتا کہ کب اور کہاں فوت ہوئے، نہ کہ کبھی عراق اور کبھی بصرہ کا نام لیتے اور دوم، یہ کہ کبھی توفي في اول ولاية الحجاج بن يوسف اور کبھی توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف نہ کہتے بلکہ خاص وقت اور جگہ بتا دیتے۔ ان کا اس بارے میں تشویش اور غیر اطمینان بخش اقوال بلکہ بالفاظ دیگر بے خبری اس بات پر ثبوت ہیں کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ عرب میں خاص کر بصرہ میں فوت اور دفن نہیں ہوئے اگر ہوتے تو انہیں ضرور معلوم ہوتا، لیکن چونکہ ایسا ہوا نہیں اس لیے انہیں تذبذب تھا اور یوں ہی فرما دیا۔ اور سوم، یہ کہ پھر پاکستان میں پشاور اور خضدار میں دو جگہوں پر ان کی تدفین کے دعوؤں کا کیا کریں گے؟ آیئے جائزہ لیتے ہیں، جس کے بعد آپ خود ایک نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کہاں پر ہیں؟

جہاں تک 45ھ، 53ھ یا 61ھ تک کے اقوال ہیں تو یہ درست نہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ 72ھ میں والی بصرہ و بحرین بھی رہے[750]۔ اور پھر 75ھ میں بھی والی بصرہ مقرر ہو چکے تھے[751]، زاں بعد آپ رضی اللہ عنہ کہاں اور کب گئے؟ اس بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ ہاں البتہ اگر دیکھا جائے تو امام خلیفہ بن خیاطؒ کے یہ الفاظ غور طلب ہیں؛

" ثمَّ ولاها عَبْد الْملك ابْن أسيد بْن الْأَخْنَس بْن شريق الثَّقَفِيّ ولاها الْحَجَّاج سِنَان بْن سَلَمَة بْن المحبق الْهُذَلِيّ فَمَاتَ فاستخلف ابْنه مُوسَى بْن سِنَان بْن سَلَمَة فولى الْحَجَّاج سعيد ابْن حسان الأسيدي ثمَّ ولى زِيَاد بْن الرّبيع الْحَارِثِيّ ثمَّ عَزله سنة تسع وَسبعين وَولى

---

[750] تاریخ خلیفہ، 1/291، طبقات ابن سعد 7/89

[751] تاریخ خلیفہ، 1/291،

www.besturdubooks.net

مُحَمَّد بْن صعصعة الْكلابِي فولاها مُحَمَّد بْن صعصعة عَبْد الْملك بْن عَبْد اللَّهِ العوذي فَخرج عَلَيْهِ الريان النكري فهرب عَبْد الْملك وهرب مُحَمَّد وَبعث الْحجَّاج يَزِيد بْن أَبِي كَبْشَة فَقتل الريان وصلبه ثمَّ قفل يَزِيد فولاها الْحجَّاج قطن ابْن زِيَاد بْن الرّبيع الْحَارِثِيّ فَلم يزل عَلَيْهَا حَتَّى مَاتَ الْحجَّاج والوليد عمان بعث إِلَيْهَا الْحجَّاج مُوسَى بْن سِنَان بْن سَلمَة وَذَلِكَ سنة كَذَا وَسبعين" [752]

اور رہی ابن کثیر کی یہ بات کہ؛

سَنَةِ تِسْعِينَ وَفِيهَا تُوُفِّيَ سِنَانُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ ، أَسْلَمَ يَوْمَ الْفَتْحِ، وَتَوَلَّى غَزْوَ الْهِنْدِ، وَطَالَ عُمْرُهُ. [753]

تو یہاں پر چند امور قابل بحث ہیں؛

ایک تو اس عبارت میں ابن کثیر منفرد ہیں کہ آپؒ کے علاوہ کسی ایک مؤرخ نے بھی حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی اتنی عمر نہیں بتائی، دوم یہ کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ بروز فتح پیدا ہوئے تھے نہ کہ مسلمان ہوئے تھے، سوم یہ کہ ابن کثیرؒ آٹھویں صدی کے مؤرخ ہیں جبکہ خلیفہ، ابن سعد، دینوری اور بلاذری وغیرہ حضرات تیسری صدی کے مؤرخین و مترجمین ہیں، اس لیے ابن کثیر کے متذکرہ بالا جملے میں صرف ایک بات درست ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے ہند (سندھ) میں جہاد کیا، باقی آپ رضی اللہ عنہ 90ھ میں فوت ہوئے، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی، تینوں باتیں خلاف واقعہ ہیں [754]۔ میرے خیال میں ابن کثیرؒ نے 90ھ کا یہ سن مؤرخین کے اس قول سے مستنبط کیا ہوگا جنہوں

---

[752] ایضاً، 1/ 297۔

[753] البدایہ والنہایہ، 9/89

[754] جیسا کہ ابن حبان نے ثقات ابن حبان میں 3/178 اور مشاہیر علماء الامصار میں 1/71 پر، علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں 2/657 پر، ابن اثیر نے اسد الغابہ میں 2/560 پر، امام مزی نے تہذیب الکمال میں 12/149 پر، علامہ صفدی نے الوافی بالوافیات میں 15/286 پر، علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ اور تہذیب التہذیب میں 4/241 پر، علامہ بدرالدین عینی نے معانی الاخیار میں 3/520 پر، علامہ ساعدی یمنی نے خلاصہ تہذیب الکمال میں 1/156 پر، فالودی اثری نے المعجم الصغیر میں 1/224 پر تصریح کی ہے۔

www.besturdubooks.net

نے لکھا ہے کہ توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف، اور ظاہر ہے یہی آخری دور تھا حجاج کا، لیکن یہ روایت درست نہیں۔

اس بارے میں سندھ کی تاریخ پر لکھی جانے والی اولیں کتاب "فتح نامہ سندھ" میں لکھا ہے کہ؛

" حضرت سنان بن سلمہ جدھر کا بھی رُخ کرتا، وہاں اچھی نظیر قائم کرتا اور اس طرح بالآخر وہ بدھیہ تک جا پہنچا، جہاں دھوکہ دے کر اسے شہید کر دیا گیا اور جس پر ابن خلاص نے یہ شعر کہے تھے۔۔۔۔"[755]

حلّ بقصدار فأضحى بها　　في القبر لم يقفل مع القافلين

لله قصدا ر و أ عنا بها　　أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين

اب سوال یہ ہے کہ بدھیہ کہاں واقع ہے؟

تو مشہور جغرافیہ دان علامہ اصطخری (م346ھ) بدھہ کے بارے میں لکھتے ہیں؛

وامّا البدهة فانّ مدينتها قندابيل [756]

اگر ہم پرانی تواریخ کا عمیق نظر سے مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قدیم جغرافیہ دانوں نے مکران کی شمال مغربی سرحد پر سندھ کے قریب دو اضلاع کا ذکر کیا ہے۔ ایک طوران جسے آج کل جھالاوان کہا جاتا ہے اور دوسرا بدھ، بدھہ یا بدھیہ جس کو آج کل کچھی کہا جاتا ہے۔ طوران کا مستقر خضدار جبکہ بدھیہ جو اس کے شمال میں واقع تھا، اس کا مستقر قندابیل (آج کا گنداوہ) تھا۔ اس لیے اس سے مراد آج کا علاقہ کچھی ہے جیسا کہ بلوچستان کے مشہور مؤرخ اور محقق جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی نے اس کی وضاحت کی ہے؛

"بدھہ، کچھی کے علاقے کا پرانا نام ہے" [757]۔

اور اردو دائرہ معارف میں بھی قندابیل ہی کو بدھا، بدھہ اور بدھیہ لکھا گیا ہے۔ جو آج کل بلوچستان کے ضلع کچی یا کچھ گنڈاوا سے مطابقت رکھتا ہے۔ اصطخری نے اس کو قصدار سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر لکھا ہے۔[758]

---

[755] چچ نامہ، ص109

[756] المسالک والممالک، ص173

[757] ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکشنز کوئٹہ، 1990ء، ص42

www.besturdubooks.net

یہی لفظ بدھا، ندھا بھی مشہور ہوا، جیسا کہ فتوح البلدان 4/402 میں درج ہے۔
شریف ادریسی (م 563ھ) نے بھی "نزہۃ المشتاق" میں یہی لکھا ہے۔[759]
اس کو بدھہ یا بدھیہ کہنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہاں بدھ قوم آباد تھی[760]۔ شریف ادریسی نے اپنی کتاب نزہۃ المشتاق میں بھی بدھ قوم کی آبادی کو طوران میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں؛
"ملتان کے شمال میں مشرقی طوران سے متصل ایک صحرا ہے، اس صحرا سے منصورہ کی حد تک ایک خانہ بدوش قوم آباد ہے، جسے بدھ کہتے ہیں۔ اس قوم کے قبیلے بڑی تعداد میں طوران، مکران، ملتان اور منصورہ میں بکھرے ہوئے ہیں۔"[761]
بعض حضرات کی رائے میں موجودہ ضلع کچھی گنداوا اور اس کے آس پاس کے علاقے کو بدھہ یا بدھیہ کہا جاتا تھا[762]۔ ڈاکٹر محمد اسحاق بھی بدھیہ کو طوران اور مکران کے قریب علاقہ گردانتے ہیں[763]۔
اور یہ جو ابو ظفر ندوی نے لکھا ہے کہ بدھہ یا بدھیہ ایک بہت بڑا علاقہ تھا[764]۔ تو اس سے مراد بدھ مت کا علاقہ ہے جو اس وقت واقعی بہت بڑا تھا جیسا کہ المسالک والممالک میں درج ہے؛
ومن قامهل الى مكران والبدهة وما والى ذلك الى حدّ الملتان هى كلّها من بلد السند والكفّار فى حدود بلد السند انّما هم البدهة وقوم يعرفون بالميد وامّا البدهة فهى مفترشة ما بين حدود طوران ومكران والملتان ومدن المنصورة وهم فى غربىّ مهران وهم اهل ابل[765]

---

758 اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 16(2)/412
759 نزہۃ المشتاق (قلمی)، بحوالہ ہندوستان عربوں کی نظر میں، دار المصنفین اعظم گڑھ، 1964ء،
760 بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص 41
761 نزہۃ المشتاق قلمی بحوالہ بر صغیر اور عرب مؤرخین از خورشید احمد فاروق، 1976ء، ص 177
762 بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص 41
763 ڈاکٹر محمد اسحاق، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، دار السلفیہ لاہور، 1974ء، ص 46
764 ابو ظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص 91، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد 1989ء
765 المسالک ولممالک، ص 176

www.besturdubooks.net

اس لیے اگر اس سے مراد کوئی علاقہ لیا جائے تو وہ ملتان، طوران[766] اور مکران کے مابین والا علاقہ ہو گا جسے آج کل بلوچستان کہا جاتا ہے۔اور خضدار[767] اس کا ایک اہم شہر تھا۔جیسا کہ قاضی اطہر مبارک پوری نے تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے؛

"علاقہ بدھ، سندھ اور مکران کے درمیان ایک وسیع علاقہ تھا۔"[768]

اور عین ممکن ہے کہ علی مدائنی کو خاص جائے شہادت معلوم نہ تھی اس لیے انہوں نے علاقہ بدھیہ لکھ لیا ہو۔پھر جب بعض انجان اور ناواقف مؤرخین نے اس سے مراد سوات سے لیکر سبی تک کا علاقہ مراد لے لیا[769]، تو اس سے بعد میں آنے والے بعض نابلد لکھاری مثلاً قاضی اثر افغانی وغیرہ حضرات دھوکہ کھا گیے اور یوں سمجھ کر لکھ لیا کہ بدھیہ سے مراد پشاور ہے، حالانکہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ پشاور نامی کوئی بھی شہر یا قصبہ اس وقت موجود نہ تھا اور نہ ہی یہاں کوئی دوسری قابل ذکر آبادی موجود تھی کیونکہ اس کے آس پاس بھی اگر کوئی آبادی ہوتی تو لاہور (صوابی) اور بنوں کی طرح یہاں کا بھی مؤرخین خوامخواہ ذکر کرتے تھے اور دوسری بات کہ پشاور اور بدھیہ کے مابین سینکڑوں میلوں کا فاصلہ ہے، ایسے میں پشاور پر بدھیہ کا اطلاق کرنا محض نابلدی ہے۔اور کمال کی بات یہ کہ قاضی اثر افغانی کے علاوہ کسی بھی مؤرخ نے پشاور کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ یہاں دفن ہیں۔اور دوسری بات یہ کہ پشاور کو آنا یا تو پنجاب کے راستے ہوتا، جو کہ راجہ داہر کے قبضے میں تھا، اور یا پھر قبائلی علاقوں سے ہو کر آنا پڑتا جو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو کر ان کے ہاتھوں سے پھر نکل چکا تھا۔اور تیسرا راستہ خیبر کے راستے یہاں داخل ہونا پڑتا جو نامعلوم،

---

766 طوران کا علاقہ اس وقت قیقان (قلات) ، قصدار (خضدار) ، جھالاوان اور ہنوز ضلع کچھی کے کچھ حصے پر مشتمل تھا۔اصل مرکز اس کا آج کا جھالاوان تھا۔ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی نے مزید جو بھی لکھا ہے، بہت عجیب ہے کہ طوران، سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی یاحی یامحی کے ہیں۔

(ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکشنز کوئٹہ، 1990ء، ص12)

767 یاد رہے کہ خضدار کو اس وقت قزدار یا قصدار لکھا اور بولا کرتے تھے۔

768 قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، ص62

769 ابو ظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص91

www.besturdubooks.net

مہیب اور مشکل ترین تھا کیونکہ افغانستان کا وہ علاقہ جو مسلمانوں کے پاس تھا اب وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ انہوں نے وہاں پر حاکم خراسان کے دو بیٹوں ابو عبیدہ بن زیاد اور یزید بن زیاد کے ساتھ زید بن جدعان، ابو علی بن زید، وصلہ بن الشیم، ابو الصہباء، عمرو بن قتیبہ بدیل بن نعیم وغیرہ کئی نامور حضرات قتل کرکے بغاوت کرلی تھی۔ جنہیں سبق دینے کے لیے حضرت عبد الرحمٰن بن یزید الہلالی کو یہاں بھیج دیا گیا تھا[770]۔ سندھ و ہند کی اسلامی تاریخ پر گرفت رکھنے والے قاضی مبارک پوریؒ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت سنان بن سلمہؓ یہاں خضدار میں شہید ہو کر دفن ہوئے۔ اپنی کتاب "رجال السند والہند" میں لکھتے ہیں؛

ابو الاشعث سے پہلے حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ قصدار کو فتح کرچکے تھے اور وہیں پر ان کا انتقال بھی ہوا۔ شاعر کہتا ہے؛

حل بقصدار فأضحى بها في القبر لم يغفل مع الغافلين

" (حضرت سنان) قصدار (خضدار) آئے تو وہیں مدفون بھی ہوگئے، دوسرے جانے والوں کے ساتھ وہ لوٹے نہیں۔"[771]

قاضی محمد اطہر مبارک پوری کی اس تحقیق سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ خضدار میں شہید ہوئے لیکن اب حل طلب مسئلہ یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ کب اور کس سال پیش آیا؟

ڈاکٹر محمد اسحاق اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ (Contribution of India to the study Of Hadith Literature) " علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ "میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں لکھتے ہیں؛

" 50ھ /670ء میں حضرت سنان کو واپس بلا کر پھر سابقہ عہدے پر بحال کیا گیا پہلے کی طرح اس بار بھی انہوں نے اپنی عمدہ قابلیت کا ثبوت دیا اور قیقان اور بدھ کو فتح کرکے ان پر دو سال تک حکومت کی۔ سنان قصدار میں جس کا موجودہ نام خضدار ہے اور بلوچستان میں واقع ہے، 53ھ (673ء) میں شہید ہوئے۔"[772]

---

[770] تاریخ خلیفہ، 36/1

[771] رجال السند والہند، لقاضی محمد اطہر مبارک بوریؒ، ص68

www.besturdubooks.net

ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

" حضرت سنان کی تاریخ وفات کے بارے میں کچھ الجھاؤ پایا جاتا ہے۔ ابن سعد کے مطابق جس کی اتباع بعد کے ماہرین اسماء الرجال نے کی ہے، سنان کا انتقال حجاج کی ولایت 83ھ تا96ھ (702ء تا713ء) کے آخر زمانے میں ہوا تھا لیکن یہ بعید از قیاس ہے کیونکہ فتوح البلدان اور چچ نامہ دونوں میں لکھا ہے کہ سنان کے عہدہ پر عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے حضرت منذر بن جارود کے تقرر سے قبل سنان کا انتقال ہو گیا تھا۔ قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی صوبوں کے عامل کی حیثیت سے عبید اللہ کا تقرر ہونے کے بعد ہندی مہم کی ذمہ داری سنبھالنے والا افسر المنذر تھا۔ عبید اللہ 57ھ تا67ھ (676ء تا686ء) عامل رہے۔ اس لیے المنذر کا تقرر یقیناً57ھ اور سنان کا انتقال 57ھ سے قبل ہوا ہو گا۔

واقعہ یہ ہے کہ دوسری مرتبہ سنان کا تقرر 50ھ میں ہوا تھا اور وہ سرحدی علاقوں پر دو سال تک حکومت کرتے رہے اس لیے ان کا انتقال یقیناً53ھ میں ہوا ہو گا۔ اگر سنان کا انتقال حجاج کے آخری زمانہ ولایت میں ہوا ہوتا جیسا کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے تو ان کی اور محدث قتادہؒ (68ھ تا117ھ) کی ملاقات ضرور ہوئی ہوتی کیونکہ وہ دونوں بصرہ میں رہتے تھے لیکن ناقدین راویان کی رائے ہے کہ قتادہ نے سنان سے کبھی ملاقات نہیں کی اور نہ ان سے کوئی حدیث سنی۔ چنانچہ یہ واقعہ درست معلوم ہوتا ہے کہ سنان ہند کی سرحد پر شہید ہوئے تھے یعنی 61ھ میں قتادہ کی پیدائش سے سات برس قبل۔ "[773]

ڈاکٹر صاحب نے گرچہ اپنی پوری کوشش کر کے ایک تحقیق سامنے لائی ہے تاہم اس میں چند امور قابل بحث ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت سنان جو دوسری بار 50ھ میں آئے تو کیا وہ دوبارہ نہیں گئے ؟ اور 61ھ تک یعنی اپنی شہادت تک یہیں رہے ؟

---

[772] ڈاکٹر محمد اسحاق ، (Contribution of India to the study of Hadith Literature) ، اردو مترجم "علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ " ترجمہ شاہد حسین رزاقی، لاہور 1977ء، ص31

[773] ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص153

www.besturdubooks.net

جو یقیناً خلاف واقعہ ہے کیونکہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو 53ھ میں معزول کر کے واپس بصرہ بھیجا گیا تھا اور ان کی جگہ منذر بن جارود کو یہاں کی ولایت سونپی گئی تھی، جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے[774]۔ اور جب حضرت منذر معزول ہوئے تو ان کے بعد والی خراسان ابو حرب عباد بن زیاد نے حضرت حکم بن منذر رضی اللہ عنہ کو سندھ کا حاکم مقرر کیا اور پھر ان کے بعد حضرت حری بن حری رضی اللہ عنہ کو یہاں بھیجا گیا[775]۔

اور 61ھ میں جب حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ دوبارہ آکر شہید ہوئے تو ان کے بعد تیسری بار حضرت سنان یہاں آئے اور بقول خلیفہ ابن خیاط 62ھ میں انہوں نے یہاں کے حالات پھر سے ٹھیک کرا دیے[776]۔

اب کیسے مان لیا جائے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ 61ھ میں شہید ہوئے کہ وہ 62ھ میں یہاں آئے تھے؟ اور دوسرا اہم سوال یہ کہ اب ایسے میں کیا کہا جائے کہ اس دوران یعنی 53ھ تا 61ھ حضرت سنان کہاں تھے؟ اگر وہ سندھ ہی میں تھے تو کیا ان کی موجودگی میں بھی حالات پھر سے بگڑ جاتے تھے؟ جو خلاف واقعہ ہے۔ اور کیا وہ ایک اعلیٰ سپہ سالار ہو کر بھی عام سپاہی کی طرح لڑتے رہے؟ چلو مان لیا جاتا ہے کہ وہ ایک عام فوجی کی طرح یہاں موجود تھے لیکن ان کے بارے میں یہ کیوں درج ہے کہ وہ منذر کی شہادت کے بعد 62ھ میں یہاں آئے؟

اور رہی یہ بات کہ ان کا حضرت قتادہ سے ملاقات نہیں ہوئی، اس بات سے قطعاً متعارض نہیں کہ حضرت سنانؓ اس وقت بقید حیات نہیں تھے، کیونکہ علم اسماء الرجال میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی شہر میں ہم عصر ہو کر بھی ایک دوسرے سے نہیں ملے۔ اور پھر جب حضرت سنان رضی اللہ عنہ ایک طرف جہاد کی کارروائیوں میں مصروف تھے اور بصرہ میں ہو کر حکومتی کاموں میں لگے رہتے تھے ایسے میں انہیں

---

[774] تاریخ ابن اثیر، 40/3

[775] چچ نامہ، ص108۔ بعض کتابوں میں جری بن جری لکھا ہے۔

[776] تاریخ خلیفہ، ص236

www.besturdubooks.net

وقت کہاں ملتا؟ اور یہ بھی سوچیے کہ حضرت قتادہؒ کی پیدائش 68ھ ہے جبکہ حضرت سنان 75ھ میں شہید ہوئے تو بھلا چھ سات سال کا بچہ کیسے کسی سے استفادہ کر سکتا ہے؟

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ 61ھ میں آکر شہید ہوئے تو بصرہ کے امامین خلیفہ بن خیاط اور ابن سعد کی اس شہادت کا کیا کریں گے کہ انہوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت سنان 72ھ میں والی بحرین تھے [777]۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا کیا کریں گے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو 75ھ میں حجاج بن یوسف نے والی بصرہ بنایا تھا؟[778]

اور کمال کی بات یہ کہ ڈاکٹر براہوی خود اس کو تسلیم کرکے مذکور کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

" (48ھ میں) حضرت سنان علاقہ بدھ میں شہید کر دیے گیے، غلط ہے کیونکہ وہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں بحرین کے امیر بنائے گئے اور حجاج بن یوسف کے " آخری "[779] دور میں خضدار میں فوت ہوگئے، جہاں ان کا مزار موجود ہے [780] "۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں؛

" قیقان وغیرہ کی فتح کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا امیر مقرر کیا گیا۔ 72ھ عبداللہ بن زبیر کے گورنر مصعب جب بصرہ سے عبدالملک بن مروان سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے تو اس نے آپ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ کی وفات خضدار میں ہوئی جہاں آپ کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے۔"[781]

پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کی تحقیق

یہ تو تین سو سال بعد جب 380ھ میں سبکتگین اور 391ھ میں محمود غزنوی یہاں آئے تو انہوں نے یہاں کے کافروں کو شکست دی اور ان کے ساتھ جو مسلمان جنگ میں شہید ہوئے، انہیں بعد میں یہاں دفن کر دیا

---

777 تاریخ خلیفہ، 1/291، طبقات ابن سعد 7/89

778 تاریخ خلیفہ، 1/291

779 یہاں پھر ڈاکٹر صاحب سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ آخری نہیں بلکہ ابتدائی دور میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

780 ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص118

781 ایضاً، ص152

www.besturdubooks.net

گیا۔ اس مقبرے کو گنج شہیداں بھی کہتے ہیں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس میں آٹھ سو تک شہداء مدفون ہیں۔ اور اس مذکور یعنی اصحاب بابا کی قبر میں بھی اس وقت کے شہداء مدفون ہیں۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کا یہاں سے جب گزر ہوا ہو گا تو شاید ان میں سے کسی صحابی نے یہاں وفات پا کر یا شاید (اگر یہاں آبادی مان لی جائے تو) مقامی لوگوں سے لڑائی لڑتے ہوئے شہادت پائی ہو اور بعد ازاں وہ یہاں پر دفن کیے گئے ہوں، تاہم ایسا کہنا محض احتمال اور قیاس کی بنیاد پر ہو گا، کیونکہ ایسا کوئی ثبوت یا حوالہ ہمارے پاس نہیں جس سے یہ وثوق سے کہا جاسکے کہ یہیں پر اصحاب النبی ﷺ مدفون ہیں[782]۔ اور جیسا کہ عرض ہوا کہ اس باب میں لکھنے والوں یعنی عبدالحلیم شرر، سید سلیمان ندوی، قاضی اطہر مبارک پوری، ڈاکٹر محمد اسحاق، ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی سمیت کسی بھی مؤرخ نے حضرت سنان بن سلمہ کا ذکر کرتے ہوئے پشاور کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے کیونکہ انہیں شاید یہ پتہ بھی نہ تھا کہ پشاوری بھی اپنے ہاں حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے دفن ہونے کے مدعی ہیں، جس کا نہ تو نقلی اور نہ ہی عقلی کوئی تک بنتی ہے لہٰذا ایسا انہوں نے کبھی سوچا تک نہیں۔ اب بدقسمتی سے یہاں کے مقامی لوگوں کو کچھ بھی پتہ نہیں، اگر ایسا ہی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ پشاور میں واقع اس "اصحاب بابا" کی کیا حقیقت ہے؟ اور یہ کون ہیں؟

دراصل یہ بات تب سے مشہور ہوئی جب 1800ء کے لگ بھگ سرتور بابا کی بیوی نے خواب دیکھا کہ یہاں شہداء آسودہ خواب ہیں اور اس نے جا کر ایک لمبی قبر کی شکل بنائی، اور کانوں کان یہ بات مشہور ہوئی کہ یہاں حضرت محمد ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ عنہم اجمعین مدفون ہیں۔ یہ بات مجھے اسی خاتون کے پڑپوتے وکیل خان نے بتائی جو آج کل اسی مزار کے مجاور ہیں، بس پھر کیا تھا، لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ اس مزار اصحاب بابا میں صحابہ دفن ہیں[783]۔

---

782 اگر قاضی اثر صاحب پشاور میں "اصحاب بابا" کے ذکر میں حضرت سنان بن سلمہ کا نام نہ لیتے اور یوں کہتے کہ یہاں صحابہ مدفون ہیں لیکن ان کے نام معلوم نہیں تو شاید ان کی بات مان لی جاتی کیونکہ 44ھ میں حضرت مہلب بن ابی صفرہ کی قیادت میں صحابہ کا یہاں آنا ممکن ہے تاہم ان میں حضرت سنان بن سلمہ کا ورود ایسی بے تکی اور من گھڑت بات ہے جسے تاریخ کا مبتدی بھی ماننے کو تیار نہیں ہے۔

783 اگرچہ اس جگہ کا نام " چغرمٹی " ہے لیکن اب یہ اصحاب بابا سے مشہور ہو گیا ہے۔

www.besturdubooks.net

لیکن اس بات میں بھی سچائی نظر نہیں آتی ہے اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تولازمی طور پر سید احمد شہید کے تذکروں میں اس کا ذکر ملتا کیونکہ ایسا کیسے ممکن ہو سکتا کہ وہ پشاور میں رہ کر یہاں نہ گیا ہو حالانکہ ان کے یہاں پاکستان اور بالخصوص سرحد آنے کے بعد، ان کی پوری سوانح بذریعہ قلم محفوظ ہو گئی تھی اور ویسے بھی انہیں اولیاء کرام اور علماء کرام سے عقیدت تھی تو صحابہ کے ساتھ کیونکر نہ ہوتی۔ غلام رسول مہر صاحب نے " سیرت سید احمد شہید" اور مولانا ابوالحسن علی ندوی نے " تاریخ دعوت وعزیمت" میں پوری تفصیل لکھی ہے کہ سید صاحب اس معاملے میں کس قدر اللہ والوں کے معتقد تھے، یہاں تک کہ گدون میں واقع ایک گاؤں چنئی میں ایک بزرگ کا سن کر ان کے پاس چلے گئے اور پورے تین دن اور تین راتیں انہی کے پاس رہیں، اس بزرگ کا نام چنئی میں جاکر راقم نے معلوم کیا تو" انور شاہ" معلوم ہوا۔ اس کی تفصیل راقم نے اپنی کتاب "تذکرہ علماء صوابی" میں لکھی ہے۔ لہٰذا ان کے عہد یعنی 1831ء تک یہ مزار نہیں تھا۔ اور نہ ہی درانی دور (1759ء تا 1818ء) میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ پھر سکھوں کے دور (1818ء تا 1849) میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ 1849ء میں انگریزوں نے اقتدار سنبھالا تو انہوں نے جہاں ہر کام میں اپنی دلچسپی ظاہر کر دی، وہاں انہوں نے علمی اور تاریخی کام میں بھی اپنی رغبت دکھائی اور وقتاً فوقتاً جہاں خود بھی تاریخ لکھ لی وہاں اپنی سرکردگی اور زیر نگرانی میں دیسی لوگوں کے ہاتھوں بھی مثالی کتب تاریخ مرتب کیں۔ مثلاً صوبہ پختونخوا پر لکھی جانے والی کتاب " تاریخ پشاور" کی مثال لے لیجئے، اس کتاب کو انہوں نے اپنے ایک ہندو اسسٹنٹ کمشنر منشی گوپال داس کے ہاتھوں مرتب کرا کے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ مذکور منشی گوپال داس نے اس دور میں جس محنت، لگن، چاشنی اور تحقیق کے بعد یہ کتاب مرتب کی ہے وہ یقیناً قابل تعریف ہے۔ منشی صاحب نے پورے صوبے کے ہر ہر گاؤں بلکہ یہاں بسنے والے افراد کا بھی ذکر کیا ہے[784]۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ جہاں پشاور سے سینکڑوں دور مختلف جگہوں اور لوگوں کا ذکر کرتا ہے تو ایسے

---

784 گلوب پبلیشرز لاہور سے چھپی 775 صفحات پر مشتمل اس نایاب کتاب میں موجودہ صوبہ پختون خوا، جسے اس وقت صوبہ پشاور کہا جاتا تھا، کے اراضی، اقوام، خوانین، رسوم، طرز زندگی، گاؤں اور دیہات کی تفصیل، ان کی وجہ تسمیہ وغیرہ وغیرہ سمیت بہت کچھ لکھا گیا ہے حتی کہ ہمارے گاؤں بیسک جو کہ صوابی کے علاقہ گدون میں واقع ہے اور جس کے بارے میں آج کی اس سائنس و ٹیکنالوجی کی تیز تر

www.besturdubooks.net

میں ان سے پشاور شہر کے قریب ایک اہم مقام "اصحاب بابا" کیسے رہ گیا حالانکہ انہوں نے نہ صرف پورے صوبے کے تقریباً ہر گاؤں اور قصبے کا ذکر کیا ہے بلکہ اس کی وجہ تسمیہ، وہاں کی مشہور شخصیات اور مزاروں تک کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپ خود اس کتاب کو پڑھ سکتے ہیں، گرچہ پہلے یہ کتاب ناپید تھی لیکن اب یہ انٹرنٹ پر موجود ہے۔ پھر 1897ء میں بھی انگریزی رپورٹس تیار ہوئیں، ان میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہے؟ لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیسویں صدی کے نصف تک یعنی 1950ء تک اس مزار کی کوئی شہرت نہیں تھی۔ اور اگر شہرہ تھا بھی تو آس پاس کے لوگوں تک محدود تھا۔ اس کے بعد قاضی اثر کی بے جا تصدیق اور قضا "اثر" کر گئی اور پھر باہر کے لوگوں کا بھی اس طرف دھیان بڑھنے لگا اور رفتہ رفتہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگی۔

بہر حال 1950ء[785] کے لگ بھگ قاضی اثر صاحب کی یہ انوکھی اور دلچسپ مگر غلط تحقیق "اثر" کر گئی اور اس کے بعد لوگ دھیرے دھیرے اس طرف متوجہ ہونے لگے۔ غلط کیوں کہا گیا؟ جواب میں آپ حضرات خود قاضی صاحب کی عبارت ملاحظہ کیجئے کہ وہ خود اس بارے میں کس قدر مشوش اور متذبذب ہیں کہ ایک ہی عبارت میں انہوں نے کیسے کئی متضاد اور گڈمڈ باتیں کی ہیں، اسے بغور پڑھیے اور پھر تبصرہ بھی دیکھیے، قاضی صاحب لکھتے ہیں؛

دنیا میں بھی شاید ہی کسی کو جانکاری ہو کہ ایسا کوئی گاؤں پختونخوا میں موجود بھی ہے کہ نہیں، لیکن اس کتاب میں اتنا تک لکھا ہے کہ علاقہ گدون میں بانڈہ جات کے علاوہ تین گاؤں ہیں؛ بیسک، گندف اور پابینی۔ آگے لکھا ہے کہ بیسک گاؤں میں عیسی خان نامی ایک بہت دانا آدمی ہے جس کو آس پاس دیہاتوں کے لوگ ہوشیاری کی وجہ سے "لومڑی" بلاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے راقم کی کتاب " شخصیات صوابی" مطالعہ کیجئے گا۔ بہر حال آپ اس سے اندازہ لگالیجئے گا کہ ایسے میں ان سے پاس ہی میں واقع " اصحاب بابا" جیسا اہم مقام کیسے رہ گیا؟؟؟ للعاقل تکفی الاشارہ

785 یہ بھی قطعی نہیں کہا جاسکتا بلکہ اندازتاً لکھا کیونکہ قاضی اثر کی کتاب جس سے اس قبر کی شہرت ہوئی، یقیناً کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کب لکھی گئی، ایک اندازے کے مطابق 1950ء کے لگ بھگ لکھی گئی ہوگی۔ کتاب کی بات ہو رہی ہے، نہ کہ صدری باتوں کی۔ تاہم پھر بھی علمی حلقے میں اس کی نہ تو کوئی اشاعت ہوئی تھی اور نہ ہی کسی نے کوئی وقعت دی کہ اس طرف کسی مؤرخ، محقق یا لکھاری کا دھیان ہی نہیں جاسکتا تھا۔ اللہ جانے کہ اس کے پیچھے کیا حقیقت یا حماقت ہے اور کس کی نادانی ہے جس نے تاریخ کا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

www.besturdubooks.net

" حضرت عبداللہ بن سوارؓ نے جب 42ھ میں قلات میں شہادت پائی تو اس کے دو سال بعد خراسان کے حاکم اعلیٰ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سوارؓ کی مہم پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے حضرت سنان بن سلمہؓ کو یہاں (سندھ) کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت سنان بن سلمہؓ جب ہندوستان (یعنی سندھ) پہنچے تو مکران کے لوگ پھر سے باغی ہو چکے تھے۔ حالانکہ یہ علاقہ آپؓ سے قبل حضرت حکیم بن جبلہ عبدی رضی اللہ عنہ فتح کر چکے تھے۔ حضرت سنانؓ نے بہادری سے یہ علاقہ پھر سے فتح کیا اور بعد ازاں وہاں پر بہیتر ے فلاحی اور انتظامی اقدامات بھی کیے۔ چند دنوں کے بعد خراسان کے حاکم اعلیٰ حضرت زیادؓ نے حضرت سنانؓ کی جگہ راشد بن عمرو جدیدیؒ کو ان علاقوں کا حکمران مقرر کیا لیکن وہ قلات میں ایک جنگ کے دوران اس وقت شہید ہو گئے جب مندڑا اور بھڑوچ قبائل کے پاس پہاڑوں میں مقیم میدنامی قوم کے پچاس ہزار سپاہیوں سے نبرد آزما تھے۔ حضرت راشدؒ کے بعد ایک بار پھر حضرت سنانؓ آئے اور قلات اور کوئٹہ ڈویژن کے علاقے فتح کیے۔ حضرت سنان بن سلمہؓ نے اس بار یہاں پر دو سال گزار کر ہر طرف امن وامان کا بول بالا کیا۔ پھر جنوبی وزیرستان اور ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف سے ہوتے ہوئے بنوں اور کوہاٹ کے علاقے فتح کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اس کے بعد بدھیہ کے شمال میں واقع مٹی اور میچھیؒ وغیرہ علاقوں میں آکر وادی پشاور کے قبائلی لوگوں یعنی مہمند، باجوڑ اور سوات وغیرہ علاقوں کے بدھ مت کے پیروکاروں کے ایک عظیم لشکر سے لڑتے ہوئے 45ھ میں شہید ہوئے۔ حوالہ کے لیے تاریخ بلاذری اور چچ نامہ ملاحظہ کیجئے۔"[786]

اس عبارت میں جناب قاضی موصوف صاحب نے اول میں بتایا کہ 44ھ میں جب عبداللہ بن سوارؓ شہید ہوئے تو حضرت زیادؓ نے حضرت سنان بن سلمہؓ کو یہاں کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ حالانکہ ایک تو 44ھ میں حضرت عبداللہ بن سوارؓ آئے نہیں بلکہ حضرت مہلب بن صفرہؓ آئے تھے۔ جیسا کہ پہلے تفصیل میں گزر چکا ہے اور دوسری بات یہ کہ حضرت عبداللہ بن سوارؓ آئے تھے اور ایک بار بھی نہیں بلکہ دو بار یہاں آئے تھے

---

786 قاضی عبدالحلیم اثر افغانی، روحانی تڑون (روحانی رابطہ)، پشتو سے اردو ترجمہ، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، اشاعت سوم، فروری 2004ء، ص54-55

www.besturdubooks.net

لیکن آپ ؓ کی شہادت 47ھ میں ہوئی تھی نہ کہ 44ھ میں جیسا کہ خلیفہ نے تصریح کی ہے [787]۔ بلکہ 45ھ میں تو حضرت زیاد ؓ حاکم اعلیٰ خراسان مقرر ہوئے تھے۔ دوم، حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن سوار کی شہادت کے بعد پہلی بار یہاں سندھ (پاکستان) کو 48ھ میں آئے تھے جیسا کہ امام خلیفہ بن خیاط بصری فرماتے ہیں؛

سنة ثَمَان وَأَرْبَعِين قَالَ أَبُو الْيَقظَان لما قتل عَبْد اللَّهِ بْن سوار كتب مُعَاوِيَة إِلَى زِيَاد انْظُر رجلا يصلح لثغر الْهِنْد فوجهه فَوجه زِيَاد سِنَان بْن سَلَمَة بْن محبق الْهُذلِيّ [788]

دو سال بعد جب حضرت سنان رضی اللہ عنہ واپس ہونے کو تھے تب انہوں نے والی بصرہ حضرت زیاد ؓ کو خبر دار کیا کہ وہ کوئی دوسرا اسپہ سالار بھیج دیں۔ حضرت زیاد ؓ نے قیقان کے فاتح حضرت راشد بن عمرو جدیدی ؓ کو پھر سے یہ ولایت سونپی، یاد رہے حضرت راشد ؓ، حضرت سنان بن سلمہ ؓ کے شاگرد تھے، جیسا کہ امام بخاری نے تصریح کی ہے [789]۔ حضرت راشد ؓ وہی تھے جنہوں نے 42ھ یا 43ھ میں آکر اس علاقے کو فتح کیا تھا۔ اور بہت سارا مال و اسباب غنیمت بھی ساتھ لے گئے تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ ؓ پہلی بار جب یہاں سندھ آئے تھے تو شہید ہو گئے تھے جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے؛

ثُمَّ استعمل زياد عَلَى الثغر راشد بْن عَمْرو الجديدي منَ الأزد فأتى مكران، ثُمَّ غزا القيقان فظفر، ثُمَّ غزا الميد فقتل وقام بأمر الناس سنان بْن سلمة فولاه زياد الثغر فأقام به سنتين [790]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دو بار آئے تھے اور بلاذری کی یہ عبارت دوسری بار آنے کی ہے جیسا کہ علامہ علی محمد الصلابی لکھتے ہیں؛

فلم يدم المقام لابن سوّار طويلاً في ثغر السند فقد قتلته جماعة من الترك هناك في سنة 47هـ وفي سنة 48 هـ اختار زياد بن أبي سفيان سنان بن سلمة بن المُحَبَّق الهذلي ليكون والياً على

---

[787] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/208

[788] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/209

[789] تاریخ الکبیر، تحت ترجمہ 2337

[790] فتوح البلدان، 1/418

www.besturdubooks.net

الاقاليم المفتوحة من ثغر السند وما أن وصل سنان إلى هناك حتى تمكن من فتح مدينة مكران(عنوّة) ومصَّرها وأقام بها وضبط البلاد. ولكن سنان لم يمكث هناك سوى سنة أو سنتان ثم عزله زياد. وولى مكانه راشد بن عمرو الأزدي، فأتى مكران ثم تقدم في بلاد القيقان، فظفر، ثم اتجه نحو الميد، فقتل هناك [791]

خلیفہ ابن خیاط، بلاذری، حموی، ابن اثیر، ابن عماد، یافعی اور امام ذہبی سمیت تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی مرتبہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مقاتلہ کر کے خوب مال غنیمت حاصل کیا تھا اور جب دوبارہ آئے تو یہاں شہید ہوئے۔[792]

سوم، قوم مید کے ساتھ جنگ حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے نہیں بلکہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کی تھی جیسا کہ اوپر عبارت میں نظر آرہا ہے۔

چہارم، بالفرض محال اگر قاضی صاحب کی بات مان بھی لی جائے کہ 44ھ میں حضرت سنان بن سلمہؓ آئے تھے، تو اسی مذکور عبارت میں قاضی موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ جب یہاں آئے تو باغیوں کا قلع قمع کیا، پھر حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ پھر جب حضرت راشد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت سنان رضی اللہ عنہ یہاں آئے اور پھر سے یہ علاقے فتح کیے اور اس کے بعد دو سال گزارے۔ آپ مذکور عبارت بغور پڑھیے، کیا ایسا ممکن ہے کہ 44ھ میں آکر علاقے فتح کرکے کوئی چلا جائے پھر ایک مدت کے لیے دوسرا آئے اور پھر جب وہ شہید ہو جائے تو یہ آکر دو سال بھی گزارے اور جب یہ شہید ہونے لگے تو 45ھ میں شہید بھی ہو جائے؟ فیالعجب

پنجم، کسی بھی کتاب میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، کوہاٹ، پشاور اور وزیرستان آنا ثابت نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ موجودہ بلوچستان کے جنوب شمالی حصہ میں آئے تھے یعنی

---

[791] علی محمد الصلابی، معاویہ بن ابی سفیان، 1/ 443، دار الاندلس مصر 1429ھ

[792] تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/ 205، تاریخ ابن اثیر 1/ 36، تاریخ الاسلام 4/ 10، مرآۃ الجنان للیافعی 1/ 97، معجم البلدان 3/ 179، شذرات الذہب 1/ 271، الدولۃ الامویہ 1/ 39

www.besturdubooks.net

مکران، قلات اور خضدار وغیرہ ملحقہ علاقوں میں نہ کہ باقی بلوچستان، چہ جائیکہ قبائلی علاقہ جات اور وادی پشاور میں آپ رضی اللہ عنہ کا آنا۔ چچ نامہ اور فتوح البلدان تو کیا، کسی بھی کتاب میں اس کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ ششم، قاضی صاحب کو دراصل جس لفظ سے یہ غلط فہمی لاحق ہوئی ہے، وہ ہے بدھیہ۔ اس عبارت سے قبل انہوں نے اس پر ایک لاحصل بحث چھیڑی ہے کہ چونکہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ بدھیہ میں شہید ہوئے اور پشاور بھی بدھیہ کا حصہ تھا، اس لیے اسی بدھیہ سے مراد، پشاور ہی ہے۔ حالانکہ اس بدھیہ پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے کہ یہ موجودہ بلوچستان کا حصہ تھا نہ کہ پختونخوا۔

اس لیے کہا گیا کہ اصحاب بابا کی تاریخ اتنی بھی پرانی نہیں۔ بلکہ اس کی شہرت دو دہائیاں پیشتر تک پھر بھی اتنی عام نہیں ہوئی جیسا کہ اب ہے وگرنہ ڈاکٹر محمد اسحاق، قاضی اطہر مبارک پوری اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن جیسے محققین کے سامنے ضرور اس کا تذکرہ آتا اور وہ اس کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے۔ ان کا اس بارے میں لاعلمی اس پر بین ثبوت ہے کہ یہ بعد میں گڑی ہوئی وہ من گھڑت بات اور افواہ ہے جس کی حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ واللہ اعلم

اس پر آپ حضرات میرا تحقیقی رسالہ بنام " حضرت سنان بن سلمہ اور پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کا تحقیقی جائزہ" ملاحظہ کر سکتے ہیں جس میں مَیں نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ پشاور میں نہیں ہیں۔ ویسے بھی یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ عرض ہوا کہ ایک تو پشاور میں اس وقت کوئی آبادی نہیں تھی۔ اور دوسری بات یہ کہ پشاور کو آنا یا تو پنجاب کے راستے ہوتا، جو کہ راجہ داہر کے قبضے میں تھا، اور یا پھر قبائلی علاقوں سے ہو کر آنا پڑتا جو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو کر ان کے ہاتھوں سے پھر نکل چکے تھے۔ اور تیسرا راستہ خیبر کا تھا کہ اس راستے یہاں داخل ہونا پڑتا تھا جو نامعلوم، مہیب اور مشکل ترین تھا کیونکہ افغانستان کا وہ علاقہ جو مسلمانوں کے پاس تھا اب وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا، انہوں نے وہاں پر حاکم خراسان کے دو بیٹوں ابو عبیدہ بن زیاد اور یزید بن زیاد کے ساتھ زید بن جدعان، ابو علی بن زید، وصلہ بن الشیم، ابوالصہباء، عمرو بن قتیبہ بدیل بن نعیم وغیرہ کئی نامور حضرات قتل کر کے بغاوت کر لی

www.besturdubooks.net

تھی۔ جنہیں سبق دینے کے لیے عبد الرحمٰن بن یزید الھلالی کو یہاں بھیج دیا گیا تھا[793]۔ تاہم ابھی حالات درست نہیں تھے۔ خود سوچیے کہ ایسے میں کوئی کیسے اُس راستے پر "پشاور" آسکتا تھا؟

عبد الحلیم شرر 1907ء میں چھپی جانے والی کتاب "تاریخ سندھ" میں فرماتے ہیں؛

حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے بعد فتح قصدار (خضدار) وہیں قیام کیا یہاں تک کہ داعی اجل نے انہیں آغوش لحد کے خواب نوشین میں سلا دیا۔ شاعر ان ہی کے مرثیہ میں کہتا ہے؛

حلّ بقصدار فأضحى بها   في القبر لم يقفل مع القافلين

لله قصدا ر و أ عنا بها   أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين![794]

ترجمہ اشعار: وہ یعنی حضرت سنان قصدار میں داخل ہوا اور پھر جب دیکھا تو قبر میں تھا۔ مجاہدین کے لشکر کیساتھ واپس نہ آیا۔ اللہ اللہ! قصدار اور اس کی وادی نے کیسے جوان دنیا و دین کو قبر کے سپرد کر دیا۔[795]

ان اشعار سے گرچہ یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ عبد الحلیم شرر اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت سنان بن سلمہ خضدار میں دفن ہیں تاہم ان اشعار کا مصداق حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ انہی اشعار کے متصل بعد بلاذری نے حضرت سنان کے یہاں سندھ آنے کا ذکر کیا ہے۔ تو وفات ہونے کے بعد کیسے کوئی جہاد کے لیے آسکتا ہے؟ بلاذری کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ خضدار اس سے قبل حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے منذر سے قبل فتح کیا تھا۔ پھر متصلاً لکھا وبھا مات تو یہیں سے غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ اس میں ضمیر کس کی طرف راجع ہے؟

اصل میں شرر صاحب کو غلط فہمی بلاذری کی بات سے پیدا ہوئی، بلاذری کی عبارت ملاحظہ ہو؛

---

[793] تاریخ خلیفہ، 36/1

[794] فتوح البلدان، ص419

[795] تاریخ سندھ، ص108۔

www.besturdubooks.net

ثُمَّ ولى زياد المنذر بْن الجارود العبدي ويكنى أَبَا الأشعث ثغر الهند، فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبث السرايا في بلادهم، وفتح قصدار وسباها، وكان سنان قَدْ فتحها إلا أن أهلها انتقضوا، وبها مات فقال الشاعر----

جملہ معترضہ کی وجہ سے مولانا عبدالحلیم شرر صاحب کو اشتباہ ہو گیا ہے وگرنہ اس کے بعد کی عبارت یوں ہے؛

ثُمَّ ولى عُبَيْد بْن زياد بْن حرى الباهلي، ففتح اللَّه تلك البلاد عَلَى يده وقاتل بها قتالا شديدا فظفر وغنم ، وقال قوم: أن عُبَيْد اللَّه بْن زياد ولى سنان بن سلمة بن المحبق ، [796]

الحاصل اس "مات" میں ضمیر حضرت منذرؓ کی طرف راجع ہے نہ کہ حضرت سنانؓ کی طرف۔

حضرت حری باھلی رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی ہیں، اصل میں وہ حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت حکم بن منذر رضی اللہ عنہ کے بعد آئے تھے جیسا کہ دوسرے باب میں تفصیل سے گزر گیا ہے۔ حضرت منذرؓ 62ھ میں شہید ہوئے اور اسی برس حضرت سنانؓ آئے ضرور مگر بہت کم مدت کے لیے [797]۔اور جیسے ہی حضرت حکم آئے تو حضرت سنانؓ واپس بصرہ چلے گئے۔ حضرت حکم رضی اللہ عنہ ایک سال کے بعد 63ھ یا64ھ میں واپس ہوئے تب حضرت حری رضی اللہ عنہ آئے۔ ان کی یہ آمد 65ھ میں ہوئی ہو گی کیونکہ دوڈھائی سال تک سالار لشکر کی تعیناتی ہوتی تھی گرچہ ڈاکٹر عبداللہ مبشر طرازی کی تحقیق کے مطابق حضرت حری رضی اللہ عنہ 64ھ تا68ھ تک یہیں رہے [798]۔ 62ھ کے بعد حضرت سنان کا ذکر 72ھ میں ملتا ہے جب وہ والی بحرین تھے اور پھر اس کے بعد 75ھ میں جب حجاج نے انہیں والی بصرہ بنایا [799]۔ لیکن اس کے بعد ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔90ھ ،93ھ ،95ھ وہ قیاسیات

---

[796] فتوح البلدان، ص419

[797] تاریخ خلیفہ، ص236

[798] الدکتور عبداللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، عالم المعرفۃ جدہ السعودیۃ، 1403ھ /1983ء، ص156

[799] تاریخ خلیفہ، 1/ 291

www.besturdubooks.net

ہیں جو ابن سعد اور خلیفہ کے اس قول توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف سے لیے گئے جو کہ سراسر بے بنیاد ہیں۔ ایک بار اس پر تحقیقی بحث گزر گئی ہے جسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

حاصل تحقیق

تقریباً دو سال مسلسل تحقیق کرنے کے بعد جس نتیجہ پر بندہ کم فہم پہنچا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ 75 ہجری میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ بصرہ سے خضدار آئے ہی تھے کہ مقامی لوگوں نے انہیں دھوکہ سے ایک جگہ بُلالیا اور وہاں انہیں شہید کر دیا، بعد ازاں وہیں پر آپ رضی اللہ عنہ کو دفن بھی کیا گیا۔ اس مقام کو آج کل خِراوا کہا جاتا ہے، جو ضلعی پولیس اسٹیشن سے قریباً تین کلومیٹر اور خضدار ائیر پورٹ سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ راقم نے خود جا کر ان کے مزار کی زیارت کی ہے[800]۔

راقم نے جا کر خضدار میں اسی مقصد کے لیے پانچ دن گزارے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی نتیجہ پر پہنچ جاؤں۔ اس سلسلہ میں خضدار کے بریلوی اور دیوبندی ہر دو مکاتب فکر کے معروف، مستند اور سنجیدہ علماء سے ملاقاتیں کیں۔ جن میں بریلوی مکتب فکر کے مولانا شجاع الحق شاہ[801]، مولانا افتخار احمد یمنی اور مولانا محمد عارف قلاتی جبکہ دیوبندی علماء میں فاضل دیوبند مولانا عبید اللہ

---

[800] بتاریخ 13 اگست 2017ء

[801] مولانا سید شجاع الحق شاہ ہاشمی ایک نوجوان عالم دین ہیں۔ ان کے آباء واجداد کا تعلق افغانستان کے علاقہ کونڑ سے ہے۔ وہاں سے یہ لوگ بلوچستان کے علاقہ مستونگ میں آکر آباد ہوئے۔ آپ کے جد امجد سید معروف شاہ کو 1148ھ میں والی افغانستان احمد شاہ ابدالی نے آکر یہ ملحقہ علاقہ دے دیا تھا۔ یہ خط ابھی تک آپ کے پاس محفوظ ہے۔ بہر حال شجاع الحق صاحب مستونگ سے خضدار آگئے اور یہاں آکر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا نام آپ نے "سنان بن سلمہ" رکھ دیا۔ نیز آپ نے ایک عظیم الشان مکتبہ بھی قائم کر کے علم سے دلی وابستگی کی مثال قائم کر دی۔ بقول ان کے پورے صوبہ بلوچستان میں اس لائبریری کی مثال نہیں۔ راقم نے بھی اس مکتبہ سے خوب استفادہ کیا اور چونکہ آپ خود مطالعہ کے شوقین ہیں اس لیے آپ نے کافی معلومات فراہم کیں۔ آپ کی تحقیق یہ تھی کہ حضرت سنان بن سلمہ یہیں خضدار میں مدفون ہیں۔ اور کمال کی بات یہ کہ بریلوی ہو کر بھی بدعات و خرافات کے مخالف ہیں۔ آپ کے ساتھ مولانا افتخار یمنی بھی ایک لائق فائق اور سلجھے ہوئے نوجوان عالم دین ہیں۔ کاش! بریلوی مکتب فکر کے تمام علماء ایسے بن جائیں۔

www.besturdubooks.net

خضداری[802]، مولانا فیض محمد خضداری[803] اور مفتی امداداللہ شامل ہیں۔دونوں طرف کے علماء کے متضاد بیانات سننے کو ملے۔بریلوی حضرات اس بات پر مصر تھے کہ حضرت سنان بن سلمہؓ یہیں خضدار میں آسودہ خاک ہیں جبکہ دیوبندی حضرات اس کا برابر انکار کرتے رہے۔جہاں تک میں نے محسوس کیا تو اصل میں دیوبندی حضرات اس لیے تردید کرتے رہے کہ ایک تو حضرت سنان کے بارے میں انہیں کوئی خاص اور ٹھوس ثبوت نہیں ملی تھی اور دوسری معقول بات جو وہ حضرات کر رہے تھے وہ یہ کہ اگر خضدار میں ان کی موجودگی مان بھی لی جائے تب بھی جگہ تو متعین نہیں ہے۔اور جہاں تک مذکور مزار کا تعلق ہے تو یہ حضرات اس لیے منکر ہیں کہ انہیں ڈر ہے کہ کہیں ان کے مزار پر میلہ اور عرس وغیرہ کے نام سے بدعات جاری نہ ہو جائے۔کوئی مانے یا نہ مانے،واقعی میں بہیترے بدعات وخرافات پاک وہند کے اکثر مزارات پر اسلام سے ناواقف لوگوں کی وجہ سے دیکھنے کو مل رہی ہیں۔لیکن کیا اس وجہ سے کسی مزار سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ مثلاً آپ لاہور کے حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کو دیکھ لیجئے۔جنہیں نادان لوگوں نے "داتا"[804] بنا دیا ہے، تو کیا اس وجہ سے حضرت علی ہجویریؒ کے مزار سے انکار کیا جا سکتا ہے؟

---

[802] مولانا عبیداللہ خضداری نے 1984ء میں دارالعلوم دیوبند (انڈیا) سے مکرر دورہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی اور بعد ازاں تدریس سے منسلک ہوئے۔آپ نے خضدار میں " دارالعلوم خضدار " کے نام سے ایک عظیم مدرسہ کی بنیاد رکھی جہاں سینکڑوں طلباء دور دور سے آکر اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں۔آپ علم الصرف اور علم النحو میں ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔راقم نے 14 اگست 2017ء کو آپ سے آپ کے قائم کردہ جامعہ میں تفصیلی نشست کی اور رات بھی گزاری۔بڑے اللہ والے صاحب دل انسان ہیں۔اللہ علم وعمر میں اضافہ فرمائے۔آمین

[803] جیسا کہ پہلے گزر گیا مولانا فیض محمد صاحب صوبہ بلوچستان کے امیر جمیعت علماء اسلام ہیں۔خضدار میں کوشک کے مقام پر واقع جامعہ علوم شرعیہ کے بانی و مہتمم ہیں۔آپ نے راقم کو بتایا کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے اپنی کتابوں میں یہ درست نہیں لکھا ہے کہ حضرت سنان بن سلمہ یہاں خضدار میں مدفون ہیں۔فرمایا کہ میں قاضی ہارون کو ساتھ لے کر کوئٹہ ان کے ہاں چلا گیا اور ان سے عرض کیا کہ یہ آپ نے کیا ہنگامہ بپا کر دیا ہے؟

[804] گرچہ داتا کے معنی اردو میں خدا کے علاوہ سخی، درویش، دینے والے اور فقیر کے بھی آتے ہیں لیکن کیا ہم خالق کے معنی "پیدا کرنے والا" کسی چیز کے مؤجد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟ اسی طرح رزاق" روزی رساں" اور رحمان، مہربانی کرنے والے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں جس کی ممانعت ثابت ہے؟(المقصد الاسنی لغزالی 1/ 63)

www.besturdubooks.net

اہل تصوف اور اہل اللہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ جتنا کوئی بندہ اللہ کے قریب ہوتا ہے اس کی قبر میں اُس قدر زیادہ روحانیت اور جاذبیت ہوتی ہے۔ اہل سنت والجماعت ایک طرف اگر قبر پرستی کے مخالف ہیں تو دوسری طرف وہ قبور کی بے حرمتی کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ اور یہی اہل سنت کا خاصہ ہے کہ یہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کے قائل ہیں[805]۔

قطعی طور پر کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ واقعی یہی مزار حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ نہیں تاہم اس سے انکار بھی تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ امکان سے تو پھر بھی خالی نہیں ہے۔ اب اس زمانے میں مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے لوگ تو ہیں نہیں جو بذریعہ کشف دیکھ کر ہمیں بتائیں کہ سنان کہاں ہیں[806]۔ اس کے بغیر قطعیت کا دعویٰ ہرگز ٹھیک نہیں ہے جو کوئی نہیں کر سکتا ہے اور اگر کوئی کرے بھی تو وہ جانب بحق نہیں ہوگا۔ اپنا تو حال ہی بتانے والا نہیں کہ پوری دنیا میں شاید ہی کوئی مجھ جیسا سیاہ کار ہوگا لیکن ان مقدس ہستیوں سے عقیدت اور جنون کی حد تک محبت کی وجہ سے کچھ اشاروں کا ملنا بعید از قیاس نہیں بہرحال ایک مشاہداتی تجربہ آپ کے سامنے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ راقم جب 13 اگست 2017ء بروز اتوار عصر کے چھ بجے حضرت سنان بن سلمہؓ کے مذکور مزار کے لیے شہر خضدار سے راونہ ہوا تو یقین جانیے ایک عجیب کیفیت سے دوچار تھا۔ دل میں ہیجان، زبان پر درود شریف، روح کی بے چینی اور چشم پرنم کے ساتھ رواں دواں تھے کہ ایک مزار کے پاس ہماری کار جا کر رکی۔ چونکہ راقم نے اس سے پہلے کبھی زیارت نہیں کی تھی اس لیے مجھے وہ مزار معلوم نہیں تھا اور نہ ہی ساتھیوں نے بتایا کہ یہ کس کی قبر ہے۔ ہم لوگ ایسی قبر کے پاس جا کر کھڑے ہوئے جس پر کچھ لکھائی یا کتبہ یا کسی قسم کی تحریر بھی نہیں تھی جس سے نشاندہی کی جا سکتی تھی بہرحال ہم نے

تفصیل کے لیے عقائد میں فقہ اکبر، عقیدہ طحاویہ، النبراس، الاقتصاد اور شرح عقائد وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔

805 بدقسمتی سے ایک طائفہ نے جہاں قبر پرستی کو اپنا شیوہ بنادیا ہے تو دوسرے گروہ نے مزارات کی بے حرمتی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور اسے افراط و تفریط کہتے ہیں جو کہ شریعت اسلامیہ میں درست نہیں ہے۔

806 یعنی میرے علم میں نہیں ہیں۔

www.besturdubooks.net

دعا کی لیکن خدا جانے مجھے کیسے اندر سے آواز آئی کہ یہ قبر تو صحابی کی ہر گز نہیں ہو سکتی۔ جب مزار سے باہر نکلے تو ساتھیوں سے پوچھا آیا یہی وہ قبر ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ سنان بن سلمہ یہیں مدفون ہیں؟ نہیں جی! ابھی ہم نے وہاں جانا ہے یہ تو اس راستے سے گزر رہے تھے تو سوچا بی بی مریم گیلانی کا مزار بھی آپ کو دکھائیں جو ایک بڑی نیک عورت ہو گزری ہیں۔ تب جا کر دل مطمئن ہوا اور اسی بے قراری و بے چینی کیساتھ ہم آگے بڑھے، چند ساعات کے بعد ہم ایک سادہ کمرہ کے سامنے رُک گیے۔ چونکہ اس سے پہلے بھی ہم جا بجا ملاقات کے لیے رکے تھے اس لیے یوں معلوم ہو رہا تھا کہ ساتھیوں کو جاتے جاتے کوئی اور کام یاد آگیا ہے اور کسی سے ملنے کے لیے ہم یہاں رکے ہیں لیکن نجانے کیوں دل سے آواز آئی کہ نہیں یہی وہ منزل مقصود ہے جس کے لیے تم نے سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کیا ہے۔ ایک ساتھی نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔ داخل ہوتے ہی میرے اعضاء جیسے سُن ہو گئے ہوں، دل دَھڑکنے لگا، دماغ ماؤف ہو گیا، زبان پر قفل لگ گیا اور آنکھیں برسنے لگیں۔ خدا جانے کیوں وجدانی کیفیت مجھے بار بار یہی بتا رہی تھی کہ یہی تیرا منزل مقصود تھا۔

وہاں مقیم ایس پی اصغر علی یوسفزئی صاحب (آف مرغز صوابی) نے بھی راقم کو بتایا کہ یہیں پر حضرت سنان بن سلمہ کا مزار ہے۔ ڈی آئی جی فصیح الدین صاحب[807] نے بھی راقم کو مزید بتایا" کہ اس پر ایک گنبد بھی بنا

[807] جناب فصیح الدین صاحب جو کہ ایک پی ایس پی آفیسر ہیں اور پھر پولیس میں بھی آپ ڈی آئی جی جیسے ایک ذمہ دار منصب پر فائز ہیں، ایسے میں لکھنے پڑھنے کے لیے وقت نکالنا، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو علم سے کتنی دلچسپی ہے۔ اور صرف عام معلومات تک محدود نہیں بلکہ آپ تحقیق و تدقیق کے مشتاق ہیں، اس کا اندازہ پشاور میں ورسک روڈ پر آپ کی قائم کردہ ریسرچ لائبریری سے لگایا جا سکتا ہے۔ جس میں اردو، عربی، پشتو اور انگریزی کی کئی نایاب اور قیمتی کتابیں موجود ہیں۔ راقم بھی کبھی کبھار وہاں جا کر اپنی علمی تشنگی بجھاتا ہے۔ آپ نے تین کتابیں لکھی ہیں اور کبھی کبھار کالم بھی لکھتے ہیں۔ آپ نے حضرت سنان بن سلمہ پر دو کالم لکھے تھے جو روزنامہ آج پشاور اخبار میں چھپے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ہی کی ترغیب پر راقم نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پر ایک تحقیقی رسالہ لکھا تھا۔ کہ جب آپ نے بتایا کہ ایک صاحب نے "اصحاب بابا" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے لیکن بد قسمتی سے اس کتاب میں اصل موضوع کو چھوڑ کر متعلقات پر خوب بحث کی گئی ہے، اور افسوس کی بات یہ کہ صاحب کتاب عالم فاضل ہونے کے ساتھ پی ایچ ڈی بھی ہیں بلکہ ایک سرکاری جامعہ میں پروفیسر کے عہدے پر متمکن ہیں، شاید میں ان باتوں پر کوئی خاص توجہ نہ دیتا اگر جناب فصیح صاحب اس کے بعد والے

www.besturdubooks.net

تھا جو کہ 1935ء کے زلزلے میں گر گیا تھا۔" تاہم اس پر تاریخ شہادت غلط لکھی گئی ہے۔ میرے خیال میں کسی نے ویسے ہی اٹکل لکھ دیا تھا جیسا کہ پشاور کے مقام چغر مٹی میں واقع " مزار اصحاب بابا" پر اٹکل سے سن 45 ھجری لکھا گیا ہے۔

حضرت سنان بن سلمہ ؓ صحابی تھے کہ تابعی؟

ایک اور اہم بحث جو ہر حال میں قابل ذکر ہے وہ یہ کہ آیا حضرت سنان بن سلمہ صحابی تھے کہ تابعی؟ اس بارے میں امام سیوطیؒ نے اپنی مشہور کتاب تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ علماء اسماء الرجال یہاں آپ طرفین میں بٹ گئے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ صحابیت کے لیے عقل و فہم شرط ہے کہ وہ سن تمیز تک پہنچ گیا ہو، تب وہ صحابی ہیں وگرنہ پھر وہ تابعی ہو گا۔ لہٰذا امام ابن سعد، ابوزرعہ، حافظ عجلی، ابن ابو حاتم اور ابن معین وغیرہ حضرات اسی قاعدے کی رو سے حضرت سنان کو ثقہ اور کبار تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب کے علماء کا خیال ہے کہ سن تمیز شرط نہیں ہے بلکہ جو عہد رسول اللہ ﷺ میں پیدا ہوا، وہ صحابی ہے۔ اور رہی بات حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی تو جب اس کو آپ ﷺ نے گود میں لے کر تحنیک کیا اور نام بھی رکھا اور دعا بھی کی تو ایسے میں ان کو کیوں کر صحابی نہ کہا جائے؟

الفاظ نہ بولتے۔ کہنے لگے کہ تعجب اس مؤلف پر نہیں کہ اس دور قحط الرجال میں ایسی بے شمار کتابیں لکھی جا رہی ہیں جنہیں نہ پڑھنا شاید پڑھنے سے بہتر ہے کہ وہ مزید معلومات دینے کے بجائے دل و دماغ میں شکوک و شبہات پیدا کرتی ہیں، بہر حال یہ تو ایک طرف لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ اس پر فلاں اور فلاں صاحبان علم کی تقاریظ ثبت ہیں۔ بس یہ بات سننے کی دیر تھی کہ میں مزید ضبط نہ کر سکا کیونکہ دونوں میرے اساتذہ ہیں۔ میں نے انہیں اس وقت جواب دیا کہ جناب! اصل میں ہمارے علماء ایک تو ظنوا مومنین خیرا کے تحت ہر کہ ومہ پر خیر کا گمان کرتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ ان کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہوتا ہے کہ پوری کتاب دیکھ لیں اور انہیں جب یہ معلوم ہو جائے کہ صاحب کتاب عالم فاضل ہے تو وہ فوراً اس کے دلجمعی کے لیے ایک آدھ صفحہ لکھ دیتے ہیں۔ لیکن آپ فکر نہ کریں، انشاء اللہ آپ اُن صاحبان علم کے اس نالائق شاگرد کو بہت جلد دیکھ لیں گے کہ یہ آپ کی دلی تمنا پورا کرلے گا۔ پھر ایک عرصہ تک مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنے کے بعد ایک رسالہ لکھ کر انہیں دکھایا تو بہت خوش ہوئے۔ بہر حال آپ کی علم دوستی قابل دید و قابل داد ہے۔ اللہ کرے ہمارے سارے افسران اسی طرح علم دوست اور علم پرور بن جائیں۔ آمین

www.besturdubooks.net

لہٰذا حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ صحابی ہی ہیں۔ لہٰذا خلیفہ ابن خیاطؒ، امام طبرانیؒ، امام بخاریؒ، ابن حبانؒ، ابن عبدالبرؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، ابن ابی عاصمؒ، امام ہیثمیؒ، ابن فندمہؒ، امام ذہبیؒ، ابن کثیرؒ، امام دارمیؒ اور امام ابن اثیرؒ وغیرہ حضرات، حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو صحابی مانتے ہیں۔[808]

آپ کی مرویات

آپ رضی اللہ عنہ بطل شجاع ہونے کے ساتھ ساتھ راوی حدیث بھی ہیں، تاہم وفات نبی ﷺ کے وقت چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی عمر صرف تین سال تھی اس لیے ظاہر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خود تو رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا نہیں البتہ اپنے والد محترم حضرت سلمہ بن محبقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے حضرات سے روایت کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام مزیؒ فرماتے ہیں؛

رَوَى عَن النَّبِيّ صلى الله عليه وسَلَّمَ ، وعَن أَبِيهِ سلمة بْن الْمُحبّق ، وعَبد اللَّهِ بْن عباس ، وعُمَر بْن الخطاب.رَوَى عَنه: حبيب بن عَبد اللَّهِ الأزدي ، وخالد الابنج، وسلمة بْن جنادة الهذلي، وقَتَادَة وقيل: لم يسمع منه ومعاذ بْن سعوة الرقاشي الراسبي من قيس عيلان، ونحاز بْن جدي - ويُقال: ابن حدي، ويُقال: ابن حوي الحنفي، وهارون بْن رئاب.وكَانَ من الشجعان الأبطال الفرسان.[809]

آپ رضی اللہ عنہ کی روایات تقریباً پندرہ ہیں جن میں اکثر مراسیل ہیں[810]۔ حضرت سنان بن سلمہؓ کی مرویات کتب حدیث واسماء الرجال میں یہ ہیں؛

صحیح مسلم میں حدیث نمبر 725، ابوداؤد میں 646، ترمذی میں 1820، ابن ماجہ میں 1265، نسائی میں 305، مسند احمد میں 340، مستدرک حاکم میں 1879، بیہقی میں 4759، مصنف ابن ابی شیبہ میں 15706، الکنی والاسماء للدولی میں 401، تفسیر ابن ابی حاتم میں سورۃ اعراف آیہ 32 کے تحت، طبقات ابن سعد میں

---

808 تفصیل کے لیے راقم کا رسالہ بنام "حضرت سنان بن سلمہ اور پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کا تحقیقی جائزہ" مطالعہ کیجیے۔

809 تہذیب الکمال فی اسماء الرجال لامام المزیؒ (م742ھ)، 12/150

810 وادی پشاور میں صحابہ کرام، ص73

www.besturdubooks.net

ترجمہ 2998، تاریخ الکبیر للبخاری میں 900، تاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ میں ت 4083، معجم الصحابہ للبغوی میں ت 651، معجم الصحابہ لابن قانع میں 1 /278 پر، دار قطنی میں 1 /527، معرفۃ الصحابہ لابن مندہ میں 1 /561، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم میں ت 2597، 3410، 3609، 3616، 3615، 5529، الاستیعاب لابن عبد البر میں ت 708، الاکمال لامام ماکولا میں 4 /316، 7 /256، تہذیب مستمر الاوہام میں 1 /296، ابن عساکر میں 1 /93، 94، اسد الغابہ میں 2261، 4125 اور دیگر کتب میں بھی ان کی روایات ذکر ہیں، تاہم ان پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد طاہر نے آپ رضی اللہ عنہ کی روایات جمع کر کے ان کی خوب تشریح کی ہے۔ اس لیے راقم نے اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا[811]۔

حضرت منذر بن جارود عبدیؓ

آپ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت جارود رضی اللہ عنہ تھے۔ علماء کا کہنا ہے کہ آپ کا اپنا نام بشر[812] تھا لیکن قبیلہ بکر بن وائل کے خلاف جہاد کرنے کی وجہ سے جارود سے مشہور ہوئے۔ ایک شاعر نے کہا تھا؛

قدّسناهم بالخيل من كلّ جانب　　كما جرّد الجارود بكر بن وائل[813]

یاد رہے کہ حضرت منذر کے والد جارود "بشر" سے مشہور تھے۔ چچ نامہ میں بشر کو جارود کے باپ کا نام لکھا گیا ہے جو کہ سہو ہے۔ جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے شجرہ میں لکھا ہے؛

---

[811] ڈاکٹر محمد طاہر کی کتاب " وادی پشاور میں صحابہ کرام " کا مطالعہ کیجئے۔ جس میں روایات پر بحث کے علاوہ صحابی کی تعریف، گستاخ صحابی کی سزا، حدیث مرسل کی تعریف، گوہ اور جنگلی گدھے کے گوشت کا شرعی حکم، غیبت کیا ہے، ہندو دھرم میں ذات پات کی تقسیم اور ہندوستان کے محدثین سمیت کئی موضوعات اور مسائل پڑھنے کو ملیں گے۔

[812] مختصر تاریخ دمشق، 25/256

[813] انظر لجارود بن منذر؛ تجريد أسماء الصحابة/ 74، تنقيح المقال- 1628، أعيان الشيعة 4/ 56، جامع الرجال 1/ 354، بقي بن مخلد 356، الطبقات الكبرى 5/ 557، 7/ 86، الثقات 3/ 59 تقريب التهذيب 1/ 124، تهذيب الكمال 1/ 182، الوافي بالوفيات 11/ 35، التاريخ الكبير 1/ 43، 50، تاريخ الإسلام 3/ 133، التاريخ الكبير 2/ 236، الجرح والتعديل 2/ 2181، الكاشف 1/ 178، ابن سعد 5/ 407، تلقيح فهوم أهل الأثر 3730، تبصير المنتبه 3/ 923 مشاهير علماء الأمصار 246، أسد الغابة ت (657)، الاستيعاب ت (353).

www.besturdubooks.net

المنذر بن الجارود واسمه بشر بن عمرو بن حبيش بن المعلى بن يزيد ابن حارثة بن معاوية العبديّ، وأمّه أمامة بنت النّعمان [814]

ابن عساکر نے آپ کا شجرہ یوں لکھا ہے؛

المنذر بن الجارود واسمه بشر بن حنش بن المعلى ابن الحارث بن زيد بن حارثة أبو غسان بن معاوية العبدي [815]

اور معاویہ سے آگے شجرہ یہ ہے؛

معاوية ابن ثعلبة بن جذيمة بن عوف بن بكر بن عوف بن أنمار بن عمرو بن وديعة بن بكر بن أفضى بن عبد القيس [816]

آپ رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ابوالاشعث سے مشہور ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ تقریباً 2 ہجری میں پیدا ہوئے۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کو دیدار نبی ﷺ کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اصطخر کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ اور پھر ان کا ساتھ دے کر جنگ جمل میں حضرت معاویہؓ کے خلاف لڑے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت بہادر، دلیر اور شجاع انسان تھے۔

53ھ میں حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد 54ھ میں ان کا بیٹا عبید اللہ بن زیاد خراسان کا نیا گورنر منتخب ہوا، تاہم حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے قبل ہی حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کو سندھ کی ولایت سونپی تھی۔۔ یہاں آکر آپ رضی اللہ عنہ نے قیقان، قندابیل،

---

[814] حضرت منذر بن جارود کے لیے دیکھئے؛ الأخبار الطوال 231، المعارف 339، الأخبار الموفقيات 328، فتوح البلدان 439، المعرفة والتاريخ 3/ 313، تاريخ اليعقوبي 2/ 204، مروج الذهب 1631، الشعر والشعراء 621، شرح نهج البلاغه 4/ 230، الكامل في التاريخ 1814، ربيع الأبرار 4/ 197، الخراج وصناعة الكتابة 279، عيون الأخبار 1/ 228، أنساب الأشراف 1/ 500، تاريخ خليفة 236، تاريخ الطبري 4/ 80، العقد الفريد 3/ 415، وفيات الأعيان 2/ 538، تاريخ الإسلام 2/ 256. (2) أسد الغابة ت (5135)، الاستيعاب ت (2532)

[815] تاریخ ابن عساکر، ت 7185

[816] ایضاً

www.besturdubooks.net

خضدار اور مکران وغیرہ علاقے پھر سے فتح کیے اور یہاں سے بہت سے لونڈی غلام اور مال غنیمت حاصل کر کے وطن بھیج دیے تھے۔ بلاذری آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں؛

ثُمَّ ولى زياد المنذر بْن الجارود العبدي ويكنى أَبَا الأشعث ثغر الهند، فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبث السرايا في بلادهم، وفتح قصدار وسباها، وكان سنان قَدْ فتحها إلا أن أهلها انتقضوا [817]

بلاذری کا یہ کہنا کہ حضرت زیاد نے آپ رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؓ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے بھیجے گئے آخری والی سندھ تھے، کیونکہ اس کے بعد وہ پھر دنیا میں نہ رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ علاقے جنہیں آپ رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت سنان رضی اللہ عنہ فتح کر چکے تھے لیکن وہ پھر سے باغی ہو چکے تھے، انہیں پھر سے فتح کیا اور وہاں سے کافی مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا۔ دو سال یہاں رہنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ 55ھ میں واپس ہوئے۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ؛

ولّى زياد ابن أبيه المنذر بن الجارود العبدي، ويكنى بأبي الأشعث، ثغر الهند فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا، ثم ولّى عبيد الله بن زياد بن حرّيّ الباهلي ففتح الله تلك البلاد على يده وقاتل به قتالا شديدا، وقيل: إن عبيد الله ابن زياد ولّى سنان بن سلمة بن المحبّق الهذلي وكان حرّيّ بن حرّيّ معه على سراياه، وفي حريّ يقول الشاعر:

لولا طعاني بالبوقان ما رجعت　　　منه سرايا ابن حرّيّ بأسلاب [818]

یاقوت حموی کی اس عبارت سے لگتا ہے کہ ابو الاشعث منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کو جب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے سندھ بھیج دیا تو وہاں بوقان وقیقان وغیرہ علاقوں کو فتح کرنے کے بعد ایک عرصہ تک رہ کر واپس ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یزید تخت نشین ہوئے تو اس کے دور میں حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ آخری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جو سندھ آئے اور ایسا آئے کہ پھر

---

[817] فتوح البلدان، ص418

[818] معجم البلدان، ص510

www.besturdubooks.net

میرے خیال میں انہی دنوں میں آپ رضی اللہ عنہ سندھ چلے آئے اور مسلسل فتوحات کرنے کے بعد ایک سال یا اس سے کم وبیش تک یہاں مقیم رہے اور اسی سال 61ھ میں یا 62ھ میں یہاں ایک معرکے میں شہید ہوئے۔ علامہ خلیفہ ابن خیاط بصری (م240ھ)، امام طبری اور علی محمد صلابی نے آپکی شہادت کی تاریخ سن 62ھ لکھاہے [822]، جبکہ صاحب چچ نامہ، امام ابن اثیر، ابن عساکر، امام ذہبی اور امام اصفہانی وغیرہ حضرات نے 61ھ لکھاہے [823]۔ یاقوت حموی کی اس عبارت کو بغور پڑھیے؛

وولى زياد المنذر بن الجارود العبدي، ويكنّى أبا الأشعث، ثغر الهند فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبثّ السرايا في بلادهم وفتح قصدار وشتّى بها، وكان سنان بن سلمة المحبّق الهذلي فتحها قبله إلا أن أهلها انتقضوا وبها مات:

اس میں حموی نے دونوں بار آنے کو یکجا ذکر کیا ہے کیونکہ پہلی بار انہیں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے 53ھ میں سندھ ضرور بھیجا تھا لیکن پھر اسی برس حضرت زیاد رضی اللہ عنہ دنیا سے چل بسے تھے، جبکہ حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ جیسا کہ عرض ہوا کہ 61ھ یا 62ھ میں شہید ہوئے، اب جگہ پر بھی اختلاف ہے کیونکہ خلیفہ نے آپکی جائے شہادت سرحد قندابیل لکھی ہے [824] جبکہ حموی کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ خضدار میں شہید ہوئے [825]۔

اور حال یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں کیونکہ خضدار بھی قندابیل کی سرحد پر واقع ہے۔ بقول بلاذری کے حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ قصدار (خضدار) میں داخل ہوا۔ اور وہیں قیام کیا یہاں تک کہ داعی اجل نے انہیں آغوش لحد کے خواب نشین میں سلادیا۔ شاعر نے ان کے مرثیہ میں کہا تھا؛

حلّ بقصدار فأضحى بها　　　في القبر لم يقفل مع القافلين

---

[822] تاریخ خلیفہ 1/236، تاریخ طبری 6/343، الدولۃ الامویہ 1/391

[823] چچ نامہ ص108، تاریخ ابن اثیر 3/202، تاریخ اسلام 5/256، البستان الجامع 1/116،

[824] تاریخ خلیفہ 1/236

[825] معجم البلدان، ص510

www.besturdubooks.net

واپس کبھی نہیں گئے۔ تاہم 61ھ میں حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ سندھ آئے تھے، اور اسی سال جبکہ کربلا جیسا جانکاہ واقعہ پیش آیا، آپ رضی اللہ عنہ ابھی بصرہ میں تھے کیونکہ حضرت حسن بن علیؓ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں ایک خط بھیجا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من الحسين بن علي الى مالك بن مسمع، والأحنف ابن قيس، والمنذر بن الجارود، ومسعود بن عمرو، وقيس بن الهيثم، سلام عليكم، اما بعد، فاني ادعوكم الى احياء معالم الحق وأماته البدع، فان تجيبوا تهتدوا سبل الرشاد، والسلام.

فلما أتاهم هذا الكتاب كتموه جميعا الا المنذر بن الجارود، فانه أفشاه[819]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے کیونکہ علامہ دینوری (م282ھ) نے اس خط سے قبل لکھا ہے کہ؛

وقد كان الحسين بن علي رضى الله عنه كتب كتابا الى شيعته من اهل البصره

اور دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہ ابھی بصرہ میں تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا کے پیش آنے سے قبل ہی بسوئے سندھ روانہ ہو چکے تھے۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اگر وہاں موجود ہوتے تو شاید یہ قیامت خیز حالات پیدا نہ ہوتے کہ آپ رضی اللہ عنہ نہ تو کسی سے ڈرنے والے تھے حتی کہ آپؓ یزید کو بھی کھری کھری سناتے تھے، حالانکہ یزید رشتے میں آپ رضی اللہ عنہ کا داماد تھا اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر کرتا تھا۔[820] اور جب یہ خط جسے سب نے چھپا دیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ کہیں ابن زیاد ہمیں چکمہ نہ دے رہا ہو، اپنے ایک قاصد کو دے کر ہدایت دی کہ اسے لے جا کر ابن زیاد کو دکھا کر پوچھے کہ یہ کیا ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے اس قاصد کو قتل کر دیا؛

فكل من قرأ ذَلِكَ الكتاب من أشراف الناس كتمه، غير المنذر بن الجارود، فإنه خشي بزعمه أن يكون دسيسا من قبل عُبَيْد اللَّهِ، فجاءه بالرسول من العشية[821]

---

[819] الاخبار الطوال، ص231

[820] تاریخ طبری، ص5/318

[821] ایضاً، ص5/357

www.besturdubooks.net

لله قصدا ر و أ عنا بها أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين![826]

ترجمہ اشعار: وہ یعنی حضرت منذر قصدار میں داخل ہوا اور پھر جب دیکھا تو قبر میں تھا۔ مجاہدین کے لشکر کیساتھ واپس نہ آیا۔ اللہ اللہ! قصدار اور اس کی وادی نے کیسے جوان دنیا و دین کو قبر کے سپرد کر دیا۔[827]

حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سن کر آپکے بیٹے حضرت حکم بن منذر نے یزید بن امیر معاویہ کو لکھا کہ مجھے اپنے والد کی جگہ سندھ کی ولایت تفویض کی جائے، اس وقت حکم کرمان میں تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے جب حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کی موت کا سنا تو بے حد غمزدہ ہو کر بے اختیار رونے لگا۔ اور اس کے بیٹے حکم کے لیے تیس ہزار درہم[828] کا اعلان کر دیا اور پھر اسے سندھ روانہ کر دیا[829]۔ اور جب حضرت حکم بن منذرؓ سے بھی بات نہ بنی تب ایک بار پھر 62ھ میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سندھ آئے تھے اور یہاں کے حالات ٹھیک کر کے گئے تھے[830]۔

یہ حضرت سنان بن سلمہ کی یہاں پر تیسری بار آمد تھی تاہم اس کا ذکر مؤرخین میں سے صرف خلیفہ بن خیاط بصری نے کیا ہے[831]۔ چچ نامہ میں " ولایت منذر بن جارود " کے تحت لکھا ہے؛

" پھر یہ ملک (سندھ) منذر بن جارود بن بشر[832] رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ جب خلیفہ کے حکم سے منذر رضی اللہ عنہ خلعت گورنری پہن کر 61ھ میں جنگ پر روانہ ہوا تو اس کا جامہ ایک ابھری ہوئی لکڑی سے الجھ

---

826 فتوح البلدان، ص419

827 تاریخ سندھ، ص108۔ بلاذری نے ان اشعار کے بعد لکھا ہے کہ حضرت منذر کے بعد حضرت حری آئے اور ایک روایت کے مطابق حضرت منذر کے بعد سنان آئے۔ تو کیسے سنان کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ حضرت سنان، منذر بن جارود سے پہلے شہید ہوئے۔ امام بلاذری لکھتے ہیں؛

ثُمَّ ولى عُبَيْد بْن زياد بْن حرى الباهلي، ففتح الله تلك البلاد عَلَى يده وقاتل بها قتالا شديدا فظفر وغنم، وقال قوم: أن عُبَيْد اللَّه بْن زياد ولى سنان ابن سلمة (فتوح البلدان، ص419)

828 اور چچ نامہ میں لکھا ہے کہ تین لاکھ درہم دئے تھے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

829 جمہرۃ الانساب ص296، معارف ص256، تاریخ خلیفہ ص287، منہاج الدین ص84، العقد الثمین 113

830 تاریخ خلیفہ ص236

831 ایضاً

www.besturdubooks.net

کر پھٹ گیا۔ اس پر عبید اللہ بن زیاد نے غمگین ہو کر کہا کہ منذر کی فال اچھی نہیں ہوئی۔ جب وہ اسے وداع کر کے واپس آیا تو رو کر کہنے لگا کہ منذر اس سفر سے واپس نہ آئے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ ابن زیاد سے عبد العزیز نے کہا مال ضائع ہو رہا ہے اور تم کسی کو مقرر نہیں کرتے؟ اس نے کہا کہ منذر کو بھیجا ہے جس سے جنگ اور شجاعت میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو مقصد میں کامیابی حاصل کر کے واپس آئے گا۔ منذر جب وہاں سے روانہ ہو کر دشمنوں کے ملک میں پہنچا تو دریائے پورالی کے قریب بیمار ہوا اور جان خدا کے حوالے کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مزار کے بارے میں بھی راقم نے کوشش کی لیکن کوئی ٹھوس بات یا یقینی قبر کا تعین نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی کا کہنا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال خضدار میں ہوا، اور خضدار کے " میری بٹ " کے مقام پر جن دو صحابہ کرام کے مزارات ہیں، ان میں سے غالباً ایک حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کا ہے[833]۔ ڈاکٹر فصیح الدین (ڈی آئی جی) نے راقم کو بتایا کہ حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کے مزار کو مقامی لوگ " نو دین بابا" کہتے ہیں[834]۔ " نو دین" اس مزار کو کب سے اور کیوں کہا جانے لگا؟ یہ تحقیق ابھی تشنہ لب ہے۔ کیونکہ ایک صحابی کے مزار پر ایسا نام عجیب لگتا ہے۔ شاید کہ اسلام ان کے لیے ایک نیا دین تھا اس لیے "نو دین" سے مشہور ہوئے۔

البتہ مولانا فیض محمد صاحب خضداری (صوبائی امیر جمیعت علماء اسلام بلوچستان) کی تحقیق کے مطابق حضرت منذر کی قبر مبارک خضدار میں نہیں ہے بلکہ پورالی میں ہے اور اگر بالفرض خضدار میں ہو بھی تو وہ معلوم نہیں کہ کس جگہ پر ہے۔[835]

---

[832] یہاں غلطی ہوئی ہے چچ نامہ میں کیونکہ بشر تو جارود کا اپنا نام تھا، نہ کہ جارود کے باپ کا، جیسا کہ ڈھیر ساری کتابوں کے حوالے سے اوپر لکھا گیا ہے۔ فافہم وفکر

[833] بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص126

[834] انٹرویو بتاریخ 27 جولائی 2017ء بمقام کمانڈنٹ بنگلہ، ہنگو۔

[835] انٹرویو بتاریخ 15 اگست 2017ء بمقام علوم شرعیہ کوشک خضدار۔ فاضل دار العلوم دیوبند حضرت مولانا عبید اللہ خضداری (مہتمم دار العلوم خضدار) نے بھی اس کی تصدیق کی۔

www.besturdubooks.net

بہر حال آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کا بیٹا حکم بن منذر کرمان میں تھا، اس کے پاس (منذر نے علالت کے دوران اپنی بیماری کا حال) لکھ بھیجا تھا۔ حجاج بن یوسف نے کہا تھا کہ عرب کے امراء ورؤساء میں سے ایک نے خدا کی راہ میں جان دی ہے۔ جب حکم بن منذر آیا ار عبید اللہ کو اس واقعہ کی خبر دی تو وہ رونے لگا اور بے حد غمگین ہوا۔ پھر اس کے بیٹے حکم کو بلا کر تین لاکھ درہم بخشش میں دیے۔ اس کے بعد چھ مہینے تک سندھ کی گورنری اس کے حوالے رہی"[836]۔ حضرت حکم بن منذر نے چھ ماہ تک یہاں سندھ میں باغیوں سے برسرپیکار رہے۔ اس مدت میں انہوں نے اپنی لیاقت و بہادری ظاہر کر دی، خصوصاً ان کی سخاوت کافی مشہور تھی جس پر کئی شعراء نے شاعری کی، چچ نامہ میں وہ اشعار درج ہیں[837]۔ آپ کے اہل و عیال میں بعض مستقل طور پر یہاں مکران اور بعد میں سندھ میں آباد ہوئے[838]۔ اب بھی بلوچستان اور سندھ میں جابجا عرب لوگ آباد ہیں جیسا کہ انگریز مؤرخ جی پی ٹیٹ نے 1875ء میں لکھا تھا کہ کچی میں آباد رند قوم اور باہو کے شہزادے اصل نسل سے عرب ہیں۔[839]

یہ وہ صحابہ تھے جن کا تذکرہ مؤرخین نے کیا ہے کیونکہ یہ نامور سپہ سالار یا معروف حضرات تھے۔ ان کے علاوہ کتنے اصحاب رسول ﷺ یہاں پاکستان آئے، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب سن 15ھ میں حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ یہاں آئے تو ان کے ساتھ کم از کم لشکر دو تین سو کا تو ہو گا۔ ایک بار تو 42ھ میں حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ و تابعین نے قلات میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ ان میں یقیناً اکثریت تابعین کی ہی ہو گی لیکن ان میں صحابہ کرام بھی بہر حال موجود تھے، کم از کم ان میں دس فیصد صحابہ کرام بھی تسلیم کیے جائیں تو ڈیڑھ سو تک صحابہ قلات میں شہید ہو کر دفن ہوئے، اس کے علاوہ جتنی لڑائیاں ہوئیں ان میں بھی صحابہ کرام کی موجودگی

---

[836] چچ نامہ، ص108

[837] ایضاً، ص109

[838] محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، 1/7، دارالسلفیہ لاہور، 1974ء

[839] **G.P Tate , The Frontiors of Balochistan, London 1875, p.309**

www.besturdubooks.net

ناگزیر ہے لیکن چونکہ اکثر صحابہ اس وقت عمر رسیدہ ہو چکے تھے اور ان کی اولاد ابھی جوانی کے دور میں تھی، اور ویسے بھی وہ اپنے نام کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لیے لڑ رہے تھے اس لیے ان کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور نہ ہی یہ کوئی حیرانگی والی کوئی بات تھی کہ خوامخواسالار لشکر کا تعین قومیت یا صحابیت پر ہو بلکہ یہ تو خلیفہ وقت کی صوابدید پر منحصر تھا کہ وہ جس میں اس کی اہلیت دیکھتا اسے یہ رتبہ اور منصب سونپ دیتا۔ اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اس میں غلام ابن غلام نے بھی سرداری کی۔ بالخصوص آپ دور فاروقی نکال کر دیکھ لیجئے کہ جس دور میں اسلام پوری دنیا میں پھیل رہا تھا اسی دور میں آپ کو اکثر مسلم گورنر ماضی کے غلام نظر آئیں گے۔ کیا یہ انسانیت کی معراج نہیں ہے؟

یہ تو وہ واقعات ہیں جو کتابوں میں درج ہیں، شاید اس سے پہلے اور بعد میں بھی صحابہ کرام یہاں آئے ہوں جیسا کہ بزرگ جمہر وغیرہ حضرات کا خیال ہے، تاہم اس بارے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جب تک مستند کتاب میں ذکر نہ ہو اس وقت تک کچھ کہنا رجماً بالغیب ہو گا۔ اسی طرح اس کے بعد بھی جب اور سپہ سالار یہاں سندھ آئے تو ان کے ساتھ بھی شاید مدرک و مخضرم ہی سہی پر اصحاب رسول ﷺ میں سے کوئی نہ کوئی یہاں آئے ہونگے تاہم ان کے نام اور کارنامے تاریخ سے اوٹ میں رہے۔ بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ دور فاروقی سے ان کی آمد کی ابتداء ہوئی اور پہلی صدی کے اختتام تک آتے رہے جیسا کہ قاضی اطہر صاحب کی تحقیق کے مطابق عہد فاروقی سے لیکر عباسی دور تک اس ملک میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی آمد جاری رہی[840]۔ رضوان اللہ عنہم اجمعین

---

[840] قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، ص24

www.besturdubooks.net

پاکستان میں وارد تابعین کرامؒ

اصحاب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور ان کے بعد کئی ایک تابعین بھی پاکستان آئے جن میں مشہور اور معلوم سپہ سالار تابعین کے یہاں صرف نام ذکر کیے جاتے ہیں۔

حارث بن مرہ عبدیؒ، حکم بن منذر عبدیؒ، راشد بن عمروؒ، ابن اسید بن اخنسؒ، ابوشیبہ جوہریؒ، ثاغر بن ذاغرؒ، حاتم بن قبیصہؒ، زائدہ بن عمیر طائیؒ، زیاد بن حواریؒ، ابو قیس زیاد بن رباح قیسیؒ، حکم بن عوانہ کلبیؒ، معاویہ بن قرہ مدنیؒ، مکحول بن عبداللہؒ، فطن بن مدرکؒ، قیس بن ثعلبہؒ، کہمس بن حسن بصریؒ، یزید بن ابو کبشہ دمشقیؒ، موسیٰ سیلانیؒ، موسیٰ بن یعقوبؒ ثقفی، عبدالرحمٰنؒ سیلمانی، عمر بن عبید اللہ قریشیؒ، شمر بن عطیہ اسدیؒ، سعید بن اسلم کلابیؒ، سعید بن کندیر قشیریؒ، سعد بن ہشام انصاریؒ، حباب بن فضالہؒ، عبدالرحمٰن بن عبداللہؒ، ایوب بن زید ہلالیؒ، حری بن حری باہلیؒ، عباد بن زیاد امویؒ، یزید بن مفرغ حمیریؒ، ربیع بن صبیح بصریؒ، جماعہ بن سعد تمیمیؒ، عطیہ بن سعد عوفیؒ، امام حسن بصریؒ، صیفی بن فسیل شیبانیؒ، ابوسالم زطیؒ اور فاتح سندھ حضرت محمد بن قاسمؒ ثقفی۔

تابعین کی تفصیل کے لیے قاضی اطہر مبارک پوری کی " رجال السند والہند "اور "العقد الثمین" ، ڈاکٹر محمد اسحاق کی "علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ" اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی کی " بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں" کا مطالعہ کیجئے۔

تھے تو وہ آباء تمہارے، پر تم کیا ہو؟
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو؟

www.besturdubooks.net

اختتامیہ

؎اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے دیا جلا کے سر عام رکھ دیا

اللہ رب العظیم کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے بندہ عاجز کو مخلوقات میں سے بعد از انبیاء سب سے بہترین جماعت پر کچھ لکھنے کی توفیق دی۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اس کتاب میں بہت ساری صرفی و نحوی اور تاریخی غلطیاں ہوں گی۔ علاوہ ازیں چنداں مقامات پر بہت ساری چیزیں رہ گئی ہونگی لیکن میں ابتداء میں بھی عرض کرچکاہوں کہ نہ تو مجھ ناچیز کو لکھاری ہونے کا دعویٰ ہے اور نہ ہی میں کوئی محقق ہوں۔ یہ جو بھی آپ کو نظر آرہاہے، یہ محض محبت وعقیدت کے پھول ہیں۔ دعاہے کہ اسے شرف قبولیت نصیب ہو جائے بس۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت کا حق ادا کرنا تو ایک امر محال ہے تاہم انسانی بساط کے مطابق اپنی کوشش کی ہے کہ کوئی گوشہ تشنہ لب نہ رہ جائے۔ قارئین با توفیق سے التماس ہے کہ اپنے بڑے پن کا مظاہرہ کرکے راقم کو مزید آگے بڑھنے کے لیے راہ ہموار کریں۔ ایسے میں تاریخی لغزشیں ہوں یا کوئی مستزادبات جو تحریر سے رہ گئی ہو، ضرور آگاہ کرکے ثواب دارین کے مستحق بنیں۔ کوئی بھی ادارہ یا شخص اس کتاب کو چھاپنا چاہے تو راقم سے اجازت لے کر ضرور طبع کریں۔ آخر میں آپ سے یہی کہوں گا کہ اگر اس کتاب سے آپ کو کوئی علمی فائدہ ہوا ہو تو بس راقم کے لیے یہی دعا کیا کریں کہ رب تعالیٰ اس مقدس جماعت کی برکت سے ہمارا بیڑا پار کریں۔ آمین

ضیاءاللہ، پشاور

یکم نومبر 2017ء

یہ کتاب صرف ثواب کی خاطر شیئر کی جارہی ہے۔
اسے کسی قسم کے ذاتی مالی فائدے کے لیے استعمال کرنے کی
قطعا اجازت نہیں۔ مصنف

www.besturdubooks.net

مأخذومراجع

1. قرآن مجید
2. الآلوسی، محمود بن عبد اللہ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار عمار قاہرہ 1364ھ
3. ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ
4. ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد (م 235ھ)، مصنف ابن ابی شیبہ، مکتبۃ الرشد، الریاض، 1410ھ
5. ابن اثیر، عزالدین، محمد بن عبد الکریم (م 630ھ)، الکامل فی التاریخ، المکۃ المکرمۃ، 1386ھ
6. ابن حبان، ثقات ابن حبان، دارالاندلس مصر 1429ھ
7. ابن حبان، محمد بن حبان (م 354ھ)، صحیح ابن حبان، داراحیاء التراث بیروت، 1406ھ
8. ابن حجر، اسد الغابہ، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
9. ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، دارالمعارف قاہرہ، 1401ھ
10. ابن حجر عسقلانی، اسد الغابہ، دار صادر بیروت 1988ء
11. ابن حزم، جمہرۃ الانساب لابن حزم، دار صادر بیروت 1988ء
12. ابن خرداذبہ (م 280ھ)، المسالک والممالک، دار صادر لیدن بیروت، 1889ء
13. ابن خلدون، عبد الرحمان (م 808ھ)، تاریخ ابن خلدون، دارالفکر بیروت 1988ء
14. ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، دار صادر بیروت 1398ھ
15. ابن خلکان، تاریخ ابن خلکان، دارالمعارف قاہرہ، 1407ھ
16. ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد (845ء)، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، 1387ھ
17. ابن سعد، طبقات ابن سعد، دارالمعارف قاہرہ، 1401ھ
18. ابن شاہین عمر بن احمد بن عثمان البغدادی (م 385ھ)، الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذالک، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، 1424ھ
19. ابن عبد البر، الاستیعاب، دارالاندلس مصر 1429ھ
20. ابن عبد البر (م 368ھ)، جامع بیان العلم وفضلہ، داراحیاء التراث بیروت، 1389ھ

21. ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار صادر بیروت 1986ء
22. ابن عربی، محی الدین (م1240ھ)، الفتوحات المکیہ، معہد الدراسات العلیاء بالسوریون، 1405ھ
23. ابن عساکر، تاریخ دمشق، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
24. ابن عساکر، تاریخ ابن عساکر، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
25. ابن فقیہ ہمدانی (330ھ)، کتاب البلدان، ص 251، لیدن 1343ھ
26. ابن قانع، معجم الصحابہ، دارالمعارف قاہرہ، 1409ھ
27. ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد (620ھ)، المغنی، دارالفکر بیروت 1405ھ،
28. ابن قیم، امام، محمد بن ابی بکر (751ھ)، بدائع الفوائد، دار احیاء التراث بیروت 1420ھ
29. ابن قیم، محمد بن ابی بکر (751ھ)، زادالمعاد فی ھدی خیر العباد، دارالکتب بیروت، 1418ھ
30. ابن کثیر، عماد الدین، اسماعیل بن عمر (774ھ)، البدایۃ والنہایۃ، دارالمعرفۃ بیروت، 1403ھ
31. ابن کثیر، عمادالدین، تاریخ ابن کثیر، اردو مترجم اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی کراچی 1989ء
32. ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار صادر بیروت 1998ء
33. ابن کثیرؒ، تفسیر ابن کثیر، دارالقرآن بیروت 1981ء
34. ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (273ھ)، دار احیاء التراث بیروت، 1412ھ
35. ابن منظور، افریقی (م711ھ)، لسان العرب، فصل المیم، دار صادر بیروت، 1414ھ
36. ابن ہشام، الحمیری، عبد المالک بن ہشام (م833ء)، السیرۃ النبویہ، دار صادر بیروت 1978ء
37. ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، دار صادر بیروت 1988ء
38. ابو اسحاق ابراہیم بن محمد فارسی اصطخری (م340ھ)، المسالک والممالک، دار صادر بیروت 2004ء
39. ابو الفداء، تقویم البلدان، دار صادر بیروت 1988ء
40. ابو جعفر بغدادی (245ھ)، المحبر، 1/ 127، دارالآفاق الجدیدۃ بیروت، س ط ن
41. ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری (282ھ)، الاخبار الطوال، دار احیاء الکتب العربی القاہرہ، 1960ء
42. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث (م275ھ)، ابو داؤد، مکتبہ عصریہ بیروت 1994ء
1. ابو ظفر ندوی، تاریخ سندھ، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد 1989ء

2. ابو عبد اللہ زبیری (م 236ھ)، نسب قریش، دار المعارف قاہرہ، 1401ھ
3. ابو عبد اللہ، نقشبندی، آصف مجید، جہاد افغانستان سے ظہور مہدی تک، 2002ء، مطن
4. ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، السعادۃ مصر، 1353ھ
5. ابو علی مرزوقی، کتاب الازمنہ والامکنہ، حیدر آباد، 1353ھ
6. ابو عمرو خلیفہ ابن خیاط البصری (240ھ)، تاریخ خلیفہ ابن خیاط، دار القلم دمشق، 1397ھ
7. ابو نعیم اصبہانی، تاریخ اصبہان، دار المعارف قاہرہ، 1404ھ
8. ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، دار الکتب قاہرہ، 1352ھ
9. ابو الفضل، آئین اکبری، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد 1989ء
10. ابو بکر احمد بن مروان الدینوری (م 333ھ)، المجالس وجواہر العلم، دار ابن حزم بیروت 1419
11. ابو بکر انباری (م 328ھ)، الاضداد، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ
12. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، الجامع السنن، دار الرسالۃ العالمیہ، 1430ھ
13. احمد، اصفہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاوصفیاء، مکتبۃ السعادۃ مصر 1364ھ
14. احمد بن اسحاق یعقوبی (292ھ)، البلدان المعروف بہ تاریخ یعقوبی، دار الکتب علمیہ بیروت 1422ھ
15. احمد بن حنبل، امام (م 241ھ)، مسند احمد، دار الکتب قاہرہ 1416ھ
16. احمد بن یحیٰ البلاذری (279ھ)، فتوح البلدان، دار صادر بیروت 1988ء
17. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع ثانی 2006ء
18. اسماعیل بن محمد اصبہانی، سیر سلف الصالحین، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ
19. آغا نصیر خان بلوچ، بلوچستان کی قدیم تاریخ، ناشر بلوچی دنیا ملتان، 1983ء
20. امام ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دار صادر بیروت 1988ء
21. امام ابن حزم اندلسیؒ (456ھ)، جمہرۃ الانساب العرب، دار المعارف قاہرہ، 1382ھ
22. امام بخاری، بخاری، دار الکتب علمیہ بیروت 1422ھ
23. امام بخاری، التاریخ الکبیر للبخاری، دار المعارف قاہرہ، 1401ھ
24. امام بغدادی، تاریخ بغداد لخطیب بغدادی، دار المعارف قاہرہ، 1404ھ

25. امام حاکم، ومستدرک الحاکم، دارالمعارف قاہرہ، 1408ھ
26. امام ذہبی (61ھ)، سیر اعلام النبلاء، دار صادر بیروت 1988ء
27. امام ذہبی، تاریخ اسلام، دار صادر بیروت 1976ء
28. امام ساعدی یمنی، خلاصہ تہذیب الکمال، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
29. امام صفدیؒ، الوافی بالوافیات، دارالمعارف قاہرہ، 1401ھ
30. امام طبرانی، المعجم الکبیر للطبرانی، دارالمعارف قاہرہ، 1401ھ
31. امام عنسی، مصباح الاریب فی تقریب، دارالمعارف قاہرہ، 1405ھ
32. امام ماکولا (م 475ھ)، الاکمال فی رفع الارتیاب، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
33. امام ماکولا (م 475ھ)، تہذیب مستمر الاوھام، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ
34. امام مزی نے تہذیب الکمال، دارالاندلس مصر 1429ھ
35. امام مسعودی، مروج الذہب، دار احیاء الکتب قاہرہ، 1960ء
36. امام وشاء (325ھ)، الظرف والظرفاء، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
37. بزرگ بن شہریار (م 300ھ)، عجائب الہند، لیدن 1886ء
38. بشاری مقدسی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، دار صادر بیروت 1988ء
39. بشیر احمد خان، سندھ کا جغرافیہ، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2006ء
40. البیہقی، شعب الایمان، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
41. تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، اردو بورڈ کراچی، 1995ء
42. التعازی (المراثی والمواعظ والوصایا)، لامام محمد بن یزید ازدی المبرد (285ھ)
43. تہذیب الکمال فی اسماء الرجال لامام المزیؒ (م 742ھ)، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
44. الثقات لابن حبان، الثقات، دار صادر بیروت 1988ء
45. الجوہرۃ فی نسب النبی ﷺ للامام البری (546ھ)، دارالرفاعی ریاض، 1403ھ
46. خورشید احمد فاروق، برصغیر اور عرب مؤرخین، زمرد پبلیکشنز کوئٹہ، 1976ء
47. دارقطنی (م 385ھ)، المؤتلف والمختلف، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ

48. الدکتور عبد اللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، عالم المعرفۃ جدہ السعودیۃ، 1403ھ / 1983ء

49. ڈاکٹر داؤد شاہ بلوچ، بارہویں صدی ہجری کے آخر تک بلوچستان میں مشہور ماہرین وخادمین حدیث کا اجمالی تذکرہ، مجلہ "الولی"، جنوری وفروری 2000ء

50. ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی، بلوچستان میں صحابہ کرام، براہوی اکیڈمی کوئٹہ 2004ء

51. ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکیشنز کوئٹہ

52. ڈاکٹر غلام جیلانی برق، دانش عرب وعجم، الفیصل لاہور 2011ء

53. ڈاکٹر محمد اسحاق، Contribution of India to the study of Hadith (Literature)، اردو مترجم "علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ" ترجمہ شاہد حسین رزاقی، لاہور 1977ء، ص 31

54. ڈاکٹر محمد اسحاق، علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 2013ء

55. ڈاکٹر محمد اسحاق، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، دار السلفیہ لاہور، 1974ء

56. ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، اسلامک کلچر دکن حیدرآباد جولائی 1952ء

57. ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، برحاشیہ تاریخ معصومی، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد 1978ء

58. سکندر خان، تاریخ وادئ چھچھ، ویسہ علاقہ چھچھ، 2005ء

59. سید سلیمان ندوی (م 1953ء)، تاریخ سندھ، ص 4، دار الاشاعت کراچی، 1995ء

60. سید طاہر محمد نسیانی ٹھٹھوی، تاریخ طاہری، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد 1964ء

61. ضیاء الرحمٰن فاروقی، رہبر ورہنما، ص 68، اشاعت المعارف فیصل آباد، 2002ء

62. ضیاء اللہ جدون، تاریخ وادی گدون، نوار خان جدون ریسرچ سنٹر بیسک گدون صوابی، 2009ء

63. ضیاء اللہ جدون، حضرت سنان بن سلمہ اور پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کا تحقیقی جائزہ، ص 8، نوار خان جدون فاؤنڈیشن بیسک صوابی 2016ء

64. ضیاء اللہ خان جدون، تاریخ صوابی، افغان ریسرچ سنٹر لاہور، 2015ء

65. عبد الرحمٰن بن علی جوزی (597ھ)، المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ

بیروت،1412ھ
66. عبد اللہ بن مسلم الدینوری(276ھ)، المعارف، الھئیۃ المصریۃ العامۃ للکتاب القاہرۃ،1992ء
67. عبد الملک بن ہشام الحمیری(213ھ)، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، شرکۃ الطباعۃ الفنیہ المتحدہ، س طن
68. عبد الحلیم شرر، تاریخ سندھ، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء
69. عبد الحیٔ لکھنوی، الاعلام بمن فی تاریخ الہند من اعلام المعروف بہ نزہۃ الخواطر، دار ابن حزم بیروت
70. عبد اللہ بن عبید اللہ المعروف بہ ابن خرداذبہ (م280ھ)، المسالک والممالک، دار صادر لیدن بیروت 1889ء
71. عبد اللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب عالم المعرفۃ جدہ السعودیۃ، 1403ھ / 1983ء
72. العقد الفرید لابن عبد ربہ الاندلسی(328ھ)، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
73. علامہ بدرالدین عینی، معانی الاخیار، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
74. علامہ ذہبیؒ(748ھ)، تاریخ اسلام، 3/583، دارالکتاب العربی، بیروت 1413ھ
75. علامہ سندھیؒ، حاشیہ مسند احمد، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
76. علامہ سید سلیمان ندوی، عرب وہند تعلقات، مشعل بکس لاہور، 2004ء
77. علی بن محمد المعروف بہ ابن اثیر (م630ھ)، الکامل فی التاریخ، دارالکتاب العربی بیروت 1997ء
78. علی محمد الصلابی، سیرۃ علی ابن ابی طالب، ص474، مکتبہ الصحابہ امارات 2004ء
79. علی محمد الصلابی، معاویہ بن ابی سفیان،، دارالاندلس مصر 1429ھ
80. علی محمد صلابی، سیرۃ علی بن ابی طالب، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ
81. عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی الشہیر بالجاحظ (م255ھ)، البیان والتبیین، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
82. الغزالی، المقصد الاسنیٰ، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
83. فالودی اثری، المعجم الصغیر، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ

84. فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، علی المدائنی، مترجم اختر رضوی، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2008ء
85. قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان عربوں کی نظر میں، دارالمصنفین اعظم گڑھ، 1964ء
86. قاضی اطہر مبارک پوری، العقد الثمین، فرید بکڈپو دہلی، 2004
87. قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، س طن
88. قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، دارالمصنفین اعظم گڑھ، 1964ء
89. قاضی اطہر مبارک پوری، عرب و ہند عہد رسالت ﷺ میں، فرید بکڈپو دہلی، 2004
90. قاضی اطہر مبارک پوری (م1996ء)، عرب و ہند عہد رسالت ﷺ میں، فرید بکڈپو دہلی2004ء
91. قاضی محمد اطہر مبارک بوریؒ، رجال السند والہند، دارالمصنفین اعظم گڑھ، 1964ء
92. قاضی محمد سلیمان سلمان پوری، اصحاب بدر، مشتاق بک کارنر لاہور، س طن
93. لابن قیسرانی (507ھ)، المؤتلف والمختلف، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
94. المبرد، الکامل فی اللغۃ والادب، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
95. مجہول (م372ھ)، البلدان والجغرافیات الی المغرب، دارالثقافیہ قاہرہ 1423ھ
96. محمد اسحاق بھٹی، برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، مکتبہ سلفیہ لاہور، 1990ء
97. محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، دارالسلفیہ لاہور، 1974ء
98. محمد بکری اندلسی (م487ھ)، المسالک والممالک، دارالمغرب الاسلامی 1992ء
99. محمد بن اسحاق بن مندہ (395ھ)، معرفۃ الصحابہ، جامعہ الامارت العربیہ المتحدہ، 2005ء
100. محمد بن اسماعیل البخاری (156ھ)، الصحیح البخاری، دار طوق النجاۃ دمشق، 1422ھ
101. محمد بن جریر طبری (310ھ)، تاریخ طبری، نفیس اکیڈیمی کراچی 2004ء
102. محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اردو مترجم، عبدالحئ خواجہ)، المیزان لاہور، 2008ء
103. محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اردو مترجم، عبدالحئ خواجہ)، المیزان لاہور، 2008ء
104. مفتی محمد شفیعؒ، اسلام کا نظام اراضی، دارالاشاعت کراچی، 2003ء
105. مقدسی بشاری (380ھ)، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، دار صادر بیروت 1402ھ
106. منظور افریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت 1988ء

107. میر محمد معصوم بھکری ٹھٹوی (م1015ھ)، تاریخ معصومی، سندھی ادبی بورڈ جام شورو، 2006ء

1.Ancient Trade in Pakistan, Article by Sir Wheeler, Pakistan Miscellany, Karachi 1958
2.Dr A. H. Dani, A Short History of Pakistan, Karachi 1967
3.Smith Oxford, The Oxford History of India, oxford University Press, 1964
4.Abbott, Sind A re-interpretation of the unhappy valley, London 1880
5.Captain Postings, Personal Observation on Sind, London 1842
6.Cunningham, Ancient Geography of India , London 1897
7.Dr Fazal Ahmad Khan , Bhanbore Exuviation, Daily Newspaper Dawn Karachi, 23rd March 1959
8.Dr Muhammad Ishaq, India's contribution to study of Hadith Literature, Decca 1955
9.G.P Tate , The Frontiers of Baluchistan, London 1875
10.Haig, The Indus Delta Company, London 1894
11.India's Contribution to the study of Hadith Literature
12.Lamb rick, Sind A General Introduction, London 1880
13.M.H. Penury (1925-2007 A.D) , Primordiality of Karachi
14.W. T. Blended, The Geology of Western Sind, Vol:XVII, 1880

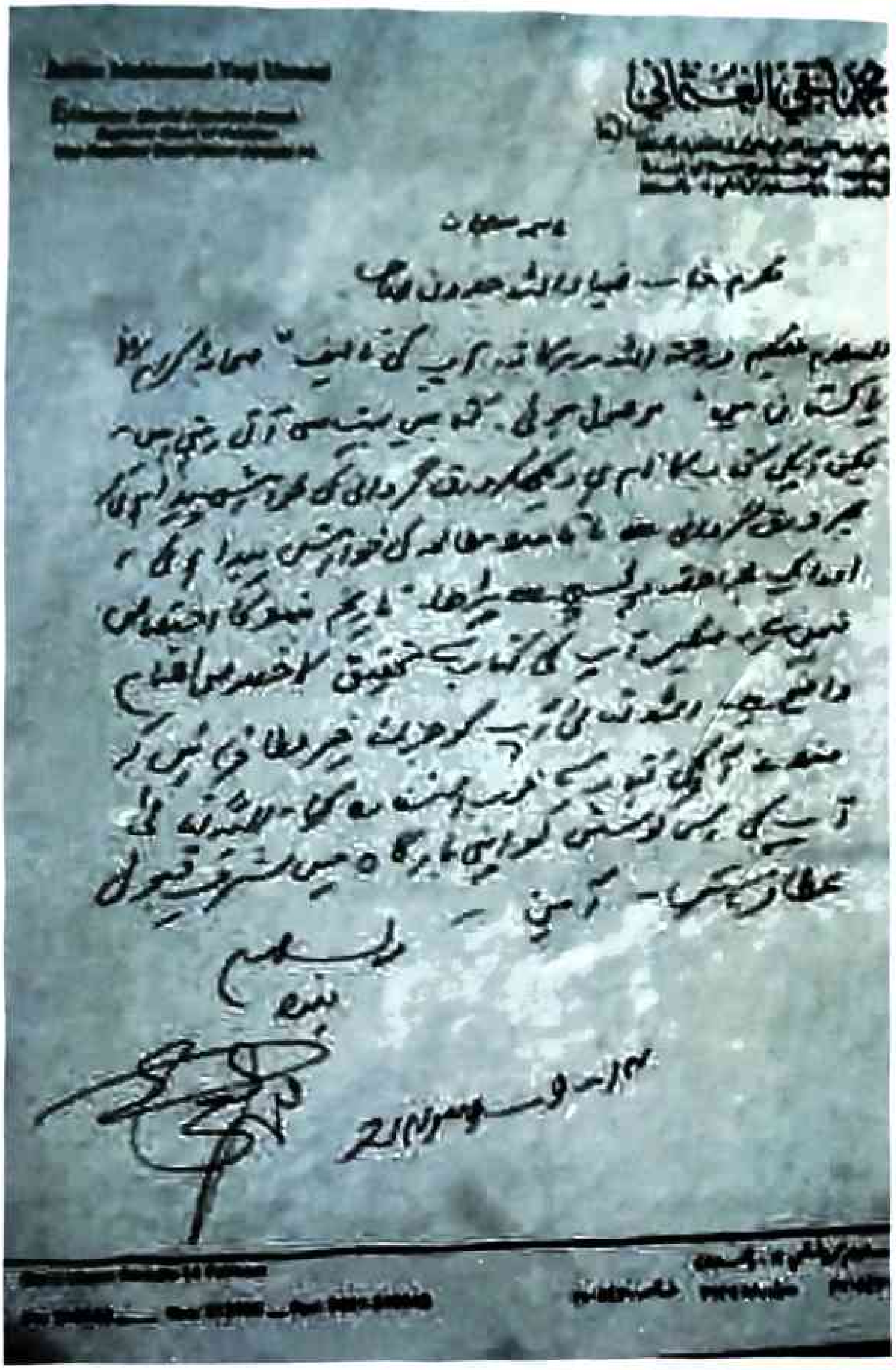

محمد تقی العثمانی

باسمہ سبحانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والسلام

بندہ

مکتبہ عزیزیہ

سلام کتب مارکیٹ دکان نمبر 17 علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

Cell: 0300-2343814